شعاع

ستمبر 2024

www.alifalib.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

واٹس اپ
03172266944

بانی — محمود ریاض
مدیرِ منتظم — انور ریاض
مدیرہ — رضیہ جمیل
مدیرِ خصوصی — امت الصبور
ڈپٹی گرافک ڈیزائن — شاہین رشید
قانونی مشیر — نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈوکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

ستمبر 2024
جلد 38 شمارہ 01
قیمت 150 روپے

رسالہ بذریعہ منی آرڈر
پاکستان (سالانہ) — 1,800 روپے
بیرون ملک (سالانہ) — 25000 روپے
سالانہ زرِ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ شعاع
37 - اردو بازار کراچی

پہلی شعاع — مدیرہ 6
حمد — میر درد 7
نعت — آثم پاکن پتی 7
نبیؐ کی باتیں — ادارہ 8

انٹرویو

جب تجھ سے ملا — م۔ن 13
دستک — شاہین رشید 16
مصباح علی سید سے ملاقات — شاہین رشید 18

مکمل ناول

ماءالملوک — نگہت سیما 163
محبت پانچواں موسم — نوشین فیاض 94

حریفِ جاں — فرح بخاری 18
ست رنگی — صائمہ نور 12

ناولٹ

یہ ظلم کب تک — قانتہ رابعہ 38

افسانے

پہلا قطرہ — عقیلہ ہاشمی 2
یک رنگا — نظیر فاطمہ 21
اڑان — انم اقصیٰ 26
چھوٹی چھوٹی غلطیاں — جویریہ مریم 39

نظمیں و غزلیں

نظم — قتیل شفائی 200
غزل — فیضان سرمدی 200

مستقل سلسلے

خط آپ کے — ادارہ 24
ہاتھوں سے خوشبو آئے — شگفتہ جاہ 202
کھلتا کسی پہ — حبیبہ خان 207
تاریخ کے جھروکے — امت الصبور 205
مسکراہٹیں — ادارہ 201
موسم کے پکوان — واصفہ سہیل 208
خوبصورت تتلیاں — ادارہ 210

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

www.alifadab.com

مدیر کا اشتراک

کچھ شخصیات اپنے افکار، اپنے نظریات سے تاریخ کا دھارا بدل دیتی ہیں۔ پاکستان کا تصور علامہ اقبال نے پیش کیا اور اس تصور کو عملی جامہ قائداعظم محمد علی جناح نے پہنایا۔

قائداعظم کی دوررس نگاہ نے بھانپ لیا تھا کہ برصغیر سے انگریزوں کے رخصت ہونے کے بعد مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ منوانا بہت مشکل ہوگا۔ اس لیے انہوں نے اپنی بیماری کے باوجود ان تھک محنت کی اور اپنی بیماری کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح کا مضبوط کردار، اٹل ارادہ اور اپنے مقصد پر کامل یقین تھا جس نے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ یہ بابائے قوم محمد علی جناح کی کرشمہ ساز شخصیت تھی جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو متحد کیا۔ انہوں نے متحد ہو کر جدوجہد کی۔ ان کی طویل، صبر آزما، پرخلوص جدوجہد اور لازوال قربانیوں کے نتیجہ میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کا حصول ممکن ہوا۔

11 ستمبر کو بابائے قوم محمد علی جناح کی برسی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

قائداعظم نے ایک مضبوط، آزاد، خودمختار اور خوش حال پاکستان کا خواب دیکھا تھا۔ اس خواب کو تعبیر ہم نے دینی ہے۔ فرد نہیں متحد ہو کر۔ وہ اتحاد جس کا مظاہرہ 6 ستمبر 65ء کو دیکھنے میں آیا تھا۔ جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تھا اور پوری قوم سارے اختلافات بھلا کر متحد ہو گئی تھی۔

افواج پاکستان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمن کو شکست دی۔

تاریخ گواہ ہے جب جب مسلمان متحد ہوئے ہیں، انہوں نے معجزے کر دکھائے ہیں۔

اس شمارے میں

☆ فرح بخاری کا مکمل ناول..... حریف جان
☆ محبت پانچواں موسم..... نوشین فیاض کے ناول کی آخری قسط
☆ ست رنگی..... صائمہ نور کا مکمل ناول
☆ ماہ الملوک ..... نگہت سیما کا مکمل ناول
☆ قانتہ رابعہ کا ناولٹ ظلم سہہ کب تک
☆ عقیلہ ہاشمی، جویریہ مریم، نظیر فاطمہ اور ام اقصیٰ کے افسانے
☆ امت العزیز شہزاد کا ناول ''والعصر''
☆ معروف مصنفہ، ڈراما نگار مصباح علی سید سے ملاقات
☆ معروف شخصیات سے گفتگو..... دستک
☆ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے..... قارئین کے تجربات
☆ پیارے نبی کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

حمد باری تعالیٰ

مقدور ہمیں کب تیرے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

میر درد

نعت رسول مقبول ﷺ

کبھی عذاب، کبھی منزلِ ثواب میں ہوں
میں ایک عمر سے اس کرب و اضطراب میں ہوں

میں ایک چشم عنایت کا ملتجی ہوں حضورؐ
پھنسا ہوا میں یقیناً کسی سراب میں ہوں

میری زبان کہاں اور کہاں ثنائے رسولؐ
میری بساط ہے کیا اور کس حساب میں ہوں

کبھی گماں کہ ہوں رہروانِ راہِ حرم
کبھی یقیں کہ میں بزم آنجنابؐ میں ہوں

قرابتوں کی تمنا رفاقتوں پہ یقیں
کبھی سوال میں ہوں اور کبھی جواب میں ہوں

کروں میں کیسے زمانے کو آشنائے یقیں
کہ خود ہی میں ابھی راہوں کے انتخاب میں ہوں

ورائے فکر ہے آثم حصارِ دیر و حرم
سجود سکانہ ابھی کون سے حجاب میں ہوں

آثم پانی پتی

www.alifaadab.com

ادارہ

حج کی یاد آئی

اخلاص اور حسن نیت

امیر المومنین ابو حفص عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"عملوں کا دارومدار نیتوں ہی پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی (اچھی یا بری) نیت کے مطابق (اچھا یا برا) بدلہ ملے گا۔ چنانچہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی، اس کی ہجرت ان ہی طرف سمجھی جائے گی اور جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت ان ہی مقاصد کے لیے ہوگی۔" اس روایت کی صحت متفقہ ہے (صحیح بخاری)

فوائد و مسائل:

1۔ بعض روایات میں اس حدیث کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے ام قیس نامی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس نے اس وقت تک نکاح کرنے سے انکار کر دیا جب تک وہ ہجرت نہ کرے۔ چنانچہ اس نے اس کی اس شرط کی وجہ سے ہجرت کر لی اور وہاں جا کر دونوں کا باہم نکاح ہو گیا۔ اس وجہ سے صحابہ میں اس کا نام ہی مہاجر ام قیس مشہور ہو گیا۔

2۔ اس حدیث کی بنیاد پر علماء کا اتفاق ہے کہ اعمال میں نیت ضروری ہے اور نیت کے مطابق ہی اجر ملے گا، تاہم نیت کا محل دل ہے، یعنی دل میں نیت کرنا ضروری ہے۔ زبان سے اس کا اظہار ضروری نہیں۔ زبان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔

جیسے نماز پڑھتے وقت پاک و ہند میں زبان سے نیت کے اظہار کا عام رواج ہے جو کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے اور دین میں اضافہ ہے تاہم حج کا تلبیہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

3۔ ہر کام کے لیے اخلاص ضروری ہے۔ یعنی ہر نیک عمل میں صرف اللہ کی رضا پیش نظر ہو۔ اگر کسی نیک عمل میں اخلاص کے بجائے کسی اور جذبے کی آمیزش ہو جائے گی تو عند اللہ وہ عمل مقبول نہیں ہوگا۔ اسی طرح قبولیت عمل کے لیے اخلاص کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہو۔

نیت کے مطابق اجر

ام المومنین ام عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک لشکر خانہ کعبہ پر چڑھائی کرنے کی نیت سے نکلے گا، جب وہ بید (کسی چٹیل میدان) میں پہنچے گا تو اس کے اول و آخر (سب کے سب) زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ "میں نے پوچھا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے اول و آخر، یعنی سب کو کیسے دھنسا دیا جائے گا جب کہ ان میں بازاری لوگ ہوں گے (یعنی حکام کے علاوہ عام افراد، یا منڈی کے لوگ اور مطلب ہے کہ وہ جنگجو نہیں ہوں گے) اور وہ بھی ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہوں گے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان کے اول آخر سب دھنسا دیے جائیں گے پھر وہ اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے (یعنی قیامت والے دن ان سے معاملہ ان کی نیتوں کے مطابق کیا جائے گا)۔" (بخاری و مسلم۔ الفاظ بخاری کے ہیں)

فوائد و مسائل:

1۔ انسان کے ساتھ روز قیامت اچھا یا برا معاملہ اس کے قصد و ارادے کے مطابق کیا جائے گا۔

2۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظلم و فجور کے مرتکبین کی ہم نشینی نہایت خطرناک ہے۔

3۔ یہ کون سا لشکر ہے اور اس کا وقوع کب ہو گا؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ پیش گوئیاں امور غیب سے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں، جن کے وقوع اور صداقت پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اس لیے کہ اس قسم کی پیش گوئیاں وحی الٰہی پر مبنی ہیں۔

4۔ اس سے بیت اللہ کی عزت و حرمت کا بھی پتا چلتا ہے کہ وہاں فساد برپا کرنا کس قدر شدید جرم ہے۔

جہاد اور نیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"فتح کے بعد ہجرت نہیں، البتہ جہاد اور نیت باقی ہیں۔ جب تمہیں جہاد پر نکلنے کے لیے طلب کیا جائے تو (بلا تامل) نکل پڑو۔" (بخاری و مسلم)

اس کا مطلب ہے "مکہ فتح ہو جانے کے بعد (جو 8 ہجری میں ہوا) مکے سے ہجرت کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ وہ دار الاسلام بن گیا ہے۔

فوائد و مسائل:

1۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد کچھ لوگوں نے مکہ سے ثواب کی غرض سے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی اور ہجرت کا ثواب یہ ہے کہ اس سے سابقہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب یہاں سے ہجرت کی ضرورت نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے ثواب کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص یہی ثواب لینا چاہتا ہے تو وہ حسن نیت سے یعنی اگر ضرورت پڑی تو ہجرت کروں گا اور جہاد کر کے یہ ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

2۔ جب کوئی ملک یا علاقہ دار السلام قرار پا جائے تو وہاں سے کسی اور علاقے کی طرف ہجرت کرنا ضروری نہیں، البتہ وہ علاقے جو دار الکفر ہیں وہاں دین پر عمل کرنا یا اس پر قائم رہنا مشکل ہے تو ایسے علاقوں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

3۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی اسلامی ملک سے کسی دوسرے اسلامی ملک میں ہجرت کر کے جانا ضروری نہیں ہے تو پھر ایک اسلامی ملک کو چھوڑ کر بلاد کفر میں جا کر اس لیے مستقل رہائش اختیار کرنا کہ وہاں دولت کی ریل پیل اور تمدنی سہولتوں کی فراوانی ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، جس میں بدقسمتی سے اس زمانے کے مسلمان مبتلا ہیں۔ بالخصوص ان کے سرمائے کا انتقال اور مفکرین کی ہجرت بہت ہی تشویش ناک ہے جس سے بلاد کفر کی معیشت کو بھی سہارا مل رہا ہے اور ان کی حیا باختہ تہذیب کو فروغ و عروج بھی۔ علاوہ ازیں ایک مسلمان کے دل میں جہاد کا جذبہ اور ارادہ موجود رہنا چاہیے اور اس کے لیے ہر ممکن تیار بھی۔ تاکہ جب بھی اسے جہاد کے لیے بلایا جائے تو فوراً اس پر لبیک کہہ سکے۔ یاد رہے جس شخص نے نہ جہاد کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کی تڑپ اور ارادہ پیدا ہوا اور وہ اسی طرح مر گیا تو وہ نفاق کے شعبے پر مرا۔

نیت کا اجر

حضرت ابو عبداللہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوے (جہاد) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

www.alfaadab.com

"یقیناً مدینے میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جتنا بھی سفر کیا ہے اور جو بھی وادی طے کی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ رہے ہیں۔ انہیں (مدینے میں) بیماری نے روکے رکھا۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

"وہ تمہارے ساتھ اجر میں شریک رہے ہیں۔" (مسلم)

اور بخاری کی روایت، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس طرح ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہمارے پیچھے کچھ لوگ مدینے میں رہے۔ ہم جس گھاٹی یا وادی میں چلے، وہ (اجر و ثواب میں) ہمارے ساتھ تھے (کیونکہ) عذر نے انہیں وہاں روکے رکھا۔"

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے دل میں جہاد کی نیت اور جذبہ صادق موجود ہو لیکن کسی عذر شرعی کی بنا پر شرکت سے معذور رہا تو اللہ تعالیٰ اسے گھر بیٹھے ہی جہاد کا اجر و ثواب عطا فرما دے گا۔

2۔ اسی طرح نیکی کے تمام امور جنہیں انسان سرانجام دینے کا پختہ عزم رکھتا ہو لیکن انجام نہ دے سکے تو حسن نیت کی وجہ سے ثواب حاصل کر لے گا۔ اس طرح اگر کوئی شخص برائی کا پختہ عزم رکھتا ہے لیکن اپنے برے ارادے میں کامیاب نہیں ہوتا تو اسے بھی اس کا گناہ ہوگا اس ارادے سے مراد وہ ارادہ نہیں جو صرف زبان سے ہوتا ہے اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ میں نے کون سا یہ کام کرنا ہے۔

صدقہ

حضرت ابو یزید معن بن یزید بن اخنس رضی اللہ عنہ اور یہ معن خود ان کے باپ یزید اور دادا، اخنس تینوں صحابی ہیں، نے بیان کیا۔

میرے باپ یزید نے کچھ دینار صدقے کے لیے نکالے اور وہ انہیں مسجد (نبوی) میں ایک آدمی کے پاس رکھ آئے (تاکہ وہ کسی ضرورت مند کو دے دے) میں مسجد میں آیا تو میں نے وہ دینار اس سے لے لیے (کیونکہ میں ضرورت مند تھا) اور وہ گھر لے آیا۔ (جب والد کو معلوم ہوا) تو انہوں نے فرمایا۔

"واللہ! تجھ کو دینے کا تو میں نے ارادہ ہی نہیں کیا تھا۔"

چنانچہ میں اپنے والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور یہ جھگڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے یزید! تیرے لیے تیری نیت کا ثواب ہے اور اے معن! تو نے جو لیا ہے۔ وہ تیرے لیے (جائز) ہے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ غیر ارادی طور پر محتاج بیٹے کے ہاتھ میں آ گیا تو اسے واپس لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ باپ نے تو کسی مستحق کو دینے کی نیت کی تھی، اسے اس کی نیت کے مطابق صدقے کا اجر مل گیا۔ تاہم یہ بات بعض علماء کے نزدیک نفلی صدقے پر محمول ہوگی کیونکہ صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) کی رقم انہیں نہیں دی جا سکتی جن کا خرچ انسان کے ذمے واجب ہے۔

2۔ صدقے کے لیے کسی کو وکیل بنانا جائز ہے۔

3۔ شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے باپ کو حاکم مجاز یا عالم دین کے پاس لے جانا، باپ کی نافرمانی نہیں ہے۔ جیسے شرعی مسائل میں باہم و بحث و تکرار گستاخی نہیں ہے۔ (فتح الباری 292/3)

وصیت

ابو اسحاق سعد بن ابی وقاص مالک بن جوان دس صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں جنہیں جنت کی خوش خبری دنیا ہی میں دے دی گئی تھی۔ فرماتے ہیں۔

"میری بیمار پرسی کے لیے حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے مجھے اس وقت شدید درد تھا۔ میں نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میرا درد کیسی شدت اختیار کر گیا ہے، میں صاحب مال ہوں لیکن میری وارث صرف میری ایک ہی بیٹی ہے۔ کیا میں اپنے مال کا دو تہائی حصہ خیرات کر دوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں۔"

میں نے کہا۔ "آدھا مال؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں۔"

میں نے کہا۔ "پھر اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک تہائی مال صدقہ کر دوں؟"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تیسرا حصہ (تم خیرات کر سکتے ہو) اور تیسرا حصہ بھی زیادہ یا بڑا ہے۔ اس لیے کہ تم اپنے وارثوں کو صاحب حیثیت چھوڑ کر جاؤ۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں کنگال کر کے جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ (یاد رکھو!) تم جو بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرو گے تو اس پر تمہیں اجر ملے گا، حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے (اس پر بھی ثواب ہوگا۔"

میں نے کہا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اپنے ساتھیوں کے بعد پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ یعنی کیا میرے ساتھی مجھ سے پہلے فوت ہو جائیں گے اور میں دنیا میں اکیلا رہ جاؤں گا؟)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اگر ایسا ہوا بھی تو کیا، یہ تمہارے "حق میں اچھا ہی ہے) بلاشبہ ساتھیوں کے بعد جب تم ان کے پیچھے رہ جاؤ گے تو جو بھی عمل اللہ کی رضا کے لیے کرو گے اس سے تمہارے درجے میں زیادتی اور بلندی ہی ہوگی نیز شاید تمہیں مزید زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے، حتیٰ کہ کچھ لوگ (اہل ایمان) تم سے فائدہ اٹھائیں اور کچھ دوسرے لوگوں (کافروں) کو تم سے نقصان پہنچے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری (پورا) فرما دے اور انہیں ان کی ایڑیوں پر نہ لوٹا۔ لیکن قابل رحم سعد بن خولہ ہیں۔"

ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کی دعا فرماتے تھے۔ اس لیے کہ وہ مکے میں فوت ہوئے تھے۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شہر میں اقامت پذیر ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ جس سے انہوں نے اس کی محبت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کی تھی، اس لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی موت مکے میں نہ آئے۔ چنانچہ ان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے اتمام کی دعا فرمائی اور سعد بن خولہ کی حالت زار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھ کا اظہار فرمایا کیونکہ ان کی وفات مکے میں ہوئی جس کی وجہ سے وہ ہجرت کے پورے ثواب سے محروم رہے۔

2۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مرض الموت میں انسان ایک تہائی مال (1/3) سے زیادہ صدقہ یا وصیت نہیں کر سکتا۔ لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فوت ہونے سے پہلے صدقہ کرنا مستحق امر ہے۔ سلف صالحین میں سے اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، اس لیے دور حاضر میں اصحاب ثروت کو اپنی جائیداد کا کچھ نہ کچھ اللہ کے لیے ضرور وقف کرنا چاہیے کیونکہ دینی مدارس اور مساجد کی حکومتی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے شدید مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

www.ahlehadeeth.com

3۔انسان کی اگر نیت صحیح ہو تو بیوی بچوں پر جو کچھ خرچ کرتا ہے، اس پر بھی اسے اجر ملتا ہے۔

4۔کسی صحیح غرض کی خاطر انسان اپنی بیماری یا تکلیف کا اظہار کر سکتا ہے، تاکہ اس کا اعلان یا دعا کی جا سکے، یہ اللہ کے خلاف شکوہ نہیں ہے۔

5۔انفاق وصدقات میں اپنے قریب ترین رشتے داروں کو اولیت اور فوقیت دی جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے تعیشات کے لیے زکوٰۃ خرچ کی جائے جبکہ عام غربا زیادہ ضرورت مند ہوں جیسا کہ بعض فی زمانہ اس طرح کرتے ہیں۔

راوی حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سعد بن مالک بن اہیب قرشی، زہری، ان کی کنیت ابواسحاق ہے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں پانچواں یا ساتواں نمبر ہے۔ جب اسلام قبول کیا تو ان کی والدہ نے کھانا پینا ترک کر دیا اور کہا۔ ”جب تک تو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف نہیں ہوتا اس وقت تک میں کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور نہ سائے ہی میں ہوں گی۔ یہ اپنی والدہ کے بہت تابع فرمان تھے لیکن ماں سے کہا کہ میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ان دس صحابہ کرام میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی۔ یہ وہ خوش نصیب ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان۔“ اور یہ دعا بھی کی۔ ”اے اللہ! ان کا نشانہ سیدھا رکھنا۔“

انہیں ایک بار آتا دیکھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”یہ میرا ماموں ہے، اس جیسا کوئی دکھائے تو سہی۔“

تمام غزوات میں شرکت کی۔ فاتح عراق ہیں اور فتح ایران بھی ان ہی کا عظیم کارنامہ ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے مدینہ سے دس میل دور مقام عقیق میں 55 ہجری میں وفات پائی۔ وہاں سے ان کی میت کندھوں پر لائی گئی اور انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ کتب احادیث میں ان سے 270 احادیث مروی ہیں۔

شہید کون ہے؟

حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔

”ایک آدمی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے دوسرا (خاندانی، قبائلی) حمیت کے لیے اور ایک تیسرا ریاکاری کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو شخص صرف اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ (دین) بلند ہو، وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے۔“ (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل:

1۔اللہ کے ہاں اعمال کا اعتبار چونکہ نیات صالحہ کے مطابق ہوگا، اس لیے عنداللہ مجاہد فی سبیل اللہ بھی صرف وہی ہوگا جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑے گا۔ تاہم اس کا تعلق چونکہ دل سے ہے جس کو انسان دیکھنے پر قادر نہیں ہے، اس لیے میدان جہاد میں ہر مسلمان مقتول کے ساتھ شہید والا معاملہ کیا جائے گا۔ اور اس کی نیت اور ارادے کا مسئلہ اللہ کے سپرد ہوگا۔ کیونکہ دلوں کے بھید صرف وہی جانتا ہے۔

2۔انسان کو چاہیے کہ حلال، حرام اور اپنے دین کی اصلاح کے لیے گاہے گاہے علماء سے استفسار کرتا رہے۔

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

م۔ن

س۔”شادی کب ہوئی؟“

ج۔”میری اور اماں کی شادی کا مہینہ، ڈیٹ ایک ہے، بس الگ ہے۔“ میری 6 ستمبر 1994ء میں ہوئی، اماں کی 6 ستمبر 1971ء میں ہوئی، دھماکے دونوں کی زندگیوں میں جاری رہے۔“

س۔”شادی سے پہلے کے کیا مشاغل تھے اور دلچسپیاں؟“

ج۔”بہت سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ چھوٹی عمر سے اماں سے سلائی کڑھائی سیکھ لی۔ اپنے جیسی سہیلیاں بنائیں۔ سارا سارا دن کڑھائی کے فریم ہاتھوں میں پکڑے کبھی میرے گھر شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھ کر سلیقہ آزمائی ہوتی اور کبھی دوست نسرین کے گھر۔ پیروں سے چلنے والی سلائی کڑھائی کی مشین جو ان کی اماں جہیز میں لائی تھیں۔ اس پر ہم پیڈل مارتی فن کا مظاہرہ کرتیں۔ شروع سے ڈائجسٹ پڑھنے کی لت تھی اور آج تک برقرار ہے۔ لکھنے کی طرف توجہ کم دی۔ جان کاری وسیع تھی لیکن انڈر میٹرک پہ مار کھا گئی۔ البتہ گوشی کے کمالات جوتے کھاتے ہوئے بھی مستقل مزاجیاں آپ کے سامنے ہیں۔ کیونکہ یہ کہانیاں پڑھ کر چھوٹے بہن، بھائی کو وراثت سونپ دی۔“

س۔”اس رشتے میں آپ کی رضامندی شامل تھی یا والدین کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟“

ج۔”مرضی یوں کہہ لیں کہ کزن سے شادی ہوئی۔ دیکھا ہوا تھا۔ جان پہچان نہ ہونے کے برابر تھی۔ بڑی پھوپھو کے بڑی مونچھوں والے ٹرک ڈرائیور کا رشتہ آیا ہوا تھا۔ سو ابا کی کزن خیر النساء کے بیٹے حفیظ احمد کے لیے سر اوپر آسمان کی طرف اٹھا کر نیچے گرا دیا۔ فی امان اللہ۔ ہتھ سٹ۔“

س۔”ذہن میں جیون ساتھی کے حوالے سے کوئی تصور تھا؟ نیز وہ کیا خوبیاں تھیں؟“

ج۔”بالکل تھا، حالانکہ اس زمانے میں ایسا کم ہی ہوتا تھا لیکن سہیلی نسرین اور مختاراں کی دسترس میں، تینوں کے ایک جیسے تصورات تھے۔ میں شروع سے اسمارٹ لائف پارٹنر کی خواہش مند تھی۔ کیونکہ میں شادی کے تیس سال گزرنے کے بعد آج بھی ویسی کی ویسی ہوں ذرا موٹی نہیں ہوئی۔ اس لیے خاندان بھر میں آج بھی گڈی کے نام سے مشہور ہوں۔ صبا نے مجھے یہ نام دیا تھا۔ گھر کی سب سے بڑی اور لاڈلی بیٹی کے عہدے پر فائز ہوں۔ شادی کے وقت شوہر اسٹوڈنٹ اور میں بھی اسٹوڈنٹ دونوں ایک ہی کشتی کے سوار“

س۔”منگنی کتنا عرصہ رہی، شادی سے پہلے فون پر بات ہوئی یا ملاقات وغیرہ؟“

ج۔”نہ جی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، فون کال یا ملاقات، البتہ ایک شادی پر دیکھا تھا لیکن شاید اس وقت میں ان کی نظروں میں آ گئی تھی۔ تبھی ساس اور ان کی چلتر نند زینب بی بی۔ ہمارے گھر آٹھ دن ڈیرہ ڈالے رہیں۔ اماں ان کے بسیرے سے خاصی تنگ تھیں۔ پہلے اتنا آنا جانا نہیں تھا۔ ان انڈوں پہ بیٹھی مرغیوں کا روپ دھارے سیوا کروانے میں رہیں۔ دوسرے رشتے سے بیزاری کی صورت ان کو ہاں کر کے چلتا کیا۔ پرائمری پاس کا پتا رشتہ طے ہو گیا۔ دسویں کے پیپر نہ دے پائی۔ ایسی پتہ نہیں کیا آفت

www.alifadab.com

مجی تھی انہیں شادی رچالی۔ تقریباً پانچ سال کے لگ بھگ منگنی رہی۔ اکلوتا فون ابا کے پاس تھا۔ بڑی میں تھی باقی ٹولہ مجھ سے چھوٹا تھا۔ اس لیے فون کی جسارت نہ ہو پائی۔ گاجری کلر کے غرارہ سوٹ میں گاجر بنی صادق آباد آن بسی۔"

س۔ "شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں آپ کے کیا خیالات تھے؟"

ج۔ "ویسے تو سسرال ابا کی کزن خیر النساء ہمراہ زینب بی بی تھا۔ ساس خیر النساء اچھی خاتون لگیں۔ محبت کرنے والی، ملنسار۔ اس زمانے میں منگنی پہ چھ سوٹ لائے۔ وہ الگ بات تھی کہ پہننے کے قابل ایک بھی نہیں۔ نہ کلر ڈھنگ کے اور نہ کوالٹی۔ اماں کے ٹرنک میں ہی پانچ سال پڑے رہے۔ زینب طلاق یافتہ عورت تھیں، چہرے سے ہی نوسر باز لگیں۔ ان کی وہاں موجودگی سے کچھ خدشات پیدا ہوئے جو بعد میں سچ ہی ثابت ہوئے۔ رنگ برنگی ورائٹی پہ مشتمل سسرال ملا۔ حکومت سب پہ زینب کی۔"

س۔ "شادی کے بعد آپ کو تعلیم چھوڑنا پڑی یا قربانی دینی پڑی؟"

ج۔ "وعدے دھرے کے دھرے ہی رہ گئے۔ البتہ گھر کے تمام فضول کاموں میں مجھے دھرلیا۔ میٹرک کرلے گی تو آگے کا شوشہ چھوڑے گی۔ بہتر ہے نہ پڑھایا جائے۔ زینب بی بی کے بھیانک قول مجھ پر صادر ہوگئے۔ خود جیسے دیں مربعوں کی مالکن ہو۔ چارپائی پہ بیٹھی حکم صادر کرتی رہتی۔ ساس بے چاری کی حیثیت بھی نوکرانی جیسی تھی۔ بھتیجا پھوپھو کے گرد لٹو کی شکل میں گھومتا رہتا۔ خاصا حیران کن سسرال پایا میں، کوئی رنڈوا تو کوئی طلاق یافتہ۔ طرح طرح کے دلچسپ نمونوں سے بھرا گھر۔"

"حفیظ احمد تین بہنوں کے اکلوتے بھائی، سب سے چھوٹے، شادی بڑی بہنوں سے پہلے رچالی۔"

س۔ "شادی بخیر وخوبی انجام پائی یا رسموں کے لین دین میں کوئی بدمزگی ہوئی؟"

ج۔ "سارے معاملات پہلے طے ہوگئے۔ جہیز کی صورت موٹی رقم فرنیچر اور بجلی کے سامان کی صورت وصول لی، سامان خریدنے پہ منع کردیا۔ دور کا سفر ہے سامان خراب ہوجائے گا۔ بستر، کپڑے۔ اماں کا گولڈ کا سیٹ پہنے صادق آباد کی لوکل بس میں ہچکولے کھاتی صادق آباد کے چک 52 جہاں سیم زدہ نالے نے پہلے استقبال کیا۔ ایک لوہے کی چھوٹی ونڈو جس پر لمبی لمبی لوہے کی موٹی دیواریں تھیں۔ اندر جھلنگا سی چارپائی پہ مصنوعی پھولوں کی گتی کی پانچ سے چھ لڑیاں ہوا میں جھول رہی تھیں۔"

دلہن مسرت نسیم کی حجلہ عروسی کی نقاب کشائی ہوئی۔ ابا سادہ لوح انسان تھے۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئے۔ گھر ابا کو بالکل پسند نہیں تھا لیکن زینب خاتون کی شیخیاں، شہر میں پلاٹ ہے۔ اس پہ مکان ایک سال میں تعمیر ہوجائے گا۔ اس لیے چک 52 میں کون سا مستقل رہنا۔ سامان جہیز کی رقم اور کچھ جمع پونجی سے شہر والا مکان مکمل کروالیں گے سامان تو بنتے رہتے ہیں۔ سب ان کی من مرضی سے ہوا۔ بدمزگی پیدا ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔

س۔ "شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟"

ج۔ "جو چاہا وہ پالیا۔ میں نے خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ تم جیسی خوب صورت لڑکی میری ہمسفر بنے گی۔ پہلی نظر میں دیکھ کر پھوپھو اور اماں کے سر ہوگیا۔ شادی کروں گا تو مسرت نسیم سے۔ پھر کیا! اس گھر میں پھوپھو کی اہمیت سب سے اوپر ہے۔ اس کی خدمت میں کوئی کمی نہ رہے۔ تم اس گھر کی اکلوتی بہو ہو۔ بڑی تینوں بہنوں سے سگی بہنوں جیسا سلوک رکھنا۔ شادی کے بعد انہوں نے یہاں سے چلے جانا ہے۔ 35 سالہ نصرت کی طرف دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔ پھر کشور اور نوشابہ۔ الٰہی خیر، ان اڈھیر

عمر گھاگ عورتوں میں سترہ سالہ مسرت نسیم کی خیر نہیں..... ہاہاہا۔"

س۔ "شادی کے کتنے دن بعد کام سنبھالا؟"

ج۔ جاتے ہی گھر کی ذمہ داری سنبھال لی تھی نندیں کھیتوں پہ کام کرنے چلی جاتیں پیچھے سارا کام میرے ذمہ، ساس ہاتھ بٹادیتی۔ زینب بی بی آرام کا شغل فرماتیں۔

س۔ "میکے اور سسرال کے کھانے پکانے کے انداز اور ذائقے مختلف محسوس ہوئے؟"

ج۔ "ضرور ہوئے۔ ہر گھر کا اپنا الگ ذائقہ ہوتا ہے۔ دونوں بڑی نندوں کے ہاتھ میں ذائقہ نہ تھا۔ البتہ نوشابہ پلاؤ اچھا بناتی تھی۔ سب سے زیادہ اس گھر میں زینب پھوپھو کے ہاتھ میں ذائقہ تھا۔ بناتی کبھی کبھار، موڈ پہ منحصر لیکن کمال کا۔ مجھے اماں نے ہر کام سکھایا۔ سب سسرال والے ہاتھ چاٹتے رہ جاتے میں جو کچھ بناتی۔ شوہر روز جاتے ہوئے فرمائش کرکے جاتے کھانا تم بنانا۔ باجی نصرت صرف ساگ ہی اچھا بناتی ہے۔ لکڑی کی بھٹی پہ بنی باریک اور گول روٹی کے پورے سسرال والے قین اور میں خوشی سے نہال۔"

س۔ "سسرال میں کن باتوں پر تعریف اور کن پر تنقید ہوئی؟"

ج۔ "چست اور پھرتیلی ہونے کی وجہ سے جلدی سارے کام نپٹالیتی۔ شوہر کی طرف سے تعریفی کلمات اکثر ادا ہوتے یا پھر سر بھی کبھی کبھار کردیتے۔ پھوپھو چپ رہتیں۔ کچا گھر تھا لیکن صفائی ستھرائی کا اچھے سے خیال رکھتی۔ سلیقہ اور نفاست اماں کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی۔ میکے میں کسی سے بات کرنے کی کوئی پرائیویسی نہیں تھی، ہر کام پھوپھو کی مرضی سے۔ پھوپھو کی بے سروپا تنقید کا نشانہ بنتی۔ اپنا گھر بسا نہیں اور دوسروں کے گھر میں مداخلت ضروری سمجھتی۔"

س۔ "سسرال والوں نے وہ مقام دیا جو آپ کا حق تھا۔ گھریلو امور اور خاندانی معاملات میں آپ کی رائے کو کتنی اہمیت دی جاتی ہے؟"

ج۔ "پہلے مقام ٹھیک تھا لیکن بیٹی کی پیدائش پہ ٹکے کی وقعت نہ رہی۔ پھوپھو اور نند کشور نے بہت واویلے کیے کہ پہلا بیٹا ہونا چاہیے تھا۔ ہم نے تو ساری شاپنگ لڑکے کی کرلی اور یہاں محترمہ بیٹی پیدا کیے بیٹھی ہیں، ان کی بے حسی پہ دل کٹ کر رہ گیا۔ یہ تو اللہ کے کام ہیں وہ جسے چاہے اس سے نوازے۔ یہ بڑے بول آج کشور کے سامنے آگئے۔ اوپر تلے پانچ بیٹیاں ہوئیں بیٹا ایک بھی نہیں۔ شرمساری رہتی ہیں۔ خاندانی معاملات پھوپھو کے سپرد ہیں۔ شوہر کو بھی مداخلت کی اجازت نہیں۔ کوئی بات، کوئی مسئلہ ہو، ہر فرد کی زبان پہ یہی فقرہ ہوتا ہے۔" زینب سے پوچھ لو۔ پہلے زینب بی بی کا تو امارو۔"

س۔ "سسرال والوں سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں۔؟"

ج۔ "کھکھ وی نئیں۔ الٹا پھوپھو جان نے جلدی پوتا پانے کی غرض سے صفیہ بی بی کی صورت میرے سر پہ سوتن بٹھادی۔ معاملات کی کشیدگی کی وجہ سے میں زیادہ میکے ہمراہ بیٹی رہتی ہوں۔ اماں ابا کی وفات کے بعد چھوٹے بھائیوں نے کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ ماں کے رتبے پہ فائز کیا ہوا ہے۔ میں نے بھی کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی۔ خوش اسلوبی سے تمام معاملات ہینڈل کیے ہوئے ہیں۔ کبھی کبھار بیٹی کے ہمراہ صادق آباد سسرال کا چکر لگا آتی ہوں، سوتن سے کوئی گلہ نہیں۔ ہم دونوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی زینب پھوپھو نے مستقل مجھے وہاں ٹکنے نہیں دیا۔ شوہر کی بے حسی پہ افسوس ہے۔ میری جنت، میری بچی میرے ساتھ ہے اس لیے اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔"

س۔ "سسرال کا ماحول بہتر بنانے کی کوشش کی اور اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی؟"

ج۔ "سسرال نے مستقل ٹکنے نہیں دیا باوجود کوشش کے ان کے اصول و قواعد اتنے پختہ ہیں، تبدیلی کیونکر وقوع پذیر ہوتی۔ مہمان بن کر دونوں ماں بیٹی جاتی ہیں۔ واپسی اپنی جنت جمال ہاؤس۔"

☆☆

www.alifeab.com

دستک دستک دستک

شاہین رشید

فیروز خان

"کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمد للہ۔"

"کیا مصروفیات ہیں آج کل؟"

"کوئی خاص نہیں، ڈراموں سے متعلق ہی مصروفیات ہیں مختلف پروڈکشن ہاؤسز کے لیے اور گرین ٹی وی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"سب میں آپ کے کردار کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں۔ آپ کو پتا ہی ہے کہ اب وہ اسٹیج تو ہے نہیں کہ چھوٹا موٹا رول پکڑ لیا۔ یا سائیڈ رول پکڑ لیا کہ شکر ہے کام تو مل رہا ہے۔ اب تو لیڈ رول سے کم کی بات ہی نہیں ہوتی۔"

"شہرت کو زوال بھی ہے، ڈرتے ہیں؟"

"کیوں نہیں ہر عروج کو زوال ہے۔ اور میرے ساتھ تو ایسا ہو بھی چکا ہے اور اب پھر اللہ نے عروج دیا ہے۔"

"آپ نے دوسری شادی کی، مبارک ہو آپ کو۔ آپ خوش ہیں؟"

"جی دوسری شادی کی ہے بیگم ماہر نفسیات ہیں زینب ان کا نام ہے اور میری پسند سے ہیں اور آپ کی مبارک باد کا شکریہ۔"

"آپ کے تو ماشاء اللہ سے دو بچے بھی ہیں شاید؟"

"شاید..... والی تو بات ہی نہیں ہے۔ میرے دو بچے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ..... اور میں اپنی دوسری شادی سے بہت خوش ہوں۔ میری پہلی شادی 2018ء میں ہوئی تھی۔"

"گڈ..... اور؟"

"معاف کیجیے گا ایک کال آ رہی ہے پھر بات کرتا ہوں ....." اوکے جی اب فنکار بہت مصروف ہو گئے ہیں۔

آغا علی

"کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمد للہ..... آپ بتائیں۔"

"شکر اللہ کا آج کل آپ کو ڈرامہ سیریل ہابیل اور قابیل میں دیکھ رہے ہیں اچھا ہے سیریل آپ کیا کہیں گے؟"

"ہاں سیریل مقبول ہو رہا ہے۔ لوگ پسند کر

رہے ہیں اور میرا کردار بھی ذرا مختلف ہے۔ اچھا رسپانس مل رہا ہے۔"

"آپ واقعی خوب صورت اور اسمارٹ ہیں۔ سیریل میں تو بہت مغرور دکھائے گئے ہیں۔ حقیقت میں کچھ عکس ہے کیا؟"

"ہاہاہا..... نہیں بھئی میں عام زندگی میں بہت سادہ مزاج انسان ہوں۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ اور سب لوگ اپنے لحاظ سے اچھے اور خوب صورت ہوتے ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی غرور نہیں ہے۔"

"اب تو ڈھیروں ڈھیر چینلز اور پروڈکشن ہاؤسز آ گئے ہیں آپ فنکاروں کی مصروفیات تو بہت بڑھ گئی ہوں گی؟"

"ہاں..... چینلز تو واقعی بہت ہیں مگر پروڈکشن ہاؤسز کی تعداد اور وہ بھی اچھے پروڈکشن ہاؤسز کی تعداد کافی کم ہے ہاں..... ہماری مصروفیات کافی بڑھ گئی ہیں۔ کسی نہ کسی چینل پر نیا پرانا ڈرامہ چل ہی رہا ہوتا ہے۔"

"ہر وقت اسکرین پہ رہنا کیسا لگتا ہے؟"

"اچھا لگتا ہے۔ ہمارا کام تو کام کرنا ہے۔ کب آن ایر آنا ہے۔ ہمیں خود بھی اس کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہوتا۔"

"اچھا ایک بات پوچھنی تھی گزشتہ دنوں لڑکیوں کے بارے میں آپ نے ایک اسٹیٹ منٹ دی تھی وہ کیا ہے کچھ وضاحت کریں گے؟"

"قہقہہ، لڑکوں کو کہا ہے کہ بھائی محبت کرتے وقت ذرا احتیاط سے کام لیں۔ اور یہ بات میں نے ایک نجی چینل میں کہی تھی کہ ہر سمجھ دار لڑکی کو سیکورٹی، لگژری اور لڑکے کے بنک بیلنس سے دلچسپی ہوتی ہے۔ آپ ہمیشہ اس لڑکی سے محبت کریں جس کے بل آپ ادا کر سکیں۔ یہ پیار محبت پہلے زمانے کی باتیں تھیں اب ایسا کچھ نہیں ہے۔ پہلے اپنے آپ کو سیٹل کرو اس کے بعد محبت تاکہ لڑکی کی ساری خواہشات کو پورا کر سکو۔"

"کسی نے برا مانا.....؟"

"ہاں مانا ہوگا۔ مگر کوئی خاص ردعمل سامنے آیا نہیں۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ اگرچہ تلخ ہے۔"

"چلیں بہت شکریہ بات کرنے کا۔"

یشما گل

"کیا حال ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"ایک پروگرام میں آپ نے کہا کہ مجھے کرکٹ سے کوئی لگاؤ نہیں مگر اسٹیڈیم جا کر دیکھنا پسند ہے..... ایسا کیوں ہے؟"

"بات یہ ہے کہ کرکٹ سے تو مجھے واقعی لگاؤ نہیں ہے لیکن کرکٹرز سے تو ہے۔ مجھے بابر اعظم پسند ہیں اور میں ان کی بیٹنگ دیکھنے جاتی ہوں۔"

"صرف بابر اعظم؟"

"جی صرف بابر اعظم ہی نہیں جو بھی ملک کے لیے اچھا کھیلے گا وہ میرا پسندیدہ ہوگا — بابر اعظم اس لیے بھی زیادہ پسند ہیں کہ بطور کرکٹر عالمی سطح پر دنیا کے بہترین کرکٹر کے طور پر پاکستان کی نمائندگی کر رہے ہیں اور انہوں نے پاکستان کو بہت سی کامیابیوں سے ہمکنار کیا ہے۔"

"کبھی بابر اعظم سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں جی، میں آج تک کسی کھلاڑی سے نہیں ملی۔ نہ ہی میں نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے البتہ بابر اعظم سے دوستی کرنے کو میرا دل چاہتا ہے۔ اگر ہو جائے تو کیا ہی کہنے۔"

"اور کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

"بس ڈراموں سے متعلق مصروفیات ہیں کچھ کے اسکرپٹ دیکھ رہی ہوں کچھ پر کام ہو رہا ہے۔ کچھ کی ریکارڈنگز چل رہی ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے..... پھر بات کریں گے۔"

☆☆

www.alfaadab.com

مقبول مصنفہ اور ڈراما نگار

مصباح علی سید سے ملاقات

شاہین رشید

گھریلو مسائل کو جتنے اچھے طریقے سے خواتین سمجھ سکتی ہیں کوئی اور نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ آج کل خواتین کے لکھے ڈرامہ زیادہ تعداد میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

''قصہ دل'' آج کل آن ایئر ہے اور مصباح علی سید اس کی لکھاری ہیں جو اس سیریل سے پہلے کئی کامیاب سیریلز اور ٹیلی فلمز لکھ چکی ہیں۔ بہت اچھی رائٹر ہیں ان کی تحریر ہلکی پھلکی اور گھریلو ہوتی ہے۔

''قصہ دل'' کے حوالے سے اور کچھ تعارف کے ساتھ ان کا انٹرویو حاضر ہے۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''الحمدللہ۔''

''کیا مصروفیات ہیں آج کل۔ قصہ دل تو ہم دیکھ رہے ہیں اچھا جا رہا ہے؟''

''مصروفیات ہی ہیں جس نے ''سانس'' کا سلسلہ زندگی کے ساتھ جوڑا ہوا ہے۔ اور ذاتی مصروفیات تو اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے میں ہی نہیں ساری خواتین بہت مصروف رہتی ہیں۔

جہاں تک لکھنے لکھانے کی مصروفیات ہیں تو دو تین پروجیکٹس ہیں جن کو مکمل کرنے میں لگی ہوئی ہوں۔ اپنے اس شوق کے لیے بھی ٹائم تو نکالنا پڑتا ہے۔''

''اب تک کیا کیا لکھ چکی ہیں اور کب سے لکھ رہی ہیں؟''

بچپن سے لے کر اب تک لکھا ہی لکھا ہے۔ تختیاں بھی لکھیں سلیٹ پر بھی لکھا۔ تختہ سیاہ پر کے لکھا، دیواروں پر بھی لکھا، کاپیوں پر بھی لکھا، درختوں پر بھی لکھا۔ میرے خیال میں ایک رائٹر کو لکھنے کا بے انتہا شوق ہوتا ہے۔ اور جہاں کہیں خالی کاغذ بھی نظر آتا ہے تو کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہے۔ اگر پین ہاتھ میں ہو تو.....

اب تک کتنے ڈرامے لکھ چکی ہوں تو سب سے پہلے ''تڑپ'' لکھا ''چمک دمک''۔ ''تنہا تنہا''۔ ''میرے ہم نشیں''۔ ''پیار دیوانگی'' اور آج کل قصہ دل آن ایئر ہے تو چھ سیریل آن ایئر جا چکے ہیں جب کہ ٹیلی فلمز بہت ساری ہیں۔

ڈائجسٹ سے مجھے بہت لگاؤ ہے۔ سب سے پیاری چیز جو میری ''جڑ'' ہے جس سے میں بہت دور ہو چکی ہوں اور وہ سوکھ بھی گئی ہے اور مجھے اس پر پانی ڈالنا ہے وہ ڈائجسٹ ہے..... اور ڈائجسٹ میں، میں نے بہت لکھا ہے۔ بہت ساری مصنفین نے ڈائجسٹ کو بہت سال دیے جبکہ مجھ جیسی ''دیکھی'' نے صرف چار پانچ سال ہی دیئے۔ اس مختصر پریڈ میں، میں نے پندرہ کے قریب افسانے لکھے سات آٹھ مکمل ناول ہوں گے یا شاید دس، بارہ ہوں گے۔ سلسلے وار ناول دو ہی لکھے ایک تو ''کانچ کا سائبان'' تھا اور دوسرا میرے ہم نشیں وہ سال ڈیڑھ سال چلا ..... تو جناب جتنا لکھا بہت مکمل کے اور بہت انجوائے کر کے لکھا۔

اپنے پسندیدہ ڈرامے کی بات کروں تو مجھے میرے ہم نشیں'' اور جیسا ناول تھا ویسا ہی ڈرامہ بھی بنا۔ کچھ دو چار چیزیں تبدیل کرنا پڑیں اور ایسا تو ہر تحریر میں ہوتا ہے..... اور میں نے ہمیشہ اپنی تحریروں میں گھریلو ایشوز کی ہی بات کی ہے وہ ایشوز جو آپ کے اردگرد یعنی محلوں میں، گھر میں اور خاندان میں چل رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح قصہ دل مکمل طور پر ایک فیملی ڈرامہ ہے۔ جو کہ ناظرین کو پسند بھی آ رہا ہے۔''

''لکھنے کا سفر ڈائجسٹ سے شروع ہوا یا ڈائریکٹ ڈراموں میں آئیں اور پھر ڈائجسٹ میں؟''

''میرا لکھنے کا سفر ''شعاع'' ڈائجسٹ سے شروع ہوا اور یہ بات ہے 2013ء کی جنوری کے سال نو نمبر میں میرا پہلا افسانہ شائع ہوا نام تھا ''میرے اجنبی'' جب ڈائجسٹ میں لکھتی تھی تو ''اسکرپٹ'' کا کچھ آئیڈیا نہیں تھا..... اور جب اسکرپٹ کی طرف آئی تو ڈائجسٹ سے دور ہوتی چلی گئی کہ ٹائم ہی نہیں نکال پاتی تھی۔ اسکرپٹ کی طرف میں 2017ء میں آئی تھی اور میری پہلی ٹیلی فلم اور سیریل ''تڑپ'' آن ایئر ہوا تھا۔''

''اس فیلڈ میں کس نے متعارف کرایا۔ کتنے پاپڑ بیلنے پڑے؟''

''متعارف کرانے یا ہونے کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔ پہلے تو میں ڈائجسٹ کی طرف آئی۔ ہوا یہ کہ ان دنوں ایک معروف رائٹر کا ایک ناول شائع ہو رہا تھا تو اس ناول کو پڑھ کر میں نے اپنی خالہ سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں بھی لکھ سکتی ہوں۔ یہ بات ہنسی مذاق میں ہو رہی تھی۔ خالہ نے کہا کیا واقعی تم لکھ سکتی ہو۔ میں نے کہا بالکل شرط لگا لیں۔ ایسا لکھنا کیا مشکل ہے اس میں تو سسرال کے قصے بتائے جا رہے ہیں تو ایسا تو میں بھی لکھ سکتی ہوں۔ خیر ہنسی مذاق میں، میں نے بھی ایک افسانہ لکھا اور ڈائریکٹ ڈائجسٹ میں بھیج دیا۔

اب مجھے چونکہ ڈائجسٹ پڑھنے سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی تو مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ مدیرہ کون ہے، رائیٹرز کون ہیں بس مجھے ڈائجسٹ کا رنگین ٹائٹل بہت متاثر کرتا تھا اور دیگر میگزین کے رنگین صفحات بہت متاثر کرتے تھے اور جو ماڈل نے پہنا ہوا ہوتا تھا مجھے ویسی ہی چیزیں چاہیے ہوتی تھیں۔ اور میری امی بازاروں کے چکر لگاتی تھیں اور تھک ہار کر واپس آ جاتی تھیں۔ اتنی خواری کے بعد امی نے گھر میں ڈائجسٹ اور دیگر میگزین پر پابندی لگا دی۔ اور چیزیں نہ ملنے کی صورت میں پھر میری ضد پر اور امی نے میری جو پٹائی کرنی ہوتی تھی تو مت پوچھیں اور یہ پابندی بھی لگی کہ گھر میں اگر ڈائجسٹ آئیں گے تو ٹائٹل پھٹا ہوا ہوگا اور امی باقاعدہ ٹائٹل پھاڑ دیا کرتی تھیں۔ میں ڈائجسٹ میں کیا پڑھتی تھی گھریلو ٹوٹکے، بیوٹی بکس، لطیفے وغیرہ وغیرہ قصے کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی.....

خیر شرط، شرط میں، میں نے افسانہ لکھا اور بھیج دیا۔ اس وقت صبا سحر ڈائجسٹ میں تھیں۔ انہیں میں نے کال کر کے پوچھا تو حیرانی سے بولیں کہ مصباح کیا آپ ڈائجسٹ نہیں پڑھتیں؟ اور میں نے فوراً کہہ دیا نہیں اور ہنس پڑی تو کہنے لگیں مصباح آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ چلیں آپ شعاع منگوائیں میں نے کہا کیوں؟'' کہنے لگیں آپ کی کہانی لگ گئی ہے جنوری کا شمارہ تھا۔ میں اچھل پڑی خوشی سے اور جب اعزازیہ آیا تو اور بھی حیرت ہوئی کہ ارے واہ ایوارڈ بھی ملا کیش کی صورت میں..... میں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔

تو یہ یقین ہوا کہ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کے رہتا ہے اور اسکرپٹ تک بات کیسے پہنچی تو ہوا یہ کہ بس ایک دن سنا علی صائم کی کال آئی ایک نجی چینل سے، انہیں بہت مختصر ٹائم میں ٹیلی فلم کی کہانی چاہیے تھی۔ تو کہنے لگیں کہ تم لکھ لو گی تو میں نے کہا کہ یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن احسل میرے بارے میں کہتی تھیں کہ یہ جونیر فائزہ ہے (فائزہ افتخار) کہتی تھیں کہ تم بہت اچھا مزاح لکھ لیتی ہو۔ خیر میں نے ون لائز دیا عید کی ٹیلی فلم تھی ون لائز اپروف ہوا۔ ٹیلی فلم بنی، پسند بھی کی گئی۔ تو بس چینل والوں کو تو چسکا پڑ گیا کہ ٹیلی فلم تو مصباح سے ہی لیتی ہیں۔ مجھے وہاں متعارف کرانے والی سائرہ رضا ہی ہیں۔ جو کہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ مصباح کہاں سے تعلق رکھتی ہیں انہیں بس یہ معلوم تھا کہ کرن، شعاع اور خواتین میں لکھتی ہیں۔

انہوں نے پروڈکشن ہاؤس والوں کو کہا کہ آپ خود ڈھونڈ لیں۔ پھر چینل والوں نے مجھے ڈھونڈا، مجھ

www.alfitadab.com

سے رابطہ کیا۔ پھر ٹیم میرے گھر آئی جن میں حمیرا صفدر تھیں اتم، فائزہ، سدرہ تھیں۔ یہ ٹیم مجھ سے میری کہانیاں لے کر گئی اور کافی ٹائم کے بعد میری کہانی پر ڈرامہ بنا ''پیار دیوانگی'' تو متعارف کرانے کا سہرا سائرہ رضا کے اور ہمارے ڈائجسٹ کے سر جاتا ہے۔ میں یہاں اتم صاحبہ کا ذکر ضرور کروں گی کہ میری تحریروں پر ان کے کمنٹس بڑے دلچسپ ہوتے تھے۔

''کبھی ریجیکٹ ہوئیں تحریریں؟ تنقید؟''

''ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ تنقید نہ ہوتی ہو۔ ہاں ریجیکشن کا سامنا کبھی نہیں کرنا پڑا، البتہ ڈرامے بننے کے بعد اور ڈائجسٹ میں چیزیں چھپنے کے بعد ضرور تنقید کا نشانہ بنی۔ مگر میں نے کبھی تنقید کو دل پہ نہیں لیا۔ شاید میں ان ڈھیٹ ترین لوگوں میں سے ہوں جو ایسی باتوں کو دل پہ نہیں لیتی۔ ٹھیک ہے ایک کو پسند نہیں آیا تو دوسرے کو آجائے گا۔ ڈھٹائی کا تو یہ عالم تھا کہ جب میں ''پیار دیوانگی'' کر رہی تھی تو لکھ کر بھیج دیتی تھی پھر یہ حال تھا کہ دے کر بندہ سو جائے اور پھر قیامت کے دن اٹھے وہ معاملات چل رہے تھے۔ نئی ہو یا پرانی سب کو سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے.....

کبھی کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ جواب نہیں آتا تھا میسج پر میسج۔ کال پہ کال۔ میسج سین ہو جاتا تھا سن بھی لیتے تھے مگر نور پلائی۔ ایک دن میں نے بڑے جوش و جذبات میں آ کر حمیرا صفدر کو میسج کیا کہ ''یار اتنے میسج اگر میں ممنون حسین کو کرتی تو انہوں نے بھی جاگ جانا تھا اور آ جانا تھا'' بس اس کے بعد کھٹ سے حمیرا صفدر کا فون آیا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس رہی تھی، کہنے لگی۔ تمہارے اس میسج نے تو مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ تو بس ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ اگر ہمت ہار گئے تو سمجھیں کہ آپ ختم ہیں۔ ریجیکشن کی چیڑھیں (تھپڑ) تو ابھی تک کھا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ نہ ہو تو بندہ آگے کیسے بڑھے۔ تو اگر کوئی یہ کہے کہ اس کی تحریر من و عن شائع ہو گئی یا ڈرامائی طور پر اسے تبدیل نہیں کیا گیا تو غلط ہو گا، کیونکہ یا تو وہ چاپلوسی کر رہا ہو گا یا اپنے جذبات کو دبا رہا ہو گا اس لیے کہ من و عن کبھی بھی نہیں ہوتا بعض سین تو ہماری سوچ سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں اور بعض سین دیکھ کر تو دل چاہتا ہے کہ ٹی وی اسکرین توڑ دیں۔ ایسی ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں کہ ''بس رہے نام اللہ کا''۔

''کہانی آپ کی اپنی ہوتی ہے یا لکھوائی جاتی ہے ٹاپک دے کر؟''

''ہم اپنی کہانی کا ون لائنر بھی دیتے ہیں اور ہم سے کہانیاں لکھوائی بھی جاتی ہیں۔ آپ نے ون لائنر بھیجا وہ پاس بھی ہو گیا تو اس میں تبدیلیاں ان کی مرضی سے ہو جاتی ہیں جو ہم خود ہی کرتے ہیں اور جو ون لائنر پاس نہیں ہوتا وہ بھاڑ میں نہیں جاتا اسے ہم رائٹر ایک بھاڑ سے اٹھا کر دوسرے بھاڑ میں بھیج دیتے ہیں۔ قہقہہ کیونکہ چیز یا تحریر ایسی نہیں ہوتی کہ کسی کو پسند ہی نہ آئے۔ ایک چینل کو نہیں آئی تو دوسرے چینل کو آ جاتی ہیں.....

بعض اوقات تو پورے پورے ون لائنر دے دیئے جاتے ہیں لیکن وہ کردار مجھ میں آتے ہی نہیں ہے جو میرے اپنے نہیں ہوتے تو اسی طرح سے دوسروں کے ون لائنر پہ کام کرنا تھوڑا مشکل ہے۔ تو اب تک میرا جتنا بھی کام آن ایئر گیا ہے وہ سارا میرا اپنا ہے۔''

کچھ دن پہلے میرے پاس لائنر آیا ہے اچھی کہانی ہے کردار بھی بہت اچھا ہے وہ کردار میرے اندر آ گیا ہے مگر کہانی نہیں آ پا رہی۔ تو جب میں نے ڈسکس کیا کہ ''اس کردار کو میں اس رنگ میں دیکھتی ہوں۔'' اور جب میں نے لکھ کر بھیجا تو بہت واہ واہ ہوئی اور کہا گیا کہ تم نے سارے کڑوے بادام نکال دیے ہیں۔ اب وہ ون لائنر اپرو ہو گیا ہے اور اس پہ کام جاری ہے۔''

''ہمارے ڈراموں کے موضوعات ایک جیسے ہو گئے ہیں۔ دو لڑکیاں ایک لڑکا، دو لڑکے ایک لڑکی، لڑکیاں گھر سے بھاگ رہی ہیں، کورٹ میرج کر رہی ہیں۔ ساس بہو کے جھگڑے یہ سب کیا ہے؟''

''یہ سوال ہمارے یہاں بہت کیا جاتا ہے۔

ہماری سوسائٹی اس طرح کی ہے کہ ہمیں یہ چیزیں اپیل کرتی ہیں۔ ٹیزر دکھائے جاتے ہیں ہم وہیں پر رک جاتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ تو اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں تو یہ چیزیں بزنس ہے۔ ایک ریڑھی والا بھی اپنی ریڑھی میں وہ ہی چیزیں رکھ کر بیچتا ہے جو بکتی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ آپ اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھیں کیا آپ کو یہ سب کچھ نظر نہیں آ رہا؟ اب تیل گرا کے بہو کو نہیں گرایا جاتا اب نظروں سے گرایا جاتا ہے اخلاق سے گرایا اور دل سے گرایا جاتا ہے۔ اب سالن میں زیادہ نمک مرچ ڈال کر انتقام نہیں لیا جاتا اب سازشوں کے انداز بدل گئے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہو رہا ہے ہمارے معاشرے میں لڑکیاں بھاگ بھی رہی ہیں، کورٹ میرج بھی کر رہی ہیں۔ ہم تو پھر برا انجام دکھا بھی دیتے ہیں۔ مگر اصل واقعات میں تو ہمیں پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ اقدام کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے بس اتنی ہی ترقی کی ہے نیٹ فلیکس والی ترقی ہم نے کی ہی نہیں ہے۔

ہمیں آگے بڑھنے کی جستجو ہی کب ہے؟ ہم تو ابھی تک اسی سناریو میں جی رہے ہیں جو آج سے 20، 25 سال پہلے تھا۔ ہم ابھی تک میچور نہیں ہوئے ہیں تو جب ہم میچور نہیں ہوئے تو کہانیاں کیسے میچور ہوں گی۔

ہم ڈراموں کے اینڈ اچھے دکھانا چاہتے ہیں۔ آخر میں پاگل کر دینا یا جان سے مار دینا یہ کوئی اینڈ نہیں ہے۔ پاگل نے ساری زندگی دوسروں کو پاگل بنایا آخر میں خود پاگل ہو گیا تو پاگل کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور مرنے والے کو بھی پتا نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے۔''

''ایک سیریل تیار ہونے میں کتنا ٹائم لگ جاتا ہے؟''

''کبھی کبھی سالوں لگ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ادھر قسط لکھی ادھر شوٹ ہو گئی۔ میرا سیریل ''پیار دیوانگی'' ایک افسانہ جو شعاع یا خواتین میں آیا تھا جو 2017ء میں اپرو ہوا اور بنتے بنتے 2021ء یا 2022ء میں آن ایئر ہوا۔ اسی طرح ''ہم نشین'' میں لکھتی جا رہی تھی اور وہ شوٹ پر تھا اور ''چمک دمک'' سیریل آن ایئر بھی تھا اور ساتھ ساتھ ہر قسط لکھ بھی رہی تھی یعنی میں اپنا کام کر رہی تھی اور چینل اپنا کام کر رہا تھا۔

نئی رائٹرز میں بڑا کانفیڈنس ہے ایک افسانہ لکھا اور سمجھ لیا کہ لو ہم تو بڑی رائٹر بن گئی ہیں اور ہمارا ڈرامہ بھی بن جائے گا اور ہم نے تو چار قسطیں بھی لکھ لی ہیں۔ یہ خود اعتمادی تو ہم میں کبھی نہیں آئی۔ ایسا لمبا پروسیجر ہوتا ہے تب کہیں جا کر ڈرامہ یا اسکرپٹ شوٹ پر جاتا ہے۔ مجھے میسجز آتے ہیں، واٹس اپ پر ایف بی پر انسٹاگرام پر کہ ہم نے پورا اسکرپٹ لکھ لیا ہے آپ بتائیں کہ اب ہم چینل تک کیسے جائیں۔ واہ بھئی..... خود اعتمادی کا یہ لیول تو ہم میں آج تک نہیں آیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کبھی اپنے طور پر ایک لائن بھی کبھی نہیں لکھی ہو گی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ڈرامہ لکھا ہے جو آن ایئر جائے گا تو بتا ہی مچا دے گا۔ یار اس وقت دل چاہتا ہے کہ یا تو ان کا سر پھاڑ دوں یا پھر اپنا۔''

''حسد، بغض، عداوت..... ایسا ہے؟''

''بالکل ایسا ہے۔ جو چیز آپ اسکرین پہ دکھا رہے ہوتے ہیں وہ ہی برائیاں آپ کے اندر بھی موجود ہوتی ہیں۔ تو پہلے اپنے آپ کو تو ٹھیک کر لیں۔ حسد بہت ہے۔ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کی کوشش بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ تو یہ کوئی اچھی باتیں نہیں ہیں کم سے کم رائٹرز کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کو یہ باتیں سوٹ نہیں کرتیں۔''

''رائٹر اور ڈائریکٹر مارننگ شو ہو یا فیس بک بہت نظر انداز کیے جاتے ہیں جبکہ ان کے بغیر تو ڈرامہ کا وجود ہی خطرے میں ہوتا ہے؟''

''ہاں یہ تو ہے کہ رائٹر کو وہ عزت و توقیر نہیں ملتی جس کا وہ مستحق ہوتا ہے ہاں یہ کانٹینٹ والے عزت دے دیتے ہیں اور ریٹنگ وغیرہ لگا دیتے ہیں۔ شوز

www.alfaqab.com

وغیرہ میں تو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

پروڈکشن ہاؤس والوں سے اللہ کا شکر ہے کہ بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ بڑی عزت ہے۔ دوستانہ ماحول ہوتا ہے۔

"لکھنے لکھانے والی بہت باتیں ہو گئیں۔ کچھ نجی سوال بھی ہو جائیں۔ مزاجاً آپ کیسی ہیں؟"

"اپنے مزاج کے بارے میں ہم خود کچھ نہیں جانتے بلکہ ہمارے اردگرد کے لوگ ہمارے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔ ہم اپنی کہانی میں خود ولن کبھی نہیں ہوتے ہمیشہ ہیرو ہوتے ہیں یا ہیروئن ہوتے ہیں۔ خیر میں جلدی غصہ کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ میرا اپنا خیال ہے اور گھر میں ظاہر ہے میری حکمرانی ہے۔ کیونکہ میاں صاحب تو اب دنیا میں نہیں ہیں۔ شادی کے چند سال بعد ہی، تو بچوں پر اماں کی ہی حکمرانی ہوگی۔

سیاحت اور سیاست کے بارے میں کیا بتاؤں۔ سیاست کا تو کباڑا ہو چکا ہے۔ سیاست سے دلچسپی ہے اس حد تک کہ ملک سنور جائے۔ کسی لیڈر کے لیے پاگل نہیں ہوں..... اور سیاحت کی بہت زیادہ شوقین نہیں ہوں۔

میں ایک اچھی کک ضرور ہوں۔ مگر صرف اپنی ذات کے لیے کھانا بنانے کا اہتمام کرنا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ مجھے تو صرف جینے کے لیے کھانا ہے۔ تو بس چائے پی لی بسکٹ کھا لیے اسنیکس کھا لیے۔ میرے لیے کافی ہے۔ بس ہلکا پھلکا کھا کر اپنے دیگر کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ میں خوش خوراک نہیں ہوں۔ جو میرے کھانے کا مینیو سنیں گے وہ حیران رہ جائیں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ بریانی ہے یا چکن کڑاہی ہے یا کچھ ایسا اور کھانا ہے تو میں بہت کھا لوں گی۔ نہیں دوپہر میں ایک روٹی کھانی ہے تو بس ایک ہی کھانی ہے۔ کھانا میں ایک کام سمجھ کر کھاتی ہوں۔ اور ناشتے میں "سادہ پھلکا" اور ایک آملیٹ بس (پھلکا سادہ روٹی) اور چائے کا ایک کپ۔

بس لکھنے کا بہت شوق ہے۔ میرے اندر بہت سارا مواد بھرا پڑا ہے اسے کہانی کی صورت میں باہر لانا چاہتی ہوں۔

"اپنے بچوں کے بارے میں بھی بتائیں؟"

"پہلے اپنے بارے میں بتاتی ہوں کہ دوران طالب علمی میری شادی ہو گئی تھی میں فرسٹ ایر کی طالبہ تھی میرے تین بچے ہیں اب کرتے کیا ہیں تو بڑی بیٹی ڈاکٹر ہے۔ سرجن بن رہی ہے شادی شدہ ہے اور ایک ماہ قبل اس کے یہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی اور اس طرح میں نانو بن گئی۔ میری نواسی بہت پیاری ہے۔ بالکل مجھ جیسی ہے۔ اس کا میاں نیورولوجسٹ بن رہا ہے اور آج کل FCPS کی تیاری کر رہے ہیں۔

دوسری بیٹی ڈینٹل سرجن ہے اور وہ بھی ایف سی پی ایس کی تیاری کر رہی ہے۔

اور سب سے چھوٹا بیٹا ایم بی بی ایس کے سیکنڈ ایئر میں ہے ماشاءاللہ۔

میرے بچے جب کافی چھوٹے تھے تو میرے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ تقریباً سولہ سال ہو گئے ہیں۔

بچوں کے ساتھ میرا ریلیشن دوستوں کی طرح ہے اور میری اولاد تو میرے ڈراموں کو بہت پسند کرتی ہے۔ ظاہر ہے ان کی مما کے کارنامے ہیں اور ہم بڑا انجوائے کرتے ہیں۔ ہمارا ریلشن ماں اور بچوں والا نہیں ہے اور ہم دیکھنے میں بھی چھوٹی اور بڑی بہنیں ہی لگتی ہیں۔ ہاہاہا۔

"بس اللہ تعالیٰ ہمارے گھرانے کو ایسا ہی ہنستا بستا رکھے۔ آمین"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے مصباح علی سید سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ۔

خواتین ڈائجسٹ

ستمبر 2024ء
کے شمارے کی ایک جھلک

- "پردیس" سمیرا حمید کا مکمل ناول،
- "مالا" نمرہ احمد کا مکمل ناول،
- "احد" صوفیہ بٹ کا مکمل ناول،
- "شمعیں جو بجھ نہ سکیں" آسیہ رئیس خان کا مکمل ناول،
- "تھوڑی سی بے وفائی" امت العزیز شہزاد کا مکمل ناول،
- "انگنا اترے چاندنی" ساجدہ لطیف کا ناولٹ،
- حمیرا شفیع، شازیہ الطاف ہاشمی، عنبرین ابدال، حنا بشریٰ، سونیا ربانی اور حفیظہ لعل دین کے افسانے،
- آپ کی پسندیدہ مصنفہ "فرح بخاری" سے ملاقات،
- ماڈل اور اداکارہ "خدیجہ اعوان" سے باتیں،
- "کرن کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور عدنان کے مشورے،
- ہمارے نام اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا ستمبر 2024 کا شمارہ آج ہی خریدلیں

www.alifadab.com

خط آپ کے

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

عائشہ جمیل نے جڑانوالہ سے لکھا ہے

13 جون صبح دس بجے شیخوپورہ ایک فوتگی پر جاتے ہوئے موبائل فون آن کیا تو اپنی بہت ہی عزیز اسٹوڈنٹ شمع خالد کا اسٹیٹس دیکھ کر دکھ کی لہر رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ شمع نے اپنی والدہ کوثر خالد کے انتقال کا ذکر کیا تھا۔ کتنی دیر تو یقین ہی نہیں آیا کہ یہ سب اتنا اچانک کیسے ہو گیا۔

باجی کوثر سے میرا تعارف کا وسیلہ شمع ہی تھی جو میری اسٹوڈنٹ تھی۔ باجی سے تو ملاقات کم کم ہی رہی مگر جب بھی ملیں، نہایت محبت، شفقت اور رحم دلی سے لبریز۔

میں اپنے بچوں سے کہتی تھی کہ اگر آپ نے اپنے دور کا کوئی ولی دیکھنا ہو تو شمع خالہ کی ماما کو دیکھنا۔ افسوس کہ میرے بچے صرف شمع کی شادی پر ہی ان سے مل سکے۔ سادگی، خلوص، قناعت اور صبر کا پیکر۔ خدمت خلق کے جذبے سے آراستہ۔ ہر دم دوسروں کے کام آنے کے لیے کمربستہ۔ وہ انسانیت کے اس مقام پر فائز تھیں جہاں انسان لوگوں کی مدح و ذم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ان کے بچے کہتے تھے اگر ماما کا بس چلے تو ہمیں بھی کسی ضرورت مند کو دے دیں۔"

اللہ نے سیرت و صورت میں یکتا بنایا تھا۔ لکھائی اتنی عمدہ تھی کہ گویا موتی پروتی تھیں۔ کئی بچوں کو املا سکھائی تھیں۔ قرآن پڑھاتی تھیں۔ سلائی میں کمال مہارت تھی، انہوں نے میری بچیوں کے کئی مرتبہ کپڑے سلائی کیے اور ان کا خلوص دیکھیے کہ بغیر دیکھے بغیر ناپ کے اندازے سے سلائی کیے اور بالکل پورے ناپ سے، نہ کوئی صلے کی تمنا نہ ستائش کی پرواہ۔

اپنی ساس کی خدمت گزار رہیں، شمع کی شادی پر بھی ان کی تمام تر توجہ کا مرکز وہی بزرگ خاتون رہیں۔ شدید سردی میں بھی ان کو ہال میں ساتھ لائیں اور ان کے گرد ہی چکر لگاتی رہیں۔

نہایت خوب صورت ہونے کے باوجود سادگی اور وقار ان کی شخصیت کا خاصا تھا۔ بے تکلفی سے ملتیں اور چند ہی لمحوں میں مخاطب کو اپنی سادہ و لطیف گفتگو سے اپنا اسیر بنا لیتیں۔

شمع سے رابطہ کرنے پر پتا چلا کہ اچانک ہی انہیں گردن توڑ بخار ہوا اور ایک ہفتے کے اندر اندر وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ نفس مطمئنہ اپنی اصل کو لوٹ گئی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین صدقہ جاریہ کی صورت میں شمع جیسی پیاری، نیک، صالحہ بیٹی وہ اس دار فانی میں چھوڑ گئی ہیں۔ جو ان شاء اللہ ماں کے لیے صدقہ جاریہ بنے گی۔

یہ ان کی شخصیت کی چند جھلکیاں ہیں ورنہ جانے کتنی صفات ایسی ہیں جن سے میں بے خبر ہوں۔

ج: پیاری عائشہ! آپ نے بہت اچھا کیا۔ ہمیں کوثر کی وفات کی اطلاع دی۔ کافی عرصہ سے ان کا کوئی خط موصول نہیں ہوا تھا۔ ان کا ایڈریس تو ہمارے پاس نہیں تھا۔ فون نمبر تھا۔ متعدد بار فون کرنے کے باوجود فون ہمیشہ بند ہی ملا۔ ان کے اس طرح خاموشی اختیار کرنے پر ہمیں بہت تشویش تھی۔ قارئین بھی خطوط میں ان کو یاد کرتے تھے۔ آپ نے ان کے بارے میں جو لکھا۔ وہ واقعی ایسی ہی تھیں۔ ان کے خط پڑھ کر ان کی شخصیت کا جو خاکہ ہمارے ذہن میں بنا تھا وہ بہت دلکش تھا۔ بہت محبت کرنے والی اور بہت پرخلوص۔

آئندہ خط لکھیں تو شمع خالد کا نمبر بھی لکھیں۔ ہم ان سے تعزیت کرنا چاہتے ہیں۔

عدینہ لغاری نے چمبڑ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

پہلی شعاع پڑھ کر پھر آگے بڑھے پیاری باتیں بہت معلوماتی تھیں پڑھ کر اچھا لگا۔ ناتا سے گزر کر آگے بڑھے شاہین جی نفیب بٹ کو لے آئیں۔ بدلتے موسموں کے ساتھ ماشاء اللہ اتنی سارے مصنفوں کو دیکھ کر میری تو چیخ نکل گئی بھئی خوشی سے۔ خط آپ کے۔ گوشی جی کو خوش آمدید۔ اتنا بھرا بھرا شعاع تھا۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ میری دعا ہے میرا پیارا شعاع یوں ہی پھولا پھلا رہے۔ والعصر آخر کار عیسیٰ کو انصاف مل گیا۔ نگہت جی بھی اپنی کہانی خوب صورتی کے ساتھ آگے بڑھا رہی ہیں۔ توسین فیاض بھی اچھی جا رہی ہیں۔ مریم عزیز کو مبارک ہو اتنا اچھا ناول لکھنے پر۔

ج: پیاری عدینہ! ایک خاص عمر کے بعد قریب کی نظر اکثر کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ پریشانی کی بات نہیں لیکن اس سلسلے میں لاپروائی ٹھیک نہیں آپ ڈاکٹر کو ضرور دکھالیں۔ آپ اپنی نظر کے لیے چشمہ لے لیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔

سیدہ کائنات کاظمی..... چمبڑ سندھ سے شرکت کر رہی ہیں

میں آپ کو بتاتی چلوں کہ ہمارے گاؤں میں لڑکیوں کو صرف قرآن پاک کی تعلیم دلائی جاتی تھی اور لکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ایسے ماحول میں میرا آگے بڑھ کر قلم تھامنا اللہ کا فضل والدین کی محبت، ہمت افزائی اور میری محنت اور شوق شامل حال رہی، میں نے کبھی اسکول کی شکل نہیں دیکھی نا رائٹنگ سیکھی نہ کسی نے سکھائی اور پھر میری مادری زبان سندھی ہے۔ میں نے شروعات بچی کہانیوں سے کی، فیملی میگزین میں میری پندرہ، سولہ کہانیاں چھپیں تب میں نام بدل بدل کے لکھتی تھی۔ گاؤں کے ماحول سے ڈرتی تھی پر اب حالات بدل گئے ہیں اور میرے اسٹائل میں بھی چینج آیا ہے اب میں افسانے اور ناول لکھتی ہوں۔ آپ کو پہلے سب سے چھوٹی کہانیاں بھجوا رہی ہیں۔

ج: پیاری کائنات! آپ کی کہانیاں قابل اشاعت نہیں لیکن آپ میں صلاحیت ہے اور آپ کو لکھنے کا شوق بھی ہے تو آپ کوشش جاری رکھیں۔ ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

صوبیا اسلم نے لکھا ہے

اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی لیکن ایک بڑی پریشانی بھی ہوئی وہ یہ کہ آپ نے 2018ء جولائی کا شمارہ مجھے بھیجا وہ تو دیکھ کر میری عید ہو گئی لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ آپ نے میرے شوہر کے ساتھ میرا بھی نام لکھ دیا۔ اب مجھے یہ پریشانی ہے کہ جب میں بن پاکھی کا دوسرا حصہ اتنی مشکل سے حاصل کیا تو آگے دیکھا تو اس تیسرا حصہ بھی ہے اور اب مہربانی کر کے مجھے تیسرا حصہ بھی بھیج دیں گی یہ ہوگی میری اپنی باتیں۔ اب آتے ہیں جون اور جولائی کے شمارے کی طرف میں دونوں کا تبصرہ ساتھ ساتھ اس لیے کر رہی ہوں کہ میرے لیے خط پوسٹ کرانا کافی مشکل ہوتا ہے، اس لیے میں ہر مہینے خط نہیں لکھ سکتی جون کے شمارے میں پہلی شعاع سے لے کر حمد و نعت پیاری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیاری باتیں۔ تجھ سے ناتا جوڑا اور عید قرباں کی رونقیں کا مزا ہی آ گیا۔ بہنوں کے کھانے کی ترکیب اور اپنے بارے میں لکھا بہت پیارا لگا پڑھ کر۔

والعصر کافی قریب قریب پہنچ چکا ہے۔ دل راہبر دل راہزن۔ انور نام دیکھا تو مجھے میرے انور ماموں یاد آ گئے بہت اچھے انسان تھے دو سال ہو گئے ان کو دنیا سے گئے۔ عید سعید بڑا پیارا ناول تھا۔ آج چاند رات ہے حمیرا شفیع۔ ہمیشہ کی طرح پیارا لکھا۔ سارے ناول سارے افسانے۔ آپ کے خط پھر پورے شمارے کا ہمیشہ کی طرح ایک ایک لفظ پڑھ ڈالا اور مزا ہمیشہ کی طرح پہلے سے بڑھ کر آیا۔

جولائی کا شمارہ مجھے 23 کو ملا وہ اس لیے کہ عید سے چار دن پہلے میرے تایا کی بیٹی کی وفات ہو گئی جس کی وجہ سے مہمانوں کی آمد رہی۔

حمد و نعت تو میری بیٹی کو اتنی پیاری لگی کہہ رہی تھی یاد کر کے اسکول میں پڑھوں گی۔ ماء الملوک بڑا اچھا جا رہا ہے۔ معیار محبت۔ پانچواں موسم۔ انتخاب۔ دیر آید۔ صلہ۔ اعتبار۔ وادی حیرت اور باقی سارے سلسلے پڑھ کر دل بہت خوش ہوا اور دستور وفا مریم عزیز نے بہت ہی پیارا اینڈ کیا۔ تاریخ کے جھروکے تو میرا پسندیدہ سلسلہ ہے میں

www.urdufanda.com

نے سب گھر والوں کو پڑھ کر سنایا۔ سب ہی بہت خوش ہوئے اور میری تمام بہنوں کے خط بہت ہی پیارے تھے خاص طور میری بہن فرخندہ سلیم ملتان نے مجھے اس کا قابل سمجھا کہ انہوں نے میری تعریف کی۔

ج: پیاری صوبیہ! آپ نے اگست 2018ء کے شمارے کے لیے پیسے بھجوائے لیکن خط میں اپنا ایڈریس لکھنا بھول گئی ہیں، اب آپ ہی بتائیں کہ پرچا کیسے بھجوائیں۔

پرچا آپ کو پسند آیا شکریہ۔

ناہید اقبال طیر کراچی سے رونق افروز ہیں لکھتی ہیں

اگست کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے اور 39واں سال یعنی مجھے پڑھتے ہوئے 40 سال ہو گئے، آپ سوچیں گی ہمارے شعاع کو 39 سال اور پڑھتے ہوئے 40 سال تو جناب اس سے پہلے ہمارے ہاں خواتین ڈائجسٹ اور دوسرے پرچے آتے تھے پھر ابو جی سعودی عرب چلے گئے وہ جب چھٹیوں پر آتے ہمارے حرے آجاتے۔ نویں جماعت سے خواتین پڑھنا شروع کیا جو ہاتھ آتا پڑھتے 1989ء میں شادی ہوئی میاں جی بھی پڑھنے کے شوقین تھے تب میں نے باقاعدہ خواتین و شعاع پڑھنا شروع کیا۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف۔

سرورق پر ماہ اگست کی مناسبت سے سبز کپڑوں میں ماڈل بہت معصوم لگ رہی ہے پھر پہلی شعاع پڑھی واقعی کتنے در نایاب راہ میں بچھڑ گئے مگر آپ کی محنت وکاوش شعاع کا معیار برقرار رکھا ہوا ہے، اس سفر میں ہم سب اور مجھ جیسے خاموش قاری آپ کے لیے صدق دل سے دعا گو ہیں اللہ آپ کو اور ہمارے پرچوں کو دن بدن ترقی عطا کرے آمین۔

ماء الملوک پڑھا، گیارہویں قسط میں کچھ تشنگی محسوس ہوئی۔ یہ ثمرہ تو بہت خطرناک ہوتی جارہی ہے۔ سیدہ کومل نے تبصرے میں لکھا ہے شیخو بابا زیبو کا بیٹا حامد ہوگا میرا خیال ہے وہ زیبو کا گم ہو جانے والا بھائی سلیم ہے۔ نوشہرہ سے اجیہ نے میاندم والے منصب کی یاد دلا دی۔

بیٹی دو ہفتے کی تھی۔ امی نے پرچے پڑھتے دیکھ کر کہا تھا۔ زچہ ہو نہیں پڑھو آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔ جب کہاں کچھ سمجھ آتا تھا آج دو دو چشمے لگائی ہوں ایک دور کا ایک قریب کا مگر پڑھنا نہیں چھوڑا۔ محبت من محرم (سمیرا) خوش رہیں اور اب فرح بخاری بن پاکی۔ سندر بن کے جنگلات فرح کہاں سے لاتی ہیں ایسے اچھوتے موضوع، خوش رہیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ بہت ساری باتیں آپ سے کرنی ہیں زندگی رہی تو ان شاء اللہ ہر ماہ تبصرہ کروں گی۔ عقیلہ ہاشمی کی (سارے رنگ تمہارے ہیں) پڑھی بہت اچھی کہانی ہے، والعصر (امت العزیز شہزاد) ابن سلیمان سے شروع ہونے والی کہانی کا ہر لفظ دل پر اثر کرتا ہے۔ میں نے منیب ایمن کا انٹرویو پسند آیا۔ بدلتے موسموں کے ساتھ زبردست ہماری بہنیں پیاری بہنیں ہمارا قیمتی اثاثہ افشاں آفریدی، سیما مناف، لبنیٰ غزل، نگہت عبداللہ، اقبال بانو فاخرہ گل ایک سے بڑھ کر ایک ہیرا، زبردست حمد و نعت ابھی پڑھی ہے غزالہ نگار اور کرنی (زبردست) پیارے نبی کی باتیں خدا آپ کو جزائے خیر دے آمین۔ ناتا جوڑا میں سحر مومن کا ناتا اچھا رہا۔ تاریخ کے جھروکے سے۔ اس ماہ یہودیوں کی شرارتیں۔ عہد شکنی ہمارے لیے معلومات کا خزانہ لے کر آئی ہیں، آپ فلسطین کے حالات ہوں یا کشمیر کے دل خون کے آنسو روتا ہے۔ باتوں سے خوشبو آئے۔ بہت سبق آموز دل پر نقش ہو جانے والی باتیں ہم بھی درخت لگا رہے ہیں میری دونوں بیٹیاں نمرہ۔ سدرہ۔ اور پانچوں بہنیں باقاعدگی سے شعاع پڑھتی ہیں ان سے بھی خط لکھواؤں گی اب اجازت دیں ہاں کھلتا کسی پہ کیوں۔ میں اس ماہ سمیہ عرفان کا شعر بہترین ہے۔

ج: پیاری ناہید! آپ کا خط پڑھ کر جہاں ہمیں بہت زیادہ خوشی ہوئی وہیں شکایت بھی ہوئی۔ آپ اتنا اچھا تبصرہ کرتی ہیں شعاع کی ایک ایک سطر دلچسپی سے پڑھتی ہیں۔ پھر بھی چالیس سال کامل خاموشی میں گزار دیے اور ہمیں ایک بھی خط نہیں لکھا۔ خیر دیر لگی آنے میں پھر بھی آئیں تو۔ ہمارے لیے یہ خوشی بھی کم نہیں ہے کہ آپ اتنے عرصہ سے باقاعدگی سے ہمارا پرچا پڑھ رہی ہیں۔ اب رابطہ رکھیے گا۔ اور اپنی بہنوں سے بھی خط لکھوائیے گا۔

عائشہ انتظار حسین نے سرگودھا سے لکھا ہے

سارے افسانے بہت اچھے تھے۔ بس بیوپاری تھوڑا عجیب لگا اب ایسا کہاں ہوتا ہے۔ ''سارے رنگ تمہارے ہیں'' میں مدثر نے کیا خوب بات بنائی ناہید کو اچھے سے پٹایا۔ ایسا کہ اسے پتا بھی نہ چلا۔

مکمل ناول ایک ہی پڑھ پائی۔ ''محبت پانچواں موسم'' بہت اچھا لکھا گیا ہے۔ پتا نہیں پانچواں موسم کیسا ہو گا۔ یقیناً اچھا ہوگا۔ ''ماء الملوک'' اس کا مطلب کیا ہے۔ ''عشوہ گر'' میں یہ ''عشوہ'' وہی ہے ناں! جس کا مطلب ''ادا یا ناز'' ہوتا ہے۔

''والعصر'' یہ خواش آئند بات ہے کہ اگلے ماہ اس کی آخری قسط ہوگی۔

ناولٹ ''تیرے رنگ ٹھہر گئے'' پڑھا تو نہیں مگر اس کی رائٹر کتنی پیاری ہے۔ رائٹرز کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔

مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح مہکتے نظر آئے۔ مگر خط آپ کے میں اپنی کمی محسوس ہوئی۔ شاید خط دیر سے ملا ہوگا۔ اس سے شائع نہیں کیا ہوگا۔ اور مومن جان والی کہانی آپ لوگوں نے پڑھ لی ہے یا نہیں۔ جون کے شمارے میں آپ لوگوں نے بتایا ہی نہیں۔ اب بتا دیں قابل اشاعت ہے یا نہیں۔ کیا امید کروں؟

ج: عائشہ! آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے لیکن آپ کی کہانی میں جھول ہے۔

کراچی سے تسنیم کوثر نے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے صفحات بڑھا دیے جائیں اور اسے دو سو روپے کا کر دیا جائے۔ شعاع کے چاہنے والوں کو کوئی بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ اب ہم ناولز کی جانب آتے ہیں آسیہ رئیس خان کے عشوہ گر نے دل خوش کر دیا دلکش کہانی سے سجا یہ ناول بہت بہت پسند آیا۔ اور جناب افشاں آفریدی کے تیرے لیے ٹھہر گئے کو بھی ہم نے پسندیدگی کی سند دے دی ہے ویسے بھی افشاں کمال کا لکھتی ہیں۔ نگہت سیما کا ماء الملوک شان دار ہے مگر بس کہانی سمجھنے میں تھوڑی مشکل ہوتی ہے باقی خیر ہے۔

افسانے اس بار سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک رہے۔ خاص طور پر شازیہ جمال طارق کا ٹرک نے بہت مزہ دیا دوسرا افسانہ زرقا سکندر کا معصوم سفینہ بھی مناسب لگا۔ اس کے علاوہ نظیر فاطمہ کی سگھڑ کہانی جادو بھی بہت اچھی لگی تو عقیلہ ہاشمی کے سارے رنگ تمہارے ہیں کو بھی اچھا ہی کہہ سکتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ جھوٹ ہرگز نہیں بولنا چاہیے۔

قرۃ العین خرم ہاشمی کی ضد بھی خوب رہی ان کی ضدی سی کہانی بہت اچھی لگی۔ اس کے علاوہ مصنفین سے کیا گیا سروے اچھا لگا تمام رائٹرز نے بہت خوب جواب دیا۔

ج: پیاری تسنیم! آپ قیمت بڑھانے کی بات کر رہی ہیں۔ ہم دعا کر رہے ہیں کہ حالات بہتر ہو جائیں۔ ہم صفحات بڑھا دیں اور قیمت کم کر دیں۔ آپ کا پیار ہے کہ آپ ایسا سوچتی ہیں لیکن ہمیں بھی اپنی قارئین سے بہت پیار ہے اور ہمیں احساس ہے کہ اتنی مہنگائی میں بہت ساری قارئین کے لیے یہ قیمت ادا کرنا بھی دشوار ہوتا ہے۔ بس آپ مہنگائی کم ہونے کی دعا کریں۔ سالگرہ نمبر آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ۔

سکھر ی ضلع اٹک سے ملیا سمیون لکھتی ہیں

میرے افسانے دیر آید کی اشاعت کے لیے بہت شکریہ! اس کے پہلے سین میں میں نے لفظ ''بھواٹ'' لکھا تھا۔ آپ نے الف اڑا دیا۔ لفظ ''بھوٹ'' شائع ہوا۔ بھوٹ کا معنی تو مجھے نہیں معلوم۔ بھواٹ اس انسان کو کہتے ہیں جو ہر وقت محلے یا رشتہ داروں کے گھر کے چکر لگاتا رہے۔ گھومنے پھرنے کا شوقین۔

ج: پیاری ملیا! تصحیح کا شکریہ۔ آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رکھیے گا۔

فاطمہ ہارون تلہ گنگ سے لکھتی ہیں

آپ کی خواتین اور شعاع کو پڑھ کے مزید طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ الحمدللہ اور پورا مہینہ سکون سے گزر جاتا ہے۔ خواتین اور شعاع کے ساتھ میرا بہت پرانا رشتہ ہے۔ سب آپیاں بہت بہت اچھا لکھتی ہیں۔ لیکن کچھ لوگوں کا لکھا دل میں اتر جاتا ہے۔

ج: پیاری فاطمہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ فاطمہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ آپ کا افسانہ ''برکت'' زیر غور ہے۔

رضوانہ وقاص کرلاں ہری پور سے لکھتی ہیں

آپ نے میرے خط شعر سروے کے جواب

www.aiteab.com

سب کچھ لگتا ہے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہم میں ناراض ہوں۔ آپ کو پتا ہے۔ میں کتنی مشکل سے لکھتی ہوں۔ لکھتے لکھتے میرے ہاتھ درد کرنے لگ جاتے ہیں۔ مجھے لکھنے کا شوق، پڑھنے کا شوق، ہر مہینے میرے شوہر خواتین۔ شعاع لا کر دیتے ہیں۔

''حمد و نعت'' دونوں پڑھیں۔ ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے اتنی پیاری باتیں۔ ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' سحر مومن کو پڑھا اچھا لگا۔ ''دستک'' میں منیب بٹ کو پڑھا اتنا کم انٹرویو۔ ایمن سے بھی بات کرنی ہے۔ مجھے آپ سے درخواست کرنی ہے۔ دانش تیمور کا انٹرویو لیں ان تک میری بات پہنچا دیں کہ ان کو دیکھ کر میرا بھی دل کر رہا ہے۔ میں ٹی وی میں آؤں ساتھ ایک ڈرامہ کروں پلیز دانش تیمور میری یہ خواہش پوری کر دیں۔ ''سارے رنگ تمہارے'' چچیاں، ممانیاں بھی بھڑکانے میں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ ساس اچھی ہے تو دوسروں کا کیا کام۔ اس بات پر بہت ہنسی آئی تھی ''دولہا میاں تو بڑے فریش ہو کر نکلے ہیں سارا پانی تو ختم نہیں کر ڈالا'' فریدہ ممانی مشکل میں تھیں شکر کیا دروازہ کھولا صابرہ آنٹی کے گھر مہمان تھے۔ میرے بھائی شاہ زیب کی بھی شادی پر اسی طرح سب اکٹھے تھے۔ خوب مزہ آیا۔ لیکن اب سب بکھر گئے خاص کر میں۔ پتا نہیں کسی کی نظر لگی ہے کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی کو پتا ہوگا۔ ''جادو'' بہت اچھی تحریر۔ نائلہ جیسا ہونا چاہیے۔ جو اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔

اللہ پاک نے سزا بھی دی لیکن فاطمہ کو عقل پھر بھی نہیں آئی۔ بچی کی طرف دیکھتی بھی نہیں۔ ہادی نے اچھا کیا چھوڑ دیا۔ ''ٹرک'' شازیہ جمال نے بہت اچھا لکھا۔ منیرہ بیگم جیسی ساس بھی ہوتی ہے۔ اپنے پیاروں کی شادی کا احوال لکھتی تھی سب وہ سلسلہ کیوں ختم کر دیا۔ میں نے اپنے بھائی کی شادی کا احوال لکھنا تھا۔

ج: پیاری رضوانہ! ناراض نہ ہوں آپ کا سروے، اشعار اور خط شائع نہ ہو سکے۔ اس کا ہمیں افسوس ہے، ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ آپ ہر ماہ ہمیں بہت سی مشکلات اور دشواریوں سے گزر کر خط لکھتی ہیں لیکن پیاری بہن ہمیں آپ کی تحریریں اس وقت موصول ہوئیں جب پرچا پریس جا چکا تھا۔ شادی مبارک کا سلسلہ بند نہیں کیا آپ اپنے بھائی کی شادی کا احوال بھجوا دیں۔

شعاع پر تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔

پروین وحید نے ڈھاڈر بلوچستان سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

شکر ہے رب تعالیٰ کا کہ ہمیں بہترین اور معیاری ماہ نامے ملے اگر خواتین اور شعاع نہ ہوتے تو میرا کیا ہوتا۔ میرے لیے تو یہی ساری دنیا ہے۔ اللہ نے جب تک سانس رکھی ہے ان کا ساتھ میسر اور آسان ہو..... آمین۔

پچھلے اور اس مہینے دونوں کے ٹائٹل بہت ہی پیارے ہیں۔ مئی اور فروری دونوں ٹائٹل اس سال کے بیسٹ ٹائٹل۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہر سال آخر یا پھر شروع میں سال کا بیسٹ ناول، ناولٹ۔ سروے اور ٹائٹل کے بارے میں سب قارئین سے رائے لی جائے۔

پچھلے مہینے بھی بہت دل کر رہا تھا۔ شرکت کو پر کچھ مشکلات آ گئیں پہلے وحید کو لو لگ گئی۔ اسے کوئٹہ لے گئے پھر وہاں سے آنے کے بعد عثمان لالہ جل گیا اف اتنی بری طرح سے جلا۔ اسی کی وجہ سے میں نے چائے کپوں میں ڈال کر اوپر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔ اس کا تو ادھر ہاتھ بھی نہیں پہنچتا۔ ابھی تو چلنا شروع کیا ہے۔ 25 مئی کو سال کا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیسے کپ کو کھینچا۔ بس قیامت آ گئی میرے لیے۔

گھر عثمان اور میری چیخوں سے ہل گیا۔ جیسے ہی میں نے اس کی شرٹ اتاری۔ ساتھ کھال بھی اتر گئی۔ ایک طرف سے چہرہ گردن سارا سینہ اور بازو ایک طرف کا زیادہ جل گیا۔

فوراً لے کر ڈھاڈر ہسپتال گئے پر افسوس میرے پیارے ڈھاڈر میں اتنی سہولت بھی نہیں کہ بروقت کوئی علاج ہو سکے۔ اتنی بڑی ہسپتال کی عمارت صرف دیکھنے کے لیے نہ کوئی ڈاکٹر نہ دوائی۔ وہاں سے روتا بلکتا لے گئے سبی، پھر وہاں زخموں کو واش کیا دوائی لگائی۔ کچھ آرام آیا پھر تین دن، تین راتیں میں نے اور عثمان نے رو کر گزاریں۔ اس حال میں گھر کو دیکھنا۔ عبدالوہاب تو شکر ہے چھ سال کا ہے لیکن ضدی۔ تنگ بہت کرتا ہے۔ پھر عبدالباری زیادہ اگنور ہوا میرا بے زبان بچہ عثمان کے جلنے کے پانچویں دن مشین لگائی رات میں کہ پانچ دنوں میں ہی کپڑے بہت زیادہ ہو گئے۔ رات گیارہ بجے تک وحید نے عثمان کو سنبھالا پھر وہ بھی تھک جاتا ہے سارا دن دکان پر ہوتا ہے۔ کمرے کے باہر سے کنڈی لگائی اور باہر کپڑے دھونے لگی۔ جب اس کے زیادہ رونے پر کمرے میں آئی تو عثمان گر گیا تھا اور چہرے کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر دل بھر آیا میں نے جاء نماز بچھائی اور رو رو کر اللہ سے مدد مانگی کہ اللہ اگر تیری رضا سے مشکل آئی ہے تو اب ہمت بھی دے اور مدد بھی کر۔ عثمان کے چہرے کی بڑی فکر تھی اتنی بری طرح سے جلا تھا چہرہ۔ ہونٹ تک تو جل گئے میرے بچے کے۔ میں نے اللہ سے معجزے کی دعا مانگی کہ کسی طرح اس کا چہرہ ٹھیک ہو جائے اتنا پیارا چہرہ میرے بچے کا ڈاکٹر نے کہا کہ گیارہ سال تک داغ نہیں جائیں گے پر پندرہ دنوں کے اندر اللہ نے واقعی معجزہ کر دیا چہرے پر ایک داغ نہیں، ہاتھ اور سینے پر نشان رہ گئے ہیں۔

خط آپ کے میں سب کے خط پڑھتے پڑھتے اپنے نام پر حیران اور خوش ایک ساتھ ہوئے۔ بہت شکریہ۔ دیر سے ملنے پر بھی شامل کیا بہت شکریہ۔ آپ کا جواب پڑھ کر مجھے لگا کہ شاید آپ کو برا لگا محبت پانچواں موسم اف اتنا پیارا نام۔ خواتین اور شعاع کی کہانیوں کے نام اتنے پیارے اور منفرد ہوتے ہیں کہ دل کرتا ہے ایک خط صرف ناموں کی تعریف میں لکھوں۔ نام کی طرح کہانی بھی خوب صورت تھی پر حزہ اس ٹائم خراب ہوا جب آخر میں باقی آئندہ ماہ پڑھا۔ اگست شعاع ٹائٹل میں جیولری اور کپڑوں کا رنگ دونوں بہترین اور ماڈل کی آنکھیں بہت خوب صورت لگیں۔ پہلی شعاع، حمد اور نعت نبیؐ بہترین پیاری نبیؐ کی پیاری باتیں غیبت کے بارے میں تھا۔ جائز صورت میں بھی اتنی احتیاط اور ہم لوگ تو جہاں چار بندے اکٹھے ہوئے غیبت کے بغیر محفل ہی نہیں جمتی استغفار، اللہ معافی اور پناہ دے دل میں مصمم ارادہ کیا ہے کہ آئندہ زیادہ خیال رکھوں گی ان شاء اللہ! جب تجھ سے ناتا جوڑا دل کرتا ہے اپنے خاندان کی ساری شادی شدہ عورتوں کے ناتے لکھ ڈالوں۔ منیب بٹ کا انٹرویو اچھا لگا۔ مصنفین کا سروے آرام سے پڑھنے لگے۔ سب بہنوں کے خط ہمیشہ کی طرح لاجواب۔ پھر سیدھا محبت پانچواں موسم پر جب لگایا یہ کیا پھر آخری قسط آئندہ ماہ، عشوہ گرا بھی پڑھا نہیں۔ ناولٹ ہلکا پھلکا اچھا تھا۔ افسانوں میں ٹرک بیسٹ سے بھی زیادہ بیسٹ، جادو اور معصوم سفینہ بھی اچھے تھے۔ بغیر کسی جھول کے تمام شمارہ بہترین تھا۔ اس ماہ اگست میں میری کمیٹی نکلتی ہے 10,000 کی جو میں نے نئے ڈریسیٹ لینے کے لیے ڈالی تھی۔ پر کہانیوں کا کچھ اس طرح اثر ہوا ہے مجھ پہ کہ میں نے وحید سے کہا کہ میری کمیٹی لے لو، ڈریسیٹ بعد میں لوں گی پہلے ہمیں پون نگری گھما لاؤ۔''

''پون نگری یہ کہاں ہے میں نے تو نام بھی پہلی دفعہ سنا ہے۔'' لو جی اب میں کیا بتاؤں کہ کہاں ہے میں نے تو خود ڈائجسٹ میں پڑھا ہے اور کیا خوب صورت اور حسین خاکہ کھینچا ہے مصنفہ نے ہمیں تو ڈھاڈر کی شدید گرمی میں بھی برف باری ہوتی محسوس ہوئی۔ پھر دوبارہ سے پڑھا تو بمبئی کا ذکر خیر تھا شاید ہندوستان میں ہوا اب ہمیں کون لے جائے گا پون نگری۔ کیسے وہ کیلاش کا پیڑ دیکھیں گے اور وہ حسین رستہ خاص کر ابا جی سے پوچھیں گے کہ یہ کون سی محبت تھی جس میں جدائی طے ہونے کے باوجود لفظوں کے انتظار نے باندھے رکھا اتنی خالص اور بے ریا محبت۔

ج: پیاری پروین! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہمیں آپ کی بات بالکل بری نہیں لگی۔ آپ نے بری لگنے والی کوئی بات ہی نہیں کی۔ ویسے بھی ہمیں اپنی پیاری قارئین کی کوئی بات بری کیسے لگ سکتی ہے۔ جو ہمیں اتنی محبت سے خط لکھتی ہیں۔ آپ بلا جھجک ہر بات لکھیں اور مطمئن رہیں۔

عثمان کے جلنے کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ چھوٹی عمر میں تو اسکن بہت نازک ہوتی ہے۔ اللہ کا خصوصی کرم اور آپ کی دعائیں ہیں، اتنا جلنے کے باوجود چہرے پر داغ نہیں پڑے۔

افسوس ناک بات ہے کہ ڈھاڈر میں اسپتال ہے

www.paksociety.com

اتنی بڑی عمارت ہے لیکن دوائیں اور ڈاکٹر ندارد۔ حکومت کو اس طرف توجہ دینا چاہیے۔

پروین! آپ کی تحریر بہت عمدہ ہے۔ تبصرہ بہت رواں اور دلچسپ ہے۔ آسیہ جی کا تعلق بھارت کے شہر ممبئی سے ہے۔

رخسار احمد نے کراچی سے لکھا ہے۔

فروری کے مہینے میں میں نے ایک افسانہ ارسال کیا تھا ساتھ ایک خط بھی تھا، اتنے مہینے گزر گئے نہ تو خط شائع ہوا نہ ہی افسانے (انمول موتی) کے بارے میں کچھ پتا چلا۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب میری اتنی استطاعت نہیں ہے کہ ہر ماہ باقاعدگی سے رسالہ خرید سکوں اسی لیے میں دو، تین مہینے گزرنے کے بعد منگل بازار سے قدرے سستی قیمت پر ڈائجسٹ خرید کر پڑھتی ہوں اسی لیے ہر ماہ پابندی سے کہانیوں اور دیگر سلسلوں پر بروقت تبصرہ نہیں کر پاتی۔ مالا کے بیٹے کو یوں لگتا ہے کہ ہلال نے اغوا کیا ہے۔ نمرہ احمد جنت کے پتے یا مصحف جیسا کوئی ناول لے کر آئیں جس سے قارئین کو کچھ سیکھنے کو ملے اور ان کی اصلاح بھی ہو۔ آپی عمیرہ احمد دانہ پانی کا دوسرا پارٹ کب لکھ رہی ہیں۔ احد، میں شاید احل کے بھائی نے احل اور اسود کے اوپر کارو، کاری کا الزام لگا کر ان دونوں کو قتل کر دیا اور اس کا الزام امر پر ڈال دیا جو اسلام قبول کر کے عبدالہادی بن چکا ہے، کیونکہ احل کے بھائی جیسا منشور انسان اسے اتنی آسانی سے تو اسود کے ساتھ جانے نہیں دے سکتا تھا۔ جس نومولود بچے کی قبر پر ہادی نے خود سے کہہ کر پھول چڑھوائے تھے وہ بچہ بھی یقیناً احل اور اسود کا ہی ہوگا۔

رخسار! ہمیں احساس ہے کہ آپ کتنی محنت سے لکھتی ہیں اور انہیں پوسٹ کرتی ہیں پیاری بہن! آپ کی تحریریں قابل اشاعت نہیں۔

کوشی جمال منڈی یزمان سے لکھتی ہیں

ٹائیٹل ثابت دال مونگ پہ براؤن لہسن کا تڑکہ کی مشابہت دیتے دھیمی مسکان سجائے دل و دماغ میں اچھا تاثر دے گیا۔

''پہلی شعاع'' ان گزرتے 39 سالوں کا خلاصہ لیے۔ عمر میں شعاع ہم سے چھ سال پہلے اس فانی دنیا میں اپنی شروعات کر چکا۔ حمد اور نعت ایمان کی روح کو گرما گئے۔ ''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' بھی اسی سلسلے کی اک روحانی کڑی۔ دین اسلام کی اہم معلومات میں اضافہ کرنے میں پیش پیش۔ کیوٹ سے کپل پر مشتمل دستک ساون کی بارش میں ٹھنڈی پھوار جیسا۔

بھئی ہمارے شہر کا موسم تو کافی سہانا ہو گیا ہے۔ ہماری زوباریہ کچن کو ہی پیاری ہو گئیں۔ بریڈ کے پکوڑے ابھی حلق سے نیچے آتے نہیں اور میٹھی ٹکڑیاں، پکوڑے منٹوں میں آپا شاہانہ کی چارپائی پہ رونق لگا دیتی ہیں۔ دراصل آپا معدہ کی مریضہ ہیں۔ گھنٹہ بعد بھوک کا ہلکا سا غوطہ بھی برداشت کرنے سے قاصر ہیں سو گھر میں روٹیاں، سالن وافر مقدار میں پکانا ان کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ سالن کم پڑتا دیکھ کر اپنے لیے الگ پلیٹ میں کسی اونچی جگہ پہ ڈھانپ کر رکھ دینا۔ چاہے ان پہ چیونٹیاں چڑھ جائیں فریج پہ اعتبار کم ہے۔ ہاہاہا۔

''بدلتے موسموں کے ساتھ'' بہترین مصنفین کے عمدہ جوابات۔ دلچسپی برابر برقرار۔ اس مد میں پورے سال کے ٹائٹل از سر نو دہرا لیے۔ ''خطوط کی محفل'' تو ہے ہی بے مثال۔ سیدہ کومل شیرازی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے ممنون ہوں۔

افسانے تمام ہی بہترین ہوتے ہیں۔ آسیہ رئیس خان عشوہ گر کے ساتھ جلوہ افروز، اپنے عمدہ الفاظ سے گندھی تحاریر سے عمدہ مقام بنا چکی ہیں۔ ہلکی پھلکی سادہ انداز تحریر۔

''تیرے لیے ٹھہر گئے'' افشاں آفریدی شوخی کا لبادہ اوڑھے، اگست کا مہینہ ہے حسب روایت سبز ہلالی جھنڈے دلکشی سے بارش کے بعد کی ٹھنڈی ہوا میں اپنی خوب صورتیاں سمیٹے ہر طرف نظروں کو خیرہ کیے ہوئے ہیں۔ باجوں کی پوں پاں کے شور ہر طرف بکھرے پڑے۔ کئی بچپن کی یادوں کو تازگی دیتا ہر بار کی طرح اس بار بھی 14 اگست آن پہنچا۔

ہمارے انس نے اس بابت ماموں جان سے دو بار ٹھکائی کروالی۔ ان کی بائیک پہ جا بجا اسٹیکرز چپکا کر، ٹائروں کی تاروں میں جھنڈیوں کو پھنسا کر۔ اسٹارٹ کرنے پہ بائیک نے وہ سر نکالے پھر شام تک انس سر

نکالتا رہا۔

''تو نے ٹائروں میں کیوں جھنڈیاں لگائیں؟ ایک تو بے ادبی اوپر سے بلا کا شور، تمہاری بے ادبی تو پھر واجب تھی۔'' آپا شازمہ بیٹے پہ چلا اٹھیں۔ نگہت سیما جی کی تحاریر پر تبصرہ اس کبیرہ گناہ کے ہم کیونکر مرتکب ہو سکتے ہیں۔ بچپن سے ان کو پڑھا اور بہت کچھ سیکھا۔

''محبت پانچواں موسم'' کی تیا بھی پار لگنے کو ہے۔ ویلڈن نوشین فیاض۔

جویریہ مریم سے مل کر اچھا لگا۔

ج: کوشی جی! بہت شکریہ آپ کا طویل خط شامل ہے۔ انس کا کارنامہ تھا تو غلط لیکن اس کے ساتھ جو بے ادبی کی گئی اس پر افسوس بھی ہوا اور ہنسی بھی آئی۔ بچے ہیں تو شرارتیں تو کریں گے ہی۔

احمد پور شرقیہ سے زلیخا منزل گجر نے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

شکر اس ذات کا کہ جس نے زندگی جیسی نعمت دے کر اس کے علاوہ اور بہت سی نعمتیں عطا کیں۔ انہی نعمتوں سے ایک نعمت آج کل کراچی میں دیکھنے کو مل رہی ہے۔ جی جناب بارش۔

کبھی موسلا دھار تو کبھی کن من بارش میں بھیگا کراچی کولالمپور کی یاد دلا رہا ہے۔ ہائے کیا ناول تھا۔ حالم کیا تخیل ہے نمرہ جی آپ کا۔ آپ کا لکھا ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا ہے۔

اس بار کا شمارہ بھی تا حال پڑھنے میں نہیں آیا اور نا ہی سابقہ (جولائی) کا۔ سو روکھے پھیکے تبصرہ پر گزارہ کیجیے۔

سات دن پہلے آپی سے فون پہ بات ہوئی (پندرہ دن پہلے آپی، مما اور چھوٹا بھائی احمد پور چلے گئے ہیں) باتوں ہی باتوں میں رسالوں کا تذکرہ نکل آیا۔ تو آپی نے بتایا کہ اگست کے شمارے میں تمہارا خط بھی آیا ہے۔

آپی میں نے ایک افسانہ جو کہ پہلے کا لکھا ہوا تھا اسے ری رائٹ کیا ہے۔ آپی کی ربیع الاول میں شادی ہے۔ دعا کیجیے گا اللہ میری آپی کو آنے والی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں دے۔ ان کی زندگی کی تمام مشکلوں کو دور کر دے۔ آپی میری دعا ہے کہ تمہیں زندگی کی تمام خوشیاں میسر آئیں۔ تمہاری مشکلیں حل جائیں۔ سدا خوش اور ہنستی مسکراتی رہنا میری بہن۔

ج: زل جی! بہن کی شادی کی مبارک باد اور دعائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بہن کو شاد و آباد رکھے..... آمین۔ آپ کا افسانہ تو آپ کے سامنے ہی پڑھ لیا تھا۔ ہمارا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس طرح کے تجریدی افسانے نہ لکھیں۔ ویسے ہی لکھیں جیسے شعاع خواتین میں شائع ہوتے ہیں۔

جویریہ حیدر ملغانی سوکڑ تونسہ شریف سے شریک محفل ہیں

2009ء سے شعاع اور خواتین پڑھنا شروع کیا۔ ہمیشہ تبصرہ کرنا چاہا مگر وہی سستی۔ اوپر سے پرچے لیٹ ملتے ہیں۔ اتنی شدید گرمی میں سوکڑ سے تونسہ جائیں اور رسالے نہ ملیں پھر مت پوچھیں کیا گزرتی ہے۔

میری کزن نادیہ شعاع جبکہ میں خواتین لیتی ہوں پھر دونوں اکٹھے پڑھتی ہیں۔ جولائی کا شعاع شدید گرمی میں ٹھنڈک کا احساس دلا گیا۔ حمد اور نعت ہمیشہ کی طرح شاندار اور اعلیٰ۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے میرا پسندیدہ ترین مستقل سلسلہ ہے۔ اس دفعہ دونوں ناتے ثبت رہے۔ ڈیر قارئین یہ تصویر کا ایک رخ ہوتا ہے۔ بعض گھرانوں میں بہو بوڑھے ساس سسر، کنواری نندوں اگر بدقسمتی سے کوئی بیوہ یا مطلقہ نند آ جائے تو ان کے ساتھ وہ حال کرتی ہیں کہ اللہ معاف کرے۔ نہ ہر جگہ ساس ظالم ہوتی ہے نہ ہر جگہ بہو مظلوم۔ الحمدللہ ہمارا گھرانہ بھی ان میں شامل ہے جہاں پیار محبت اور رواداری قائم ہے۔ ہر دفعہ اپنا ناتا لکھنے کو دل کرتا ہے مگر وہی سستی۔ اداکاروں کے انٹرویو کو دور سے سلام۔ ہم ڈراموں سے دور رہتے ہیں۔ ہم اپنے لکھاریوں کے انٹرویو بڑی محبت اور لگن سے پڑھتے ہیں۔ ویلڈن فرح بخاری نیا موضوع۔ ''دستور وفا'' ہزاروں دفعہ کا پڑھا موضوع۔ فلمی پچویشن تھی۔ ''ماء الملوک'' نگہت سیما کا نام ہی کافی ہے۔ ''محبت پانچواں موسم'' ہادی کا

کردار بہتر اور اسریٰ کا بہترین رہا۔ اتنے پیار محبت سے رہنے والے اتنے دور ہو گئے۔ افسانہ میری پسندیدہ صنف ہے۔ بہت اچھا لگتا ہے۔ افسانوں کا معیار بہت بہتر ہو گیا۔ آج کل نئی لکھاری بہنیں بہت اچھے افسانے لکھ رہی ہیں۔ نئے موضوع اور مختصر۔ کیونکہ افسانہ مختصر ہی اچھا لگتا ہے۔ کچھ ماہ پہلے چھپنے والا افسانہ ''الفاظ اور جملے'' مجھے بہت پسند آیا۔ کیونکہ جب بچے تگنی کا ناچ نچاتے ہیں تو ہمارے منہ سے بھی پھول جھڑنے لگتے ہیں۔ اس دفعہ افسانے سب اچھے تھے۔ مگر وادی حیرت بہترین رہا۔ ہاجرہ ریحان کے الفاظ اور انداز نے بہترین بنا دیا قرۃ العین کے افسانے پہ نوشین فیاض کا نام لگ گیا۔ اب آتے ہیں رسالے کی جان ''خط آپ کے'' میں حمد اور نعت کے بعد ہمیشہ سب سے پہلے خطوط پڑھتی ہوں۔ سب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ مسرت حسن کی واپسی اچھی لگی۔ مسرت جو آپ کی بیٹی کہتی ہے ہمارا بھی وہی حال ہے۔ پروین وحید کیا واقعی گرمی کی وجہ سے لوگ نقل مکانی کر جاتے ہیں؟ گھر، کاروبار، فصلیں، جانور، بچوں کی تعلیم سب چھوڑ کر کیسے جاتے ہیں؟ ادھر ہمارے سوکڑ میں شدید گرمی پڑ رہی ہے۔ درجہ حرارت 50 ڈگری تک جا چکا ہے۔ اوپر سے لوڈ شیڈنگ پانی کی کمی کا تو نہ پوچھیں ہماری واٹر سپلائی ''لمے بورنگ والے'' جون اور جولائی میں تین دفعہ ہمارا بور خراب ہو چکا ہے۔ اور اس کا دورانیہ پندرہ، بیس دن سے کم نہیں ہوتا ہے یہاں تک بقرعید کے دوسرے دن بور خراب ہوا تو پندرہ دن بعد پانی آیا، زندگی بہت کٹھن سہی مگر گھر چھوڑنا آسان نہیں۔ بہت سے لوگوں نے گھروں میں بورنگ کروائی ہوئی ہے۔ جس کا پانی بہت کڑوا ہوتا ہے۔

ریحانہ چوہدری مبارک باد۔

ج: پیاری جویریہ! ہمیں آپ کی مشکلات کا اندازہ ہے۔ آپ خط تاخیر سے ملنے کی فکر نہ کریں ہم آپ کا خط آئندہ ماہ شامل کر لیں گے جیسے یہ خط کر رہے ہیں۔ پیار محبت والے گھرانے تو اب نایاب ہو گئے ہیں۔ آپ اپنا تا ضرور لکھیں۔ یقیناً بہت سارے لوگوں کے لیے مثال ہوگا۔

ام عروہ کہتی ہیں

شعاع کے ساتھ میری دلی وابستگی کافی عرصے سے ہے مگر میں نے لفظی اظہار ایک دو بار ہی کیا اس کی وجہ یہ غم روزگار ہے۔ جو ہمیں اظہار نہیں کرنے دیتا فرح بخاری اور نگہت سیما میری پسندیدہ ترین لکھاری ہیں۔ فرزانہ کھرل کی غیر حاضری طویل ہوتی جا رہی ہے۔ گزارش ہے کہ آپ کے ساتھ کیا کوئی ٹیلیفونک رابطہ ہو سکتا ہے۔

ج: پیاری عروہ، شعاع کی پسندیدگی کے شکریہ ڈائجسٹ پر دیے نمبر پر آپ ہم سے رابطہ کر سکتی ہیں۔

زینب یاسمین نے رحیم یار خان سے لکھا ہے

میں شعاع ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور میں نویں جماعت کی طالب علم ہوں تو آپ کی رائے ہوگی کہ میں شعاع ڈائجسٹ پڑھوں یا نہیں مجھے شعاع ڈائجسٹ پڑھ کے کچھ کہانیوں سے سیکھنا اور کچھ کہانیوں میں دیے گئے سبق پر عمل کرنا بہت اچھا لگتا ہے، ایک مزے کی بات میری مما کے پاس 2015ء سے لے کر 2024ء تک کے شعاع رسالے پڑے ہوئے ہیں اور وہ میں نے بھی پڑھے ہیں۔

اب آتے ہیں اگست کے شعاع کی طرف مجھے سب سے زیادہ نگہت آنٹی کے ناول ماء الملوک کا بہت انتظار ہوتا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ زل کے، بابا ہی زیبا النساء کے شوہر ہیں اور شیخو ان کا بیٹا دیکھتے ہیں کتنا درست ہوتے ہیں ہمارے اندازے۔ محبت پانچواں موسم میں نہیں پڑھتی مما نے پڑھنے سے منع کیا ہے۔

ج: پیاری زینب! آپ شعاع ضرور پڑھیں لیکن فی الحال صرف مطالعہ کریں کیونکہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ تھوڑی تفریح بھی ضروری ہے البتہ کہانیاں لکھنا بند کر دیں۔ جب آپ کی تعلیم مکمل ہو جائے تب کہانیاں لکھیں۔

اُمتُ العزیز شہزاد

وَالعَصر

وری اپنی نانی اور ماموؤں کے ساتھ رہتی ہے، اس کی ماں مر چکی ہے۔ گھر میں دو ماموں، ممانی اور ان کے بچے ہیں۔ ان میں آپس میں اچھے تعلقات ہیں مگر بڑی ممانی اسے پسند نہیں کرتی ہیں۔ عباد ان کا بیٹا ہے۔ جو وری کو چاہتا ہے۔

آتش جو سراپا اسرار ہے، وہ لوگوں کو اپنی گفتگو سے زیر کرتا ہے۔ اس کے بے شمار عقیدت مند ہیں۔

بی ذی ایک بے ہوش لڑکی کو لے کر آتش کے ہاں پہنچ جاتی ہے۔ آتش اپنے اسسٹنٹ خاقان کے ذریعے ڈاکٹر کو بلاتا ہے۔ نانی وری کو پڑھانے کی ذمہ داری عباد پر ڈال دیتی ہیں۔

www.qiffadab.com

لڑکی ہوش میں آتی ہے لیکن حواسوں میں نہیں۔ اپنا نام تک نہیں بتا سکتی۔ آتش کے گھر پولیس آجاتی ہے۔ پولیس کا نام سن کر بی ذی گھبرا جاتی ہے۔ آتش اسے پرسکون رہنے کا کہتا ہے۔ پولیس انسپکٹر امیر علی اپنے جونیئر فاروق احمد کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ آتش کو تربیتی ورکشاپ میں مدعو کرتا ہے۔ فاروق احمد تھوڑا تلخ ہے۔

عباد، وریٰ کو پڑھاتے ہیں شریفہ کو یہ پسند نہیں عباد کے دوست سر عیسیٰ وریٰ کو پڑھانے آتے ہیں، وریٰ بتاتی ہے کہ وہ کمبائن امتحان دے رہی ہے، اور اسے ہر سبجیکٹ انتہائی مشکل لگتا ہے۔

فیروزہ کی بیٹی شونا کی شادی ہوتی ہے، اس میں بالی کا بھی نکاح کر دیا جاتا ہے، بالی انتہائی کم عمر ہے۔

شاکر فیروزہ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کے حکم پر گھر تعمیر کروا رہے ہیں۔ ان کے والد بنگلہ دیش میں کاروبار کے سلسلے میں رہتے ہیں۔

فیروزہ کا چھوٹا بیٹا عامر بہت خودسر ہے۔ وہ عیسیٰ سے بہت چڑتا ہے۔ وہ ماں سے پیسے مانگتا ہے۔ انکار پر عیسیٰ کو بالکونی سے الٹا لٹکا دیتا ہے۔

وریٰ کو سہراب سے ملنے کی خوشی اور گھبراہٹ ہوتی ہے عیسیٰ سمجھتا ہے کہ وہ امتحانات کی وجہ سے پریشان ہے۔

بی ذی کو آتش فون کر کے اطلاع دیتا ہے کہ وہ ٹی وی آن کر کے دیکھے علائنہ سے متعلق خبر آرہی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ علائنہ کی لاش اس کے فلیٹ سے برآمد ہوئی ہے۔

وریٰ پیپر دینے خوب تیار ہو کر جاتی ہے، اسے مفتاح چھوڑنے جاتا ہے، واثلہ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔

رینا عامر سے کہتی ہے کہ عیسیٰ سے کہو کہ ایڈمیشن ٹیسٹ میں اس کے بھائی کو پاس کروا دے۔

سید صاحب کو جب سے عامر نے عیسیٰ کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سگریٹ نوشی کرنے لگا ہے سید صاحب بہت پریشان تھے۔ وہ فیروزہ بیگم کو واپس پاکستان بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔

وریٰ جلدی سے پیپر ختم کر کے سہراب کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہے۔

آتش چند روز کے لیے اسلام آباد جاتا ہے۔ خاقان دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہے خولہ کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ فون کرلے وہ فون کرتی دوسری طرف فون اٹھا لیا جاتا ہے۔ وہ جواب نہیں دے پاتی۔ دوبارہ نمبر ملاتی ہے اس وقت کوئی اسے آواز دیتا ہے۔

شریفہ سہراب کی دعوت کرتی ہیں اور بظاہر اسے گھیر لیتی ہیں، وہ دل ہی دل میں ان کے بے وقوف بن جانے پر ہنستا ہے۔ فاروق احمد، امیر علی خان سے کہتا ہے کہ علائنہ خان کے قتل کے تانے بانے آتش کدہ سے ملتے ہیں۔

عامر، عیسیٰ سے پوچھتا ہے کہ اس نے اس کا کام کر دیا عیسیٰ کے منع کرنے پر وہ اسے ڈانٹتا ہے۔ فیروزہ عامر کو سخت سست کہتی ہیں اور عیسیٰ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ عیسیٰ واپس آتا ہے تو وہاں سے اس کا جرنل غائب ہوتا ہے۔

بی ذی اپنا پروموشنل ٹرپ کر کے واپس آتی ہے تو اس کے دوست پارٹی رکھتے ہیں پارٹی میں اس کو ایک فون آتا ہے۔ وہ علائنہ خان قتل کیس کے سلسلے میں بی ذی سے بات کرنا چاہتا ہے۔ بی ذی خوف زدہ ہو کر لائن کاٹ دیتی ہے۔

شاکر کی بیوی فرح عیسیٰ اور عامر کی بحث کو بڑھا چڑھا کر جھگڑے کی شکل میں شوہر تک پہنچا کر کہتی ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو اس ماحول سے بچا کر الگ ہونا ہوگا۔ وہ اپنے بہنوئی سے کینیڈا یا امریکا جانے کے سلسلے میں

بات کا کہتی ہے۔

وریٰ ریڈ سوٹ میں سہراب سے ملنے آئی تھی وہ اسے اپنے گھر لے جانے کی بات کرتا ہے۔ وریٰ ہامی بھر لیتی ہے۔ سہراب بہت خوش ہوتا ہے اسی وقت گاڑی کے سامنے عیسیٰ آجاتا ہے۔ وریٰ ڈر جاتی ہے۔

عامر بالی سے مل کر ماں اور عیسیٰ کی شکایت کرتا ہے۔ بالی اپنی کم عمری کی شادی اور غصیل شوہر کی وجہ سے پہلے ہی ناراض تھی۔ وریٰ بھاگم بھاگ گھر پہنچتی ہے۔ گھر میں سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ خاقان سر آتش سے اجنبی لڑکی کے فون استعمال کرنے کی شکایت کرتا ہے۔

نمبر نہ نوٹ کرنے پر آتش اسے سخت سست سناتا ہے۔

سہراب وریٰ کے بچ نکلنے پر غصہ ہوتا ہے۔ اسے فکر ہوتی ہے کہ عیسیٰ نے اپنے گھر والوں کو سب بتا نہ دیا ہو۔ وریٰ رجا سے بات کرتی ہے۔

تینتیسویں قسط

ابن سلیمان!

حوصلہ ہے تمہارا جو بیانگ دہل انکار کیا۔

اس ''لا'' سے جو وحدہ بھی ہے اور لاشریک بھی.....

مگر تم نے شریک کی اس کے ساتھ اپنی ضد اور کرنا چاہا شکوے کہ ''شکر'' کے مقام پہ۔

سو اپنی ''کرنی کا رنگ پھر تم نے کیا دیکھا؟

تم نے کیا دیکھا ابن سلیمان؟

☆☆☆

''یا اللہ رحم کرنا، پہلے ہی اپنی جان پر بہت کچھ سہہ آئی ہے بچی۔''

ہوش و خرد سے بیگانہ ہو جانے والی وریٰ کو اب سے کچھ دیر قبل بڑھ بڑھ کر اپنی خفگی اور تنفر جتانے والا مفتاح ہی رجا کے ساتھ ہنگامی طور پر نزدیکی اسپتال لے کر بھاگا تھا۔

منطقی طور پر تو عیسیٰ کو یہیں سے لوٹ جانا چاہیے تھا سو اس نے کوشش ضرور کی تھی پر وریٰ کی حالت دیکھ کر اس کے قدموں نے پلٹنے سے انکار کر دیا۔ یوں وہ بھی وریٰ کی حالیہ میڈیکل ہسٹری کی رپورٹس تھامے مفتاح کی گاڑی میں جا بیٹھا۔

مفتاح نے ایک عجلت بھری نگاہ اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور دوسری اس کے ہاتھ میں موجود اسپتال کی فائل پر پھر زن سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ انہیں یہاں سے نکلے آدھ پون گھنٹہ ہو چکا تھا اور یہاں رہ جانے والے وہ سارے ہی فی الحال وہاں کے حالات سے بے خبر تھے کہ کال کرنے کے باوجود مفتاح نے فون نہیں اٹھایا تھا۔

صورت حال دلگیر اور پریشان کن تھی عارفہ کے آنسو کسی طور تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور ایک ان ہی پر کیا موقوف آنکھ تو اس وقت ان میں سے کسی کی بھی خشک نہ تھی۔

''یا اللہ۔'' وہ رقت آمیزی سے ایک بار پھر گویا ہوئیں۔ ''یہ کس آزمائش کی نذر ہو گئی اس کی زندگی۔''

وہ تو اسے اپنی بیٹی ہی کی طرح سمجھتی تھیں سو اس کی برباد حالت دیکھ کر ان کا دل دکھ سے پھٹا جا رہا تھا۔

''اسی آزمائش کی۔'' واثلہ آنسوؤں سے بھیگے عینک کے شیشے اپنے دوپٹے کے کونے سے پونچھتے بے ساختہ بہت جتاتے، شرمندہ کر دینے والے لہجے میں بولی۔ ''جو ممبا بڑے ذوق و شوق سے میرے لیے منتخب کر چکی

www.alifadab.com

تھیں۔ پر قسمت سے میں بچ گئی اور وہ بدبخت اس کا شکار ہوئی۔"

اس کی بات پر شریفہ نے تڑپ کر پہلو بدلا۔ کچھ کہنا بھی چاہا مگر پھر ایک دم ہی نڈھال ہو کر ندامت و شکستگی کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر سر جھکا کر رونے لگیں۔

"میں تو اب تک شاکڈ ہوں۔" عینا انگشت شہادت کی پور سے دائیں آنکھ کے کونے پر اٹکا آنسو جھٹکتے ہوئے جھرجھری سی لے کر بولی۔

"دیکھنے میں تو بالکل نہیں لگتا تھا کہ وہ ایسا سائیکو پیتھ ہوگا۔"

"آپ لوگوں نے اسے دیکھا ہی کتنا تھا؟" رنجیدہ سے بیٹھے عارف والدین کے ایسے چلے جانے پر منہ بسور کر ٹھٹکتی ہوئی سیرت فاطمہ کو بہلانے کی غرض سے ٹائی کھول کر دیتے ہوئے گہرے لہجے میں بولے۔

"بس دو چار سرسری سی ملاقاتیں اور اس میں بھی اس نے وہی کچھ دکھایا کہ جو وہ دکھانا چاہتا تھا اور شاید آپ دیکھنا چاہتے تھے۔"

وہ غلط نہیں کہہ رہے تھے تب ہی شریفہ کے رونے میں شدت آ گئی۔ اور اب یہ رونا تو شاید عمر بھر کا تھا تب ہی واثلہ نے اپنی متاسف نگاہیں ان سے ہٹا کر بے توجہی سے اپنے موبائل میں مصروف، بہت خاموش مگر سب کی سنتے عرصم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"عرصم..... دوبارہ فون کرو نا بھائی کو..... پوچھو تو سہی وہ کیسی ہے؟"

☆☆☆

"آداب سر آتش۔" وہ اپنے ہوٹل کے کمرے سے ہوائی اڈے کے لیے نکل رہا تھا کہ تب ہی خاقان کی کال موصول ہوئی۔

"تسلیمات۔" وہ جو اپنے اسباب سے لدی ٹرالی مہارت سے گھسیٹتے باوردی پورٹر سے شعوری طور پر چند قدم پیچھے بڑی باوقار چال چلتا چلا جا رہا تھا، ایرپوڈ میں سنائی دیتی خاقان کی آواز پر بے حد متین و شائستہ سی آواز مگر بھرپور چوکنے لہجے میں گویا ہوا تو نوجوان قلی نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔

"کہو خاقان۔" اس نے مڑ کر سر ذرا سا خم کرتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ اس سے مخاطب نہیں اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"کام ہو گیا؟ سب خیریت رہی؟"

جواباً وہ مسکرا کر دوبارہ اپنے کام کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اور دوسری طرف سے خاقان اسے اپنی کارگزاری سے آگاہ کرتے ہوئے بولا۔

"آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی ہے سر! میم کا فون اب میرے پاس ہے۔ اور میں نے دروازہ بھی باہر سے مقفل کر دیا ہے۔"

"ہوں۔" وہ پرسوچ سے لہجے میں ہنکارا بھرنے کے بعد بولا۔

"کوئی مزاحمت ہوئی اس کی طرف سے؟"

"بس چیختی چلاتی رہیں۔" وہ مطمئن سے انداز میں بولا۔ "اور مزاحمت کیا کرنی تھی۔" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے کہنا چاہتا ہو کہ ایک معذور نے مزاحمت کیا کرنی تھی؟

"ٹھیک ہے، فی الحال یہی کیا جا سکتا تھا۔" وہ سنسان راہداری سے گزر کر اب پررونق مرکزی ہال میں قدم رکھ چکا تھا سو گفتگو سمیٹتے ہوئے بولا۔ "باقی کیا کرنا ہے، وہ میں وہاں پہنچ کر خود دیکھ لوں گا۔"

ہاں شاید وہ واقعی دیکھ ہی لیتا اگر جو تقدیر نے اپنی قوت کے مظاہرے کی نہ ٹھان رکھی ہوتی تو۔

"سر اور کوئی حکم؟" خاقان تابع داری سے پوچھ رہا تھا۔

"بس محتاط رہو..... اور اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔"

☆☆☆

"شدید ذہنی و اعصابی دباؤ کے سبب بے ہوش ہو گئی تھیں اب حالت قدرے بہتر ہے۔"

ایمرجنسی سے باہر آنے والے ڈاکٹر نے راہداری میں متفکر سے کھڑے مفتاح اور رجا کو دیکھتے ہوئے پیشہ ورانہ انداز سے مسکرا کر وریٰ کی حالت کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔

جسے سن کر ان سے قدرے فاصلے پر موجود عیسیٰ نے اپنے دل میں یک گونہ طمانیت سی اترتی محسوس کی۔ رجا نے بے اختیار دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کیا، جب کہ مفتاح نے بہت آہستہ آواز میں ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

"تو کیا ہم انہیں گھر لے جا سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں، ڈرپ ختم ہو جائے تو ضرور، ہاں بس یہ ہے کہ ان کی غذا اور ذہنی سکون کا بہت خیال رکھنا ہے۔ باقی کچھ میڈیسنز لکھ دوں گا جس کے متعلق اسٹاف آپ کو بریف کر دیں گے۔" اس بار مفتاح نے محض سر اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ ڈاکٹر مسکرا کر آگے بڑھ گیا تب رجا مفتاح سے مخاطب ہوئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، کیا اسے گھر میں رکھ لینے کا فیصلہ آسان ثابت ہوگا؟" پتا نہیں وہ اس کے منہ سے کیا سننے کی خواہش مند تھی۔

"آسان ہے یا مشکل۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہر فیصلے کے نتیجے میں کسی نہ کسی دشواری کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ بہرحال وہ ہمارے خاندان کا حصہ ہے اور اسے ایسے ہی دنیا کے رحم و کرم پر تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

یہ سن کر عیسیٰ جہاں وریٰ کے حوالے سے بے فکر ہوا تھا وہیں دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔

وہ بھی تو کسی خاندان کا حصہ تھا کہ جنہوں نے محض ایک الزام ہی کی بنا پر اس سے یوں منہ موڑا تھا کہ پھر کبھی پلٹ کر کوئی خبر نہ لی۔

"اور پھر سب سے بڑی بات۔" مفتاح کی بات جاری تھی۔

"اس سے جو سنگین جرائم سرزد ہوئی اس کا بھرپور خمیازہ وہ بھگت آئی ہے اب اور میں کیا کہوں؟" وہ بولتے بولتے یک دم خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

رجا نے بہت چمکتی تفاخر آمیز نگاہوں سے اپنے ہم سفر کو دیکھا۔

آج بہت عرصے بعد وہ وہی پرانا مفتاح دکھائی دیا تھا کہ جو لاکھ جذباتی سہی پر اس نے زندگی کے ہر موڑ پر خود سے جڑے رشتوں کے لیے نہ صرف آواز بلند کی تھی بلکہ فیصلہ کن کردار بھی ادا کیا تھا۔ تو پھر آج وہ کیسے اپنی فطرت سے پھر سکتا تھا؟

"ٹھیک ہے پھر....." مفتاح اب عیسیٰ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا سو وہ بھی اپنے لامتناہی خیالات سے دامن چھڑاتے ہوئے بولا۔

"اب میں چلتا ہوں۔ یہ اس کی فائلز۔"

"بعض اوقات حالات ایسے بنا دیے جاتے ہیں کہ انسان اصل مجرم اور ملزم میں فرق نہیں کر پاتا۔" وہ اس کے ہاتھ سے فائل لیتے ہوئے شرم سار سے لہجے میں بولا۔

"مگر وقت سب سے بڑا منصف ہے۔ وہ آخر کار اصل مجرم کو بے نقاب کر ہی دیتا ہے۔"

"ہاں....." وہ یہ فلسفہ سن کر بے دلی سے ہنسا۔ "کہتے تو یہی ہیں۔"

www.alfradab.com

"غلط نہیں کہتے سر۔" رجا بھی مفتاح کے برابر میں آ کھڑی ہوئی۔

"وقت نے آج آپ کی سچائی ہم سب پر پوری طرح آشکار کر دی ہے۔ کاش ہم نے اس وقت آپ کی باتوں کا یقین کر لیا ہوتا تو شاید یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

"جانے دیجیے یہ قصہ۔" اس نے سر جھٹکا۔ "چلتا ہوں اس کا خیال رکھیے گا۔" وہ ایک نظر ایمرجنسی وارڈ کے دروازے پر ڈال کر بہت آہستگی سے بولا تھا۔

"دوست.....!" مفتاح نے آگے بڑھ کر بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے زور سے بھینچا۔ "ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا۔"

اس پر جواباً عیسیٰ کچھ نہیں بولا۔ بس جھلملاتی آنکھوں سے اس کا پکڑا ہوا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے تھپتھپا کر ایک الوداعی نگاہ ایمرجنسی وارڈ پر ڈالی اور اچانک گھوم کر تیزی سے آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ تب ہی اچانک مفتاح کو کچھ یاد آیا۔ سو اس نے بے اختیار پکارا۔

"سر عیسیٰ.....!" عیسیٰ رکا پھر مڑ کر استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کچھ عرصہ قبل کوئی ہمارے گھر آیا تھا آپ کا پتا ڈھونڈتے ہوئے۔"

"کوئی نہیں، وہ بہن تھیں ان کی۔" رجا کو یاد تھا۔ "شاید نغمہ نام تھا۔"

"نغمی؟" بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ سو وہ خود کلامی سے مشابہہ آواز میں بولا۔

"جی..... جی یہی نام تھا۔ بہت فکر مند تھیں، بہت رو رہی تھیں۔ آپ کا کوئی اتا پتا فون نمبر مانگ رہی تھیں۔ ہمارے پاس اگر ہوتا تو دے دیتے۔ خود اپنا پتا اور فون نمبر لکھوا گئی تھیں کہ اگر آپ کبھی ہم سے رابطہ کریں تو....."

وہ نہ جانے کیا کیا کچھ بتائے چلی جا رہی تھی اور عیسیٰ۔

وہ لمحہ حیرت کی زد میں دم بخود سا جہاں کی تہاں کھڑا تھا۔

"تو کیا اس کو بھی کسی نے تلاش کیا تھا؟"

☆☆☆

"سر آئندہ زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے؟"

ذہن اس درجے پراگندہ اور دل اس قدر مضطرب ہو رہا تھا کہ وہ اسپتال سے سیدھا اپنے اس فلیٹ پر لوٹ آیا کہ جو گزشتہ ڈھائی برس سے اس کا ٹھکانا تھا۔ گویا مسکن نہیں بس ٹھکانا جو شجاع سکندر کی وساطت سے اسے میسر آیا تھا۔

ڈیڑھ کمرے پر مشتمل یہ فلیٹ مختصر سہی پر صاف ستھرا تھا کمرے کی دائیں دیوار کے ساتھ آئرن راڈ کا سنگل پلنگ بچھا تھا، جس کے برابر میں دھری تپائی پر موجود سامان بھی اس کی سوچوں ہی کی طرح منتشر تھا۔ الماری نام کی کوئی شے اس گھر میں ندارد تھی۔ چند جوڑے تھے جو اس نے یوں ہی ایک اٹیچی میں ٹھونس کر وہ اٹیچی پلنگ کے نیچے سرکا دی تھی۔ ہاں البتہ لکھنے کی میز اور کرسی موجود تھی۔ میز پر ایک لیپ ٹاپ فولڈ ہو کر رکھا تھا۔ اس سے ذرا فاصلے پر وائرلیس ہیڈ فونز اور ایک اسمارٹ فون بھی موجود تھا۔ میز کے سامنے نصب چھوٹے سے شیلف میں اوپر تلے کچھ کتابیں دھری تھیں۔ دو تین رجسٹر چند ختم ہو جانے والے بال پین، ٹشو باکس اور ایک خالی ڈبے میں کچھ وزیٹنگ کارڈز اور سر درد کی دوائیں وغیرہ۔

جب کہ وہ خود اس لمحے کرسی پر ڈھے جانے کے سے انداز میں سر پشت سے ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

اور ذہن کے پردے پر تین سال پہلے کے وہ سارے واقعات کسی ریل کی مانند یکے بعد دیگرے ابھرتے

جا رہے تھے کہ جن کے وقوع پذیر ہو جانے کے بعد وہ، وہ نہ رہا تھا کہ جو ہوا کرتا تھا اور زندگی جسے وہ سمجھا تھا کہ بس ختم ہو گئی۔ وہ وہاں سے ایک نیا موڑ مڑ گئی تھی اگرچہ اس نے ان دنوں روز و شب کا شمار ترک کر رکھا تھا مگر پھر بھی وہ گزر تو رہے تھے۔ اور یہ گزرتا ہوا وقت چھ ماہ سے آگے کی سمت بڑھ رہا تھا کہ تب ہی ایک روز شجاع سکندر نے بہت سنبھل کر محتاط لہجے میں اس سے استفسار کیا، تو وہ جیسے کسی گہری بے ہوشی سے ہڑبڑا کر بے دار ہوا تھا اور جو پہلا سوال اس کے ذہن میں ابھرا وہ یہی تھا کہ کیا یہاں سے بھی رخصت ہونے کا سمے ہوا چاہتا ہے؟ گو سوال اس کے ذہن میں تھا پر شجاع کی تیز نگاہوں نے اسے پڑھ لیا تب ہی بہت متانت سے بولا۔

"آپ کچھ اور گمان مت کیجیے گا سر۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں آپ جیسے شخص کو ضائع ہوتا نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"مجھ جیسا شخص؟" وہ خود پر ہنس پڑا۔ "آہ..... آہ....."

ایک ہوک سی اس کے فگار سینے سے برآمد ہوئی۔ "مجھ جیسا شخص۔" اس نے بددلی سے سر جھٹکا تب شجاع بہت پر اعتماد لہجے میں گویا ہوا۔

"جی سر، آپ جیسا باصلاحیت اور ایک نیک دل انسان جب حالات کے ہاتھوں اپنی زندگی ضائع کرنے کا ارادہ کر چکا ہو تب اسے باز رکھنے کی کوئی تدبیر تو کرنی ہی چاہیے۔"

"مجھے چند دن دے دیجیے۔" اس نے شجاع کے توصیفی الفاظ کچھ اس بے زاری سے سنے گویا کہ وہ کسی اور کے بارے ذکر کر رہا ہو تب ہی سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

"میں یہاں سے بلکہ اس شہر ہی سے کہیں دور چلا جاؤں گا۔"

"پر کہاں جائیں گے سر....." شجاع نے بہت سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گھمبیرتا سے پوچھا تھا۔

"کسی ایسی جگہ۔" وہ یاسیت سے بولا۔ "جہاں میرا ماضی میرا تعاقب کرتا ہوا نہ پہنچ سکے۔"

"ہوں۔" یعنی وہ اپنی پہچان سے شکستہ دل ہو چکا تھا۔ شجاع سمجھ گیا۔ پر اظہار نہیں کیا۔ البتہ اس کا ذہن بہت تیزی سے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"کیا سوچنے لگے محترم۔" عیسیٰ اسے مسلسل خاموش پا کر پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولا۔ "جہاں آپ نے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے وہیں دو چار روز کا اور کر لیجیے۔"

"میں نے جو کیا وہ احسان نہیں۔" وہ سچے لہجے میں بولا۔

"بحیثیت انسان میرا فرض تھا اور ابھی بھی جو میں آپ سے کہنے والا ہوں وہ بھی انسان ہونے کے ناتے میرا فرض یوں ہے کہ اللہ خود کہتا ہے کہ جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے گویا پوری انسانیت کو بچا لیا۔"

"آپ کو لگتا ہے میں یہاں سے جا کر خودکشی کر لوں گا؟" وہ تمسخر سے بولا۔ تو شجاع نے ایک بہت گہری نظر اس پر ڈالی اور گھمبیرتا سے بولا۔

"پچھلے چھ ماہ سے آپ یہاں بند اور کیا کر رہے ہیں، سر صرف اپنے مادی وجود سے چھٹکارا پا لینا ہی تو خودکشی نہیں ہوتی۔"

بات کچھ ایسی تھی کہ عیسیٰ چند ثانیے چپ کا چپ رہ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا تو لہجے میں کسی بھی قسم کی دل چسپی کا عنصر صفر تھا۔

"تو چلیے پھر آپ ہی بتا دیجیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"جو کہوں گا کر سکیں گے؟" اس نے جانچتے لہجے میں پوچھا تھا۔ عیسیٰ میکانکی انداز میں بولا۔

www.alfadab.com

"محسن کی بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور محسن بھی وہ جو بے انتہا کڑے وقت میں ساتھ کھڑا ہوا ہے۔"

"نہیں سر....." شجاع سنجیدگی سے بولا۔ "یہ ایسا کام نہیں جو آپ احسان چکانے کو کر گزریں۔ اور آپ یہ احسان کا لفظ بار بار استعمال کر کے کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں جب کہ میں آپ کو کہہ چکا ہوں کہ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ میرا فرض تھا۔"

"کام کیا ہے؟" اس کے اندر شاید وہ حس ہی ختم ہو چکی تھی جو احساس، مروت، اخلاص و اخلاق کی باتیں سن کر طبیعت میں خوش گواریت پیدا کرتی ہے چنانچہ بے تاثر سے لہجے میں پوچھا۔

"یہ محض کام نہیں۔" وہ بولا۔ "اگر آپ کر سکیں تو میری مدد ہو گی۔"

"مدد....." وہ دل ہی دل میں استہزائیہ مسکرایا۔ "نام خواہ اسے کچھ بھی دے لو۔ کرنا تو اسے کام ہی تھا اور خیر اتنا تو وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ زندگی یونہی تو نہیں گزرے گی۔ اسے گزارنے کے لیے کچھ تو بہر حال کرنا ہی پڑے گا سو یہ ہی سہی۔

"جی مدد....." شجاع اس کے تاثرات دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ کر سکیں گے؟"

"کرنا کیا ہے؟"

کانوں میں ایک مانوس سی آواز پوری قوت سے گونجی تھی۔ سو اس نے چونکتے ہوئے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ اسی وقت اطلاعی گھنٹی ایک بار پھر سنائی دی۔ سو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

"کیا حال ہیں سر جی؟" شجاع ہاتھ میں دو لفافے تھامے اندر داخل ہوتے ہوئے خاصی خوش گواریت سے پوچھا تھا۔

"وہی۔" جواباً وہ ذہن کا سارا بوجھ جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"جو گزشتہ تین برس سے آپ نے بنا رکھا ہے۔"

"ہاہاہا....." اس کی بات پر پلاسٹک کی تھیلی میں موجود ہوٹل کی چائے باورچی خانے کے چھوٹے سے سلیب پر دھری دو مختلف انداز کی پیالیوں میں انڈیلتا شجاع بے ساختہ دل کھول کر ہنسا۔

"یہ زیادتی ہے، سر ہم نے تو صرف آپ سے مدد چاہی تھی۔ اپنا یہ حلیہ تو خود آپ کی چوائس ہے۔" اس کا اشارہ عیسیٰ کے پریشان بالوں اور بے ترتیب داڑھی مونچھ سے بجھے چہرے کی جانب تھا۔

"ویسے آپ نے ذکر کر رکھا ہے کہ اس وضع کو اپنانے میں آپ کے شعور کو دخل نہیں مگر چلیں، جو ہوا ایک طرح سے اچھا ہی ہو گیا اور پھر نام بھی آپ نے خود کو کیا خوب دیا تھا شرر..... ویسے مجھے یہ کہنے دیجیے کہ بھلے آئیڈیا میرا ہی ہو پر کیا کمال کے رنگ بھرے ہیں آپ نے اپنے کردار میں۔"

اس بے ساختہ دار پر عیسیٰ کے لبوں پر بلا ارادہ ایک تہہ در تہہ مسکراہٹ آ ٹھہری اور اس نے چمکتی آنکھوں سے شجاع کی جانب دیکھا جب کہ اس کا ذہن ایک بار پھر ڈھائی برس پہلے کے ایک منظر میں جا پہنچا تھا۔

"کرنا کیا ہے؟" اس نے شجاع سے پوچھا تھا۔ جواب میں وہ بولا۔

"کیا آپ سر آتش سے واقف ہیں؟"

"یہ کون ہے؟" وہ اگر واقف تھا بھی تو ان چھ ماہ نے اس کے ذہن سے بہت کچھ مٹا دیا تھا۔ شاید یہ نام بھی انہی میں سے ایک ہے۔

"ایک ایسا کردار جو اپنے افکار کی بدولت نوجوانوں میں بہت تیزی سے مقبول ہو گیا ہے۔" شجاع نے اس کا مختصر تعارف کروانے کے بعد کہا تو عیسیٰ نے یک دم سوال پوچھا۔

"تو آپ کو مسئلہ کس سے ہے؟ اس کے افکار سے؟ یا کردار سے؟"

"اس کی اچانک بڑھ جانے والی مقبولیت سے۔" سنسناتے لہجے میں یہ شجاع کا جواب تھا عیسیٰ ٹھٹھک گیا۔

"یعنی جو اچانک مقبول ہونے لگے، وہ مشکوک ہو جاتا ہے؟"

"درست سمجھے آپ۔" وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"کیوں کہ ہمارے ہاں ایسے کردار عموماً کسی خاص مقصد کے تحت پلانٹ کیے جاتے ہیں۔"

"انہیں بھی کیا گیا ہے؟" اس بار اسے ذرا دل چسپی پیدا ہوئی تھی۔

"کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔" وہ پیشہ ورانہ لہجے میں بولا۔

"البتہ کچھ تانے بانے ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر اس لائن پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔"

"اور یہ کام آپ کر رہے ہیں؟" اس نے چونک کر پوچھا تو شجاع نفی میں سر ہلا کر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں میں صرف مددگار ہوں۔"

"مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" بالآخر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سوالیہ ہوا تھا۔ وہ ترنت بولا۔

"صرف اتنا کہ آپ جا کر اس کی محفل کا حصہ بن جائیں۔"

اس نے کرنے کو تو اپنی سوچ کا برملا اظہار کر دیا مگر وہ ایسے کیسے اس کے کہے پر عمل پیرا ہو جاتا۔ سو اس نے قطعی انکار تو نہیں کیا پر کچھ وقت مانگا تا کہ وہ کچھ نہ کچھ تو اس شخصیت کے بارے میں جان سکے۔ اور جوں جوں اس نے جانا توں توں اس کے اندر چھڑی جنگ نے اسے اس راہ کا مسافر بننے پر اکسایا کہ جو آتش کدے کی سمت جاتی تھی اور یوں بالآخر سات ماہ بعد اس نے شجاع کی مدد کرنے پر خود کو تیار کر لیا تھا۔

"ہاں شرر....." وہ شجاع کی خالی پیالی میز کی سطح سے ٹکرانے کی آواز پر واپس حال میں پلٹا اور کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

"سچ تو یہ ہے کہ شرر کے کردار میں، میں نے رنگ نہیں بھرے شجاع صاحب..... وہ سارے ہی رنگ میرے اندر کہیں موجود تھے جو بس ابھر کر آ گئے۔"

"اور اس خوبی سے آئے ہیں کہ ہم تو آپ کی ویڈیوز دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں محترم۔" وہ تحسین آمیزی سے بولا۔

"مہر کیف..... اگر آپ کے ذہن میں آگے کا کچھ ہے تو ضرور بتائیے۔"

"کیا بتاؤں۔" وہ سر جھٹک کر بے دلی سے بولا۔ "فی الوقت تو میں پیچھے کی سمت محو سفر ہوں۔"

"کیا مطلب؟" شجاع اس بات پر چونکا تھا۔

"مطلب یہ کہ میرا ماضی آج میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔"

"وہ کیسے؟" اس نے ذرا کی ذرا پریشان ہو کر پوچھا تو عیسیٰ نے اسے شروع سے آخر تک سب بتا دیا۔ جسے بہت تحمل اور خاموشی سے سننے کے بعد اس نے عیسیٰ سے پوچھا تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں کیا چاہوں؟" وہ یہی تو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

تب شجاع کچھ دیر کے معنی خیز توقف کے بعد بولا۔

"میرا مشورہ ہے کہ آپ کو اپنی بہن سے ملنے چلے جانا چاہیے۔ ہاں مگر جلد لوٹ آیئے گا کہ کام ابھی ادھورا ہے۔"

www.alifadab.com

☆☆☆

"فون دو میرا..... کھولو دروازہ..... بات سنو میری۔"

اسے وحشت سے چلّاتے ہوئے سہ پہر سے رات ہونے کو آئی تھی پر کسی نے نہ سننا تھا سو نہ سنا اور خیراب تو اس کا سوجا ہوا گلا بھی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھا مگر وہ کہیں اندر سرخ بتی کی مانند جلتے بجھتے احساس کے تحت بے بسی سے سر پٹختی ہوئی سرگوشی سے مشابہہ آواز میں بس تین جملوں کی گردان کیے جاتی تھی۔

"فون دو میرا بات سنو میری کوئی ہے..... ہے کوئی؟"

"ہاں ہے۔" اس بار ایک مختلف جملہ اس کی پیاس سے اکڑی ہوئی زبان سے ادا ہوا تھا۔ جس کا جواب کسی نے فوراً ہی اس کے اندر سے دیا۔

"تم اکیلی نہیں ہو....." وہ گویا کہ کسی خوفناک بھنور میں پھنسی خود کو بچانے کے لیے بے یقینی سے ہاتھ پیر مار رہی تھی یک لخت تھم گئی۔

"کون؟ کون ہے؟" اس نے کراہ کر پوچھا۔

"وہی کہ جس نے تمہاری متعدد نافرمانیوں کے باوجود بھی تمہیں کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔"

ملنے والا جواب ایسا تھا کہ اس کی زبان گنگ ہوگئی اور پژمردہ وجود پر لرزہ سا طاری ہوگیا۔

"تم نے اپنے "رب" کی طرف ایک حکم عدولی کی جس کی پاداش میں اس نے تمہیں مہیا کی گئی ہر نعمت تم سے واپس چھیننے کا عمل شروع کردیا۔ سو اب تم ہی بتاؤ کہ "ظالم" کون ہے؟"

"میں....." ادراک کا کرب اس کی نحیف آواز سے عیاں تھا۔

"میں....." وہ تڑپ رہی تھی، مچل رہی تھی انکشاف کا یہ لمحہ بہت بھاری پڑ رہا تھا اس پر، ایک دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی اس کے پورے وجود پر اور اسی عالم جنون میں وہ منہ کے بل پلنگ سے نیچے جا گری اس کا ماتھا بڑی زور سے ٹکرایا ماربل کے فرش سے ۔ پر اسے تکلیف کا احساس یوں نہ ہوا کہ جو کچھ بھی وہ اس وقت اپنی روح میں محسوس کر رہی تھی، لفظ تکلیف اس کے آگے بہت ہیچ تھا۔

"ہاں مجھے اعتراف ہے۔" کچھ دیر یونہی ساکت و صامت پڑے رہنے کے بعد بالآخر اس نے اپنا جھکا ہوا سر فرش سے اٹھانے کی کوشش میں کراہتے ہوئے کہا۔ "کہ میں نے ظلم کیا اپنی جان پر اور میں اس قابل نہیں کہ تو میری طرف دیکھے۔"

کوئی ندامت سی ندامت تھی اور بے بسی آمیز کرب تب ہی اس کے من سے ایک بار پھر وہی آواز ابھری۔

"قابل تو شاید کوئی بھی نہیں ہوتا، بس تردد کا پھل ملتا ہے۔ سو تم بھی یہی کر دیکھو۔"

یہ سننے کی دیر تھی سو اس کے بے جان وجود میں گویا کہ نئی روح سی پھونکی گئی اور وہ ایک عجب سے ولولے میں اپنے دونوں ہاتھوں پر زور دے کر اٹھ بیٹھی۔

"میں کروں گی میں یہ تردد کروں گی۔" اب اس کا ہاتھ قریب دھرے صوفے کی ہتھی پر جما اور اس نے زور دے کر اٹھنے کی سعی کی۔

"میں اسے منانے کی کوشش ضرور کروں گی۔"

وہ اپنے وجود کو گھسیٹ کر صوفے پر بٹھا لینا چاہتی تھی، مگر پھر معاً بالکل اچانک ہی اس نے بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہونے کا ارادہ کرلیا۔

"کڑ..... کڑ..... کڑاک۔" اتنے عرصے سے پاؤں ہر بوجھ سے آزاد تھے اور اس نے ایک دم ہی ان پر بہت سارا وزن ڈال دیا تھا سو ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ تو ضرور سنائی دی مگر ہوا یہ کہ وہ بس ایک پل کو ہی سہی پر اپنے

پیروں پر کھڑی ہوگئی۔ لیکن اگلے ہی لمحے صوفے پر گری پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کہ ارادہ اپنی جگہ، پر منزل تو بہر حال مرحلہ وار ہی ملا کرتی ہے۔

☆☆☆

"رجو دیکھو دروازے پر کون ہے؟"

ساری رات سوچ بچار کرنے کے بعد بالآخر اگلے روز اس نے خود کو نعمی کے گھر کے باہر کھڑا پایا تھا۔ جب کہ نعمی کے لیے یہ ایک معمول کا دن تھا۔ بچے اپنے اسکول، کالج اور ایوب دفتر جا چکے تھے۔ اور وہ خود اس وقت جز وقتی ملازمہ رجو کے سر پر کھڑی صاف ستھرائی کروانے میں مصروف تھی کہ تب ہی اطلاعی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔

نعمی نے چولہے پر چائے چڑھا رکھی تھی، ابلنے کی آواز پر خود سرعت سے باورچی خانے کی جانب بڑھتے ہوئے اسے دروازہ دیکھنے کا کہہ گئی۔ اور جب چائے کے دو کپ چھوٹی سی ٹرے میں رکھے باورچی خانے سے واپس لاؤنج کی طرف پلٹی تو۔

"عی..... سی۔" اس کی آنکھیں ہی نہیں، آواز بھی بھرا گئی تھی۔ کپ ہاتھوں میں لرزنے لگے جنہیں جلدی سے آگے بڑھ کر رجو نے اگر تھام نہ لیا ہوتا تو گرم گرم چائے اس کے پاؤں پر گر چکی ہوتی۔

"کہاں چلے گئے تھے؟" وہ دیوانہ وار آ کر اس سے لپٹ گئی۔ "ہم نے تمہیں اتنا ڈھونڈا، اپنا کوئی پتا، کوئی نمبر تو دے جاتے۔"

منظر ایسا تھا کہ رجو کی آنکھیں بھی جھلملا گئیں کہ وہ پرانی ملازمہ تھی اور اسے سارے قصے کا علم تھا۔

اور وہ جو خود کو سمجھتا تھا کہ گویا پتھر ہوگیا ہے۔ ماں جائی کے سینے سے لگتے ہی قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔

"جہاں مجھ پر کوئی یقین کرنے والا نہیں۔" وہ بروقت اپنے لہجے کو بھیگنے سے بچاتے ہوئے بولا۔ "وہاں سے میرا چلے جانا ہی بہتر تھا۔"

"ہاں میں جانتی ہوں کہ معاملہ ہی کچھ ایسا تھا کہ ہم سب ہی الجھ گئے تھے۔" کچھ دیر بعد وہ جب جی بھر کر رو چکی تب اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"مگر تمہیں اس طرح گھر سے جانا نہیں چاہیے تھا۔"

"آپ کو شاید اندازہ بھی نہ ہو کہ میں کس طرح کے حالات میں اپنے ہی باپ کے گھر میں رہ رہا تھا۔" وہ تلخی سے بولا۔

"رجو! تم یہ پی کر دوسری بنا لاؤ....." رجو تا حال یہیں موجود تھی سو نعمی نے پہلے سجاؤ سے اسے باورچی خانے میں بھیجا..... پھر عیسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر بیٹے کے کمرے میں لا بٹھانے کے بعد گھمبیرتا سے کہنا شروع ہوئی۔

"اگر آج سے کچھ عرصے پہلے تم یہ بات کہتے تو شاید واقعی مجھے اندازہ نہیں ہوسکتا تھا مگر اب بخوبی جان سکتی ہوں کہ تمہاری زندگی کس طرح جہنم بنا دی گئی ہوگی۔"

"وہ کیسے؟" وہ چونکا تھا۔

نعمی نے اس استفسار پر اس کا چہرہ دیکھا..... اور بتانے لگی۔

☆☆☆

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" مجھے لگ رہا ہے جیسے میں نے کوئی گناہ کر دیا ہے گھر واپس آ کر....."

ابھی عیسیٰ کو گھر بدر کر کے سال بھر ہی جشن منا پائے تھے، رینا اور عامر کہ اول تو شاہا کی طبیعت کا مسئلہ شروع ہوگیا اور اس سے بھی بڑی پریشانی یہ ہوئی کہ اچانک نوکری ختم ہو جانے کی صورت میں طاہر بمعہ اہل و عیال واپس لوٹ آیا۔ ظاہر ہے اس کا گھر یہی تھا سو اس نے یہیں رہائش اختیار کی اور ابھی اس کی پاکستان واپسی کو یہ

www.alifadab.com

محض چوتھا ہی ماہ تھا کہ ایک روز وہ سب بہنوں کے سامنے پھٹ پڑا۔

اس روز نعمی نے ان سب کو اپنے ہاں عشائیے پر مدعو کر رکھا تھا۔ رینا اور عامر نے یوں معذرت کر لی کہ رینا کے میکے میں کوئی تقریب تھی اور یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا کہ وہ دونوں غیر موجود تھے۔ ہوتے تو یقیناً طاہر کو اپنے حالات ان کو سنانے کا موقع ہی نہ دیتے۔

''خیریت..... ایسا کیا ہو گیا؟'' شونا نے ہاتھ میں پکڑا سموسہ واپس رکابی میں رکھتے ہوئے ذرا تشویش سے پوچھا۔

''یہ پوچھیے کہ کیا نہیں ہوا۔'' طاہر تلملا کر ناشتہ یوں ہی چھوڑ کر میز سے اٹھ گیا۔ ''اپنے ہی گھر میں نہ تو میرا مال محفوظ ہے نہ ہی اولاد..... اوپر سے صبح شام کے جھگڑے الگ۔''

''ہاں تو تم اپنا بیوی کو بھی سمجھاؤ نا۔'' بالی بگھارے دہی بڑوں سے بے طرح انصاف کرتی ہوئی، کن اکھیوں سے ان سے ذرا فاصلے پر براجمان طاہر کی بیوی نشاط کو دیکھ کر وہی بولیں کہ جو رینا نے انہیں باور کروا رکھا تھا۔ یعنی کہ وہی روایتی باتیں کہ طاہر کی بیوی نکمی ہے۔ صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتی۔ کھانا نہیں پکاتی وغیرہ وغیرہ..... اور ہمیشہ کی طرح ان لوگوں نے اپنی آنکھوں کے استعمال کا تردد کرنے کے بجائے اس کی چٹخارے دار باتوں پر یقین کر لیا تھا اور اگر یقین نہیں بھی کیا تھا تو اسے ٹوکا بھی نہیں تھا۔

''کیا سمجھاؤں میں اسے؟'' طاہر چڑ گیا۔

''گھر صاف ستھرا رکھے، کام کاج کیا کرے گھر میں۔'' بالی خالی پیالی میز پر دھرتی ہوئی سوبری بن کر بولیں تو طاہر کا دماغ گھوم گیا۔

''تو اور کون کرتا ہے؟'' وہ سلگ کر بولا۔ ''رینا بھابھی تو پانی بھی نوکرانی سے مانگ کر پیتی ہیں۔ سارا کام نشاط ہی تو کرتی ہے۔''

''بہتر ہے کہ دیورانی جیٹھانی کے معاملات میں تم نہ پڑو۔''

ظاہر ہے کہ اس کی شکایت کو یہی گمان کیا گیا تھا کہ وہ بیوی کی لکھائی پڑھائی میں آ کر بول رہا ہے سو شانی ایک محتاط سا مشورہ دے کر دوبارہ اپنی چائے کی جانب متوجہ ہو گئی تب وہ معاً بھڑک اٹھا۔

''میں اور میری فیملی جس ذہنی ٹارچر کا سامنا کر رہے ہیں اس کا آپ لوگوں کو اندازہ بھی نہیں۔ چوں کہ آپ کے سامنے تو وہ دونوں میاں بیوی بہت اچھے بن جاتے ہیں سو نقص تو آپ کو ہم ہی میں نظر آئے گا مگر یہ بھی تو سوچیں کہ میں کوئی پاگل ہوں جو جھوٹ بولوں گا۔ میرا مال اسباب چوری ہو رہا ہے۔ میرے بچوں کے کمرے سے نکلنے پر انہیں اس قدر ہراساں کیا جاتا ہے کہ وہ کمرے میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔''

''خیر ہفتے بھر پہلے جو رات کو چور آئے تھے وہ تو عامر کا بھی اچھا خاصا روپیہ لے گئے ہیں۔'' شونا بولیں تو اتنی دیر سے وضع داری کے پیش نظر خاموش بیٹھی نشاط نے پہلی بار لب کشائی کرتے ہوئے شائستگی سے کہا۔

''کون سا روپیہ؟ عامر بھائی تو بار ہا بتاتے رہے ہیں کہ وہ اپنا کیش گھر میں نہیں رکھتے اور جو چور آئے تھے اس رات وہ میری ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں سے نکال کر طاہر کا سستا سا موبائل لے گئے جب کہ عامر بھائی کا مہنگا فون وہیں لاؤنج میں ٹی وی اسٹینڈ پر سامنے ہی رکھا تھا، اسے چھوڑ گئے۔ ہے سمجھ میں آنے والی بات؟''

اس کا اٹھایا گیا نکتہ کچھ ایسا صائب تھا کہ وہ چاروں ہی بے ساختہ ایک دوسرے کی جانب معنی خیزی سے دیکھے گئیں پر بالی تنک کر بولی تھیں۔

''کہنا کا (کیا) چاہتی ہو نے؟''

''میں کچھ کہنا نہیں چاہتی۔'' حال آں کہ کہنے کو تو اس کے پاس بہت کچھ تھا مگر جانتی تھی کہ اس کی باتوں کو

روایتی تناظر میں دیکھا جائے گا سو سنجیدگی سے بس اسی قدر بولی۔

''پر ایسا کیوں ہوا یہ سمجھنا ضرور چاہتی ہوں۔ اگر آپ کی سمجھ میں آ جائے تو مجھے بھی ضرور آگاہ کیجیے گا۔''

''بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔'' نشاط کے خاموش ہوتے ہی طاہر دونوں ہاتھ اٹھا کر قطعیت سے بولا تھا۔

''میں مزید ان حالات میں وہاں نہیں رہ سکتا، میں گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔''

☆☆☆

''یوں محض چار ماہ بعد ہی طاہر کرائے کے گھر منتقل ہو گیا اور اس روز شونا باجی نے پہلی بار بس ایک جملہ کہا تھا عیسیٰ کی ہمت تھی جو اتنے سال وہاں گزار گیا۔'' اور تب میں نے ان سے پوچھا تھا کہ ''کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ ڈاکہ عیسیٰ نے پڑوایا ہو گا؟'' عیسیٰ جو اتنی دیر سے لب بھینچے تھی کون رہا تھا اس بات پر خاموش نہ رہ سکا۔

''تو پھر؟'' اس نے بے ساختہ بے چین سے لہجے میں استفسار کیا۔ ''کیا جواب دیا انہوں نے؟''

''کوئی جواب نہیں دیا، بس خاموش رہیں۔'' بتاتے ہوئے اس کا لہجہ پست ہو گیا۔ عیسیٰ رنجیدگی سے مسکرا دیا۔ جیسے اسے کسی ایسے ہی جواب کی امید ہو پھر سر جھٹک کر بولا۔

''چلیں، مجھے دیر ہو رہی ہے، میں نکلتا ہوں۔''

''ایسے کیسے۔'' نعمی جلدی سے بولی۔ ''رکو..... ناشتہ کر کے جانا۔''

''نہیں.....'' وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''پھر آؤں گا۔''

''رہتے کہاں ہو، اچھا اپنا نمبر تو دیتے جاؤ۔'' وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے جلدی سے بولی اور رجو کو آوازیں دینے لگی۔

''رجو رجو! فون لے کر آؤ میرا۔''

وہ لے آئی۔ تب اس نے عیسیٰ کا نمبر محفوظ کرنے کو فون اپنے سامنے کیا ہی تھا کہ بالی کی کال آنے لگی۔ اس نے دبے دبے سے جوش و مسرت سے انہیں عیسیٰ کے بارے میں بتانے کی خاطر فوراً فون اٹھایا ہی تھا کہ دوسری طرف سے وہ بری طرح روتے ہوئے بولیں۔

''خبر دیکھی تم نے؟''

''کک..... کیا ہوا؟'' وہ گھبرا گئی۔

''ہمرے خاندان کا نام مٹی میں مل گیا نے۔'' وہ بین ڈالنے والے انداز سے بولیں۔ ''دو کوڑی کا عزت ہو گیا ہمرا۔''

''پر پتا تو چلے کہ آخر ہوا کیا ہے؟'' نعمی نے دہل کر پوچھا اور جب انہوں نے بتایا تو۔

''کیا؟'' نعمی چکرا گئی۔ عیسیٰ نے آگے بڑھ کر سنبھالا۔

''ہم جا رہے ہیں امی کا گھر۔'' بالی کہہ رہی تھیں۔ ''کڑا وقت ہے، تم بھی جلد وہیں پہنچو نے.....''

''جی میں آتی ہوں۔'' اس نے فون کان سے ہٹا دیا۔ تب عیسیٰ نے ذرا تشویش سے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے؟''

''عیسیٰ.....'' نعمی کپکپاتی آواز میں بولی۔ ''تم۔ چلو تم بھی میرے ساتھ امی کے گھر چلو۔''

''پر ہوا کیا ہے؟'' اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

''گوگو کو کالج سے نشہ کرتے ہوئے پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔''

''کیا؟'' اس اطلاع نے اسے ساکت کر دیا۔

گوگو..... رینا اور عامر کی سولہ سالہ بیٹی یعنی اس کی بھتیجی۔

''ابھی وہ کہاں ہے؟'' چند ثانیے بعد اس نے سرسراتی آواز میں پوچھا تھا۔

www.alifadab.com

"پولیس لے گئی ہے، تو لاک اپ ہی میں ہوگی۔" صدمے میں گھری نغمی نے خیال آرائی کی تو وہ مضطرب سے لہجے میں بولا۔

"کون سے کالج میں پڑھتی ہے وہ.....؟"

نغمی نے کالج کا نام بتایا تو کچھ سوچ کر وہ نغمی کو خدا حافظ کہتے ہوئے بڑی عجلت میں گھر کے داخلی دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"آپ گھر جائیں۔" وہ پل بھر کو رکا اور اس کی جانب دیکھ کر گمبھیرتا سے بولا۔ "میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔"

☆☆☆

"ہائے میری بے گناہ معصوم سی گوگو!"

معاملہ کچھ ایسا حساس اور سنگین تھا کہ سب ہی ان کے ہاں جمع ہو گئے تھے کہ اس دشوار ترین گھڑی میں ان کی ڈھارس بندھا سکیں..... یوں تو رینا جیسی عورت کو اب سے پہلے کسی کے دم دلاسے کی کوئی پرواہ اور ضرورت اس لیے نہیں تھی کہ عموماً صاعقہ کے اونچی پہنچ والے "سرتاج" ایسے نازک مواقع پر اپنا "فرض" بخوبی ادا کر دیا کرتے تھے مگر واقعہ کچھ یہ تھا کہ ڈھلتی عمر کی صاعقہ کو جب اپنے اکلوتے لخت جگر کی تین، چار روز بعد ملنے والی لاش کی بابت علم ہوا تو اس اطلاع نے اسے نیم دیوار نہ سا کر دیا تھا....."

وہ تو اس مرتبہ ہر صورت اس سے ملاقات کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ وقت گزارنے کو اسے اپنے ساتھ لے کر یہ یورپ جانا چاہتی تھی مگر.....

اس سے جو ملاقات ہوئی تو یوں کہ اس کا ہمہ وقت سرخیاں چھلکانے والا — خوبرو چہرہ سیاہی مائل تھا اور وہ حسین آنکھیں جو لاتعداد حسیناؤں کی جان کھینچ لینے کی صلاحیت رکھتی تھیں آج خود بے جان تھیں..... ہاں البتہ سیاہ ریشمی بالوں کا جو گچھا وہ ہمہ وقت سفید ماتھے پر بڑی شان سے گرائے رکھتا تھا آج بھی وہیں گرائے ہوا تھا..... جسے سکتے میں آئی صاعقہ نے میکانکی انداز سے ہاتھ بڑھا کر ہٹانے کی کوشش کی اور ایک دل دوز چیخ مار کر وہیں ڈھیر ہو گئی..... ڈاکٹرز کو اڑتالیس گھنٹے لگے تھے اسے ہوش میں لانے میں..... مگر وہ پھر بھی وہ صاعقہ نہیں تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی....."

اس کی شہد رنگ آنکھوں میں جیسے جوان پیارے بیٹے کا زندگی کی رمق سے عاری چہرہ کھب کر رہ گیا تھا۔ ذہن پر اس کا بے حس و حرکت وجود یوں نقش ہوا تھا کہ اس کے علاوہ دماغ کچھ اور سوچ ہی نہیں پاتا تھا.....

تنگ آ کر اس کا حالیہ شوہر اسے یہیں چھوڑ کر واپس خلیج لوٹ گیا تھا۔

پچھلے ایک برس سے اس کا علاج جاری تھا اور آج کل رینا ماحول کی تبدیلی کی غرض سے اسے اپنے گھر لے آئی — تھی..... اور جو اس وقت دھلا دھلایا چہرہ لیے نماز کی بڑی چادر سر تا پا لپیٹے گم صم سی بیٹھی بہن کا واویلا دیکھ رہی تھی.....

"اللہ کا قہر نازل ہوگا۔" وہ رینا کو ستے ہوئے بولی۔ "کتے کی موت مریں گے میری بچی کو جھوٹے الزام میں پکڑ کر لے جانے والے۔"

"مدقوق چہرے اور کمزور جسم والے شاہا سے زیادہ دیر بیٹھا نہیں جاتا تھا۔ سو وہ صوفے پر نیم دراز تاسف سے ماں کو روتے دیکھ رہا تھا۔ بے بی الگ سہمی ہوئی اپنی خالہ ہی سے جڑی بیٹھی تھی۔

"رات پڑ گئی ہے نے....." بالی، گوگو کے لیے رینا کی تڑپ دیکھ کر ہمدردی سے بولی۔ "رات گزر گئی تو سمجھو سب ختم..... دعا کرو عامر بچی کو لے سے کر ہی لوٹے۔"

دعا تو ظاہر ہے کہ وہ سب یہی کر رہے تھے مگر ہوا کچھ یوں کہ کچھ ہی دیر بعد عامر کندھے جھکائے حد درجہ مایوس، ستے ہوئے چہرے کے ساتھ لوٹا.....

رینا تیر کی طرح اس کی جانب لپکی.....

"گوگو کہاں ہے؟"

"بہت کوشش کی پر....." اس نے یہاں تک کہہ کر نفی میں سر ہلایا اور زندگی میں پہلی بار وہ رعونت و تکبر کا مینارہ بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"کیا کہہ رہے ہو عامر....." وہ تڑپ کر بولی۔ "وہ تمہارے سب تعلقات کیا ہوئے؟"

"سب اپنی جگہ کوشش کر تو رہے ہیں۔" اس کے آنسو دیکھ کر خود۔ بالی مسلسل دلاسے دینے کے انداز میں اس کی کمر سہلا رہی تھی۔ سو وہ اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے بولا۔ "مگر ایک دو دن لگیں گے....."

"ایک دو دن؟" شانی نے یہ سن کر دہشت سے بے ساختہ مسند پر ہاتھ رکھ لیا کہ اس سناؤنی کا مطلب یہاں موجود سب ہی بخوبی جانتے تھے۔

تب ہی تو یک دم ہی وہاں مرگ کا سا ماحول طاری ہو گیا۔

"یہ ضرور کسی کا کالا عمل ہے۔" رینا ذیانی انداز سے چلا کر بولی۔

"میرا سکھ چین برداشت نہ ہوا، کھا گئے میری خوشیوں کو..... لگ گئے میری اولاد کی بربادی کے پیچھے۔"

وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی، مچل مچل کر دہائیاں دے رہی تھی کہ تب ہی لاؤنج کے دروازے سے اچانک وہ اندر داخل ہوا..... وہ کہ جسے روبرو پا کر پل بھر کے لیے وہ سارے ہی یوں ساکت ہو گئے تھے گویا کہ پتھر کی مورتیں..... اور ان پتھر کی مورتوں میں حرکت اس کے ساتھ آنے والی کو دیکھ کر پڑی تھی۔

"عیسیٰ..... یہ..... یہ تمہارے ساتھ؟" کئی متحیر و متعجب آوازیں بیک وقت ابھریں مگر رینا نہ ہی حیران ہوئی نہ تعجب ہی میں پڑی، بلکہ وہ کسی خون آشام بلا کی مانند عیسیٰ کی سمت گویا اڑتی ہوئی پہنچی۔

"ہاں تو..... تو ہی تو ہے میرا سب سے بڑا دشمن..... مجھے ذلیل کروانے کو اسے تو نے پکڑوایا تھا نا....."

"کیا کر رہی ہیں۔ ہٹیں....." آگے، پیچھے ڈولتی گوگو جس کی حالت خود چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ اس پر لگنے والا کتنے فیصد "بہتان" تھا اور کس قدر سچائی، وہ عیسیٰ کا گریبان نوچنے کو بڑھتی رینا کے ہاتھ پکڑ کر بری طرح جھٹکتے ہوئے ناگواری سے بولی.....

"چاچو نے نہیں پکڑوایا..... میں اپنے فرینڈز کے ساتھ چل کر رہی تھی..... پتا نہیں وہاں آ گئے..... چاچو نے مجھے چھڑا لیا..... وہ سارے اب تک وہیں ہیں..... اب ادھر ہی پارٹی کر رہے ہوں گے۔" اس نے ہنستے ہوئے تالی ماری جیسے بہت مزے کی بات بتائی ہو.....

نشہ کے زیر اثر توازن قائم رکھنے میں ناکام ہوتی، بہکے بہکے انداز میں بولتی بیٹی کو دیکھ کر عامر کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا..... مگر رینا کو ماسوائے سامنے پورے قد سے کھڑے عیسیٰ کے اور کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا تب ہی ..... حقارت سے بولی۔

"یہ نکما ڈکیت..... اتنی بڑی شخصیت کیسے ہو گیا کہ اس کے کہنے پر — انہوں نے تجھے چھوڑ دیا؟"

ہاں..... وہ کوئی اتنی بڑی شخصیت نہیں تھا اور نہ ہی اس کی ایسی کوئی پہنچ تھی۔

"ہاں مگر ایک سچائی نے اسے اندر سے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور وہ سچائی یہ تھی کہ دام میں آ جانے والی محض رینا اور عامر کی بیٹی ہی نہیں بلکہ اس کی بھتیجی اس کے عزت دار اور نیک نام والد کا خون بھی تھی..... وہ کہ جن کے آخری الفاظ یہی تو تھے کہ انسان کو ہر حال میں اپنے اخلاق بلند رکھنے چاہئیں..... اور ان ہی الفاظ کی راہ نمائی میں

www.alifradab.com

اس نے اپنی آج تک کی زندگی گزاری تھی تو اس مقام پر ان الفاظ سے کیسے نہ موڑ لیتا.....

سو اس نے اپنے ظرف کو وسیع کرتے ہوئے ایک کوشش کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وہیں نعمی کے گھر میں کھڑے کھڑے.....

اور یہ کوشش شجاع سکندر کی خصوصی مہربانی کی بدولت بار آور ہوئی تھی۔ یوں بالآخر وہ گوگو کو گھر لے کر آنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''ہی.....ہی.....ہی''۔ گوگو پھر ہنسی۔ ''یہ تو پتا نہیں کہ اونچی شخصیت ہیں یا نہیں، پر ڈاکے کا پتا ہے.....'' تو آپ نے صاعقہ آنٹی کے ساتھ مل کر چاچو کو پھنسوانے کے لیے پلان کیا تھا۔'' اس نے بہت مزے سے ایسے الفاظ کہہ دیے تھے، جسے سن کر وہ سارے کے سارے حق دق رہ گئے۔

''پاگل ہو گئی ہے؟''۔ رینا نندوں کی خود پر جمی ملامتی نگاہیں محسوس کر کے ہیجانی کیفیت میں جلدی سے آگے بڑھ کر بیٹی کے گال پر فہمائشی چپت لگا کر بولی۔

''کیا کہہ رہی ہے تو.....'' اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے خاموش رہنے کی التجا بھی کی تھی۔ مگر وہ ہوش میں ہی کہاں تھی جو نگاہوں کی زبان سمجھ پاتی۔

''ٹھیک تو کہہ رہی ہوں۔'' وہ مسلسل ہنستے ہوئے سر کھجا کر بولی۔ ''میں نے سب سن لیا تھا۔ آپ صاعقہ آنٹی کے ساتھ مل کر پلان بنا رہی تھیں چاچو پر الزام لگانے کا..... کیوں آنٹی۔'' وہ بولتے بولتے مڑ کر شرارتی سے انداز میں صاعقہ سے مخاطب ہوئی..... ''یاد ہے نا آپ کو؟''

''ہاں.....'' صاعقہ وہ جو اتنی دیر سے گہری چپ اوڑھے بیٹھی تھی، اپنا پھڑپھڑایا ہوا وجود لیے اچانک ہی اٹھی اور کسی روبوٹ کی مانند چلتے ہوئے عیسیٰ کے سامنے جا کھڑی ہوئی.....

''مجھے سب یاد ہے..... مجھے سب یاد ہے۔'' وہ بنا پلکیں جھپکے یک ٹک اس کی سمت دیکھتے ہوئے شاید بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر ذہن تھا کہ اس سے آگے کوئی اور لفظ سجھا ہی نہ رہا تھا تب ہی بس ایک اسی جملے کی گردان کرتے کرتے اس نے اچانک عیسیٰ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ تب عیسیٰ نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔

رینا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''یہ کیا کر رہی ہو باجی.....'' وہ برق رفتاری سے صاعقہ کے نزدیک جا کر صاعقہ کے جڑے ہاتھ ایک جھٹکے سے کھولتے ہوئے بولی۔

''ہاں آنٹی! آپ چاچو سے سوری کیوں کر رہی ہیں..... یہ تو مما کو کرنا چاہیے نا.....ہی ہی ہی.....'' گوگو اس بار بھی بولنے سے باز نہ آئی تھی۔ رینا اس پر الٹ پڑی۔

''چپ ہو جا تو..... میں کس بات کی معافی مانگوں اس سے؟ معافی تو سب سے اسے مانگنی چاہیے۔ لڑکی اس نے بھگائی..... نشے یہ کرتا رہا..... اور ڈاکا بھی.....''

''بس.....'' ابھی اس کی ہرزہ سرائی مکمل نہ ہوئی تھی کہ عامر بے اختیار چلا اٹھا..... ''اب ایک لفظ بھی اور نہیں..... خاموش ہو جاؤ تم.....''

''مجھے خاموش ہو جانے کا کہا تم نے؟'' رینا کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ''مجھے''

''ہاں تمہیں.....'' اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب بالکل چپ رہنا تم.....''

''بولوں گی۔'' رینا دیوانگی سے پھر کر چلائی۔ ''اور بولوں گی..... سب کو بتاؤں گی کہ ہے تمہارا بھائی آوارہ، نشئی، بدکردار اور ڈکیت.....'' بات اس بار بھی مکمل نہ ہونے دی تھی عامر نے..... بس فرق یہ تھا کہ اس دفعہ زبان

کے بجائے ہاتھ سے کام لیا تھا اس نے.....

رینا اپنے دہکتے گال پر ہاتھ رکھے ششدر رہ گئی۔

''ہی ہی ہی.....'' گوگو اس بار پہلے سے بھی زیادہ زور سے ہنسی تھی.....

مگر شاباش اور بے بی کو اس صورت حال نے روہانسا کر دیا تھا..... چنانچہ ان تینوں ہی کو وہاں کچھ کہے اندر لے گئی.....

''میں..... میں چلتا ہوں.....'' ماحول پر چھائے سناٹے کو عیسیٰ کی گمبھیر آواز نے توڑا تھا.....

''کہاں جا رہے ہو؟.....'' شونا ایک سخت ناپسندیدہ نگاہ رینا پر ڈال کر اس سے مخاطب ہوئیں۔ ''یہ گھر تمہارا بھی ہے۔ یہیں رہو۔''

''ٹھیک بولیں شونا باجی.....'' بالی نے بھی ان کی تائید کرتے ہوئے کہا..... ''کہیں نہیں جاؤ۔ ادھر ہی رہو نے.....''

''اور کیا ہوا! اپنے گھر کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر کیوں رہو گے تم؟'' شانی کو بھی آج ہی یہ خیال آیا تھا۔ وہ یاسیت سے مسکرا دیا۔

''جانا ہوگا۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔ ''گھر میرا سہی، پر میں اب یہاں اجنبی ہوں۔'' وہ کہہ کر ٹھہر گیا تھا تب عقب سے عامر نے اسے بہت جھجکتے ہوئے آواز دی۔

''عیسیٰ.....'' وہ پکار سن کر رک ضرور گیا۔ پر مڑا نہیں۔

''تمہارے کمرے کا کچھ سامان میں نے اکٹھا کر کے اسٹور روم میں رکھ دیا تھا، اسے دیکھ لینا۔'' وہ شاید کہنا کچھ اور چاہتا تھا پر کچھ اور کہہ گیا۔

''ابھی جا کر دیکھ لو۔'' نعمی اس خیال کے تحت بولی کہ جو کچھ ''بچ'' گیا ہے، کم از کم وہی لے جائے وہ یہاں سے، پر وہ بولا۔

''پھر کبھی۔'' اور تیزی سے باہر کی سمت قدم بڑھا دیے۔

''جب کوئی سامان ہے ہی نہیں اس کا تو پھر کبھی کیوں.....''

رینا کو اس کے ''پھر کبھی'' نے تھپڑ کے صدمے سے باہر نکال کر پھر اسی توانائی سے میدان میں اترنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جواباً عامر بھی چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ یک لحظہ باہر لان میں ٹھہرا۔ ایک اداس سی نگاہ بام و در پر ڈالی اور اس گھر کی دہلیز عبور کر آیا کہ جو کبھی اس کا بھی ہوا کرتا تھا۔

☆☆☆

''ڈاکا تو آپ نے پلان کیا تھا، صاعقہ آنٹی کے ساتھ مل کر۔''

وہ اپنے ٹھکانے لوٹ آیا تھا پر اس کے کانوں میں اب بھی رہ رہ کر گوگو کے الفاظ گونج رہے تھے۔

وہ لفظ جو ثبوت تھے اس کی پارسائی کے گواہی تھے اس کی بے گناہی کے اور یہ لفظ بھلا کس نے اس کی زبان سے ادا کروائے تھے؟

وہ جو اضطراری کیفیت میں اپنے مختصر سے فلیٹ میں یہاں سے وہاں چکر لگا رہا تھا، یک لخت ٹھہر گیا۔ کانپ گیا۔

''تو یہ دن مقرر کر رکھا تھا اس نے میری ''شنوائی کا۔'' بہت سے اس کا دل لرز اٹھا۔

کائنات کی سب سے بے غرض اور خالص محبت کے احساس نے اسے کچھ اتنا مغلوب کر دیا کہ اسے لگا وہ بس ابھی گر پڑے گا۔ اور پھر وہ واقعی گر پڑا تھا۔ سجدے میں!

''بے شک ہر جلد باز خسارے میں ہے۔'' وہ تو بول نہیں پا رہا تھا پر اس کے بہتے اشک گویا تھے۔

''بے شک..... بے شک..... بے شک.....'' یہ صرف سجدۂ شکر ہی نہیں۔ سجدۂ ندامت بھی تھا سو اسے

www.alifadab.com

طویل ہی ہونا چاہیے تھا۔

اس کی ہستی کا اعتبار و مان پوری شان سے آج اسے واپس لوٹا دیا تھا گیا سو جب اس نے اپنا سر اٹھایا تو برسوں بعد وہ خود کو بہت معتبر اور سبک محسوس کر رہا تھا۔

ہاں مگر ایک بوجھ ابھی بھی اس کی روح پر اس ''انکار'' کا تھا جو وہ اپنی عجلت پسندی میں سب کے سامنے کر آیا تھا۔

''ہاں.....'' دفعتاً اس کی آنکھیں ایک خیال کے تحت روشن ہو گئیں۔ ''جہاں انکار کیا تھا، وہیں ''اقرار'' بھی تو کیا جا سکتا ہے۔

''ہاں بالکل کیا جا سکتا ہے۔'' اس سوچ کے ساتھ اسے بی زی کا دھیان آیا تھا۔ سو اس نے سامنے پڑا فون اٹھا کر پہلی بار اپنے نمبر سے بی زی کو کال ملائی۔

''آپ کا مطلوبہ نمبر بند ہے۔'' وہ تو اپنا فون کھلا رکھنے کے معاملے میں بڑی حساس واقع ہوئی تھی تو اس کا فون مسلسل بند کیوں جا رہا تھا ظاہر ہے اسے فطری سی تشویش نے آگھیرا۔ اور اسی تشویش کے تحت اب وہ آتش کدے کی لینڈ لائن پر کال کر رہا تھا۔

''بی زی کہاں ہے؟'' فون رضیہ نے اٹھایا تھا۔ سو اس نے اپنی فکر کو نہ ظاہر کرتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا۔

''وہ تو کل سے ہی اپنے کمرے میں بند ہیں، فون کا پتا نہیں۔'' ظاہر ہے کہ عیسیٰ نے اپنا تعارف کروانے کے بعد ہی پوچھا تھا۔ سو وہ رکھائی سے بولی۔

''اچھا؟'' اسے اچنبھا ہوا۔ ''طبیعت ٹھیک ہے ان کی؟''

''ٹھیک ہی ہوگی، میری ملاقات نہیں ہوئی ان سے۔'' وہ اکتا کر بولی۔

یہ بہت عجیب بات تھی، بہت عجیب..... اتنی کہ وہ حقیقتاً اس کی طرف سے پریشان ہو گیا۔

''تم کھانا وغیرہ دینے نہیں گئیں اسے؟''

''نہیں۔ خاقان صاحب خود ہی دیکھ بھال کر رہے ہیں ان کی۔''

اس نے بتایا پھر ہم عجلت بولی۔ ''اچھا صاب میرے مرد کا فون آ رہا ہے۔ وہ آ گیا ہے مجھے لینے۔ باقی باتیں آپ خود کل یہاں آ کر میم سے کر لینا۔''

''ٹھیک ہے، شکریہ۔'' عیسیٰ نے سنجیدگی سے کہہ کر کال منقطع کر دی مگر کوئی احساس تھا کہ جس کے باعث وہ اندر سے چوکس ہو گیا تھا۔ تب اس نے کچھ سوچا اور ایک مختصر سا ویڈیو پیغام ریکارڈ کر کے شرر کے نام سے بنائے گئے اپنے تمام سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر ڈال دیا۔

بس اب اسے کل کا انتظار تھا۔

☆☆☆

''آپ؟'' خاقان شرر کو آتش کدے میں دیکھ کر بری طرح چونکا تھا کہ اس کے حساب سے تو اب اسے یہاں کا رخ نہیں کرنا چاہیے تھا۔

''ہاں میں!'' وہ خشک لہجے میں بولا۔ ''کیا پہچانے نہیں مجھے؟''

''پہچان تو شاید گیا ہوں۔'' وہ ذو معنی سے لہجے میں بولا۔ ''کہیے کیسے آنا ہوا؟''

''بی، زی سے ملنے آیا ہوں۔'' اس نے خاقان کے تاثرات بطور خاص نگاہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اسے اطلاع کر دو۔''

''ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔'' وہ واضح طور پر گڑبڑایا۔

''وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں، کسی سے بھی ملنے سے منع کیا ہے۔''

''تم میرا بتاؤ انہیں جا کر۔'' وہ اس کی بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولا۔ ''وہ ملنے سے انکار نہیں کریں گی۔''

''ٹھیک ہے، آپ بیٹھیے..... میں انہیں آپ کی آمد کے بارے میں بتا دیتا ہوں۔'' وہ اسے ٹالنے میں ناکام رہا تھا۔ زیادہ حجت اسے مشکوک کر سکتی تھی سو اس نے کچھ سوچ کر اسے وہیں بیٹھنے کا کہا۔

''یہاں نہیں، لائبریری میں بھیج دو اسے..... میں وہیں جا رہا ہوں۔''

''معذرت خواہ ہوں شرر صاحب.....'' خاقان اسے پر اعتماد قدموں سے لائبریری کی سمت بڑھتے دیکھ کر بے ساختہ ٹوکتے ہوئے بولا۔

''لائبریری کے دروازے کی چابی کہیں کھو گئی ہے، اس لیے آج آپ کو یہیں بیٹھنا پڑے گا۔''

اس کے الفاظ میں کچھ ایسا کھوکھلا پن تھا کہ عیسیٰ فوراً سے پیشتر بھانپ گیا کہ وہ دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے تاہم مصلحتاً اس نے مزید کوئی حجت کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا کہ۔

''کوئی بات نہیں، یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔''

''نوازش.....'' اس نے ایک سخت نگاہ عیسیٰ پر ڈالی اور بہت تیزی سے ڈرائنگ روم سے باہر آ کر آتش کو کال ملانے کی کوشش کی مگر بے سود کہ اس کا فون بند تھا۔

''اب کیا کروں؟'' وہ پریشانی سے اپنی کنپٹی سہلانے لگا۔

شرر کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ بی زی سے ملاقات کیے بغیر یہاں سے جائے گا نہیں۔ اور ان حالات میں بی زی کو اس سے ملنے دینے کا مطلب.....

''ہاں.....'' بالآخر اس کے ذہن نے اس افتاد کا حل نکال ہی لیا تھا سو وہ زیر لب بڑبڑاہٹ نما آواز میں خود کلامی کرتے ہوئے بولا۔

''یہ کیا جا سکتا ہے، یہی مناسب رہے گا۔''

☆☆☆

''کیسی ہو؟''

کچھ دیر انتظار کے بعد بی زی اس کے مقابل تھی سو اس نے اسے دیکھتے ہی بے ساختہ اس کی خیریت دریافت کی۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' حالانکہ سوجے ہوئے پپوٹوں، ماتھے پر پڑے ہوئے نیل اور ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ خود بھی جانتی تھی کہ کیسی لگ سکتی ہے مگر پھر بھی اس نے پوچھا۔

''مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہیں۔'' اسے بغور دیکھتا عیسیٰ فکر مندی سے بولا۔

''بتاؤ..... کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ بی زی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

(''شرر ملنے آئے ہیں آپ سے..... لیکن اگر آپ نے انہیں کچھ بتایا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''بتا دیا تو کیا کرو گے؟''

''بس یہی کہ میں پولیس کو جا کر بتا دوں گا کہ علائنہ خان کے قتل کے پیچھے آپ تھیں۔)

''بتاؤ بی زی! کیا ہوا ہے؟'' عیسیٰ اصرار کر رہا تھا۔

بالآخر بی زی نے فیصلہ کن نگاہوں سے اسے دیکھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.alifadab.com

عقیلہ ہاشمی

سارے رنگ تمہارے ہیں

"ایک ہاتھ میں پانی کا پائپ اور دوسرے ہاتھ میں جھاڑو لیے وہ گیراج دھونی گیٹ تک آئی تو ایک گاڑی زن سے ریمپ کے قریب آن رکی۔

اس نے دیکھا ثمینہ آنٹی شاہانہ انداز میں گاڑی سے نیچے اتر آئی تھیں۔

"مارے گئے۔۔۔ یہ کہاں سے آن ٹپکیں؟"

ثمینہ آنٹی صہیب (شوہر) کی وہ ماڈرن سی خالہ تھیں جن کا سامنا کرتے ہوئے وہ ہمیشہ ہی کتراتی تھی۔

وہ پائپ ہاتھ سے چھوڑ کر سیدھی ہوگئی۔ خوب صورت برینڈڈ جوڑے میں وہ ہمیشہ کی طرح بڑی حسین لگ رہی تھیں۔ کٹے ہوئے سنہری رنگے بالوں پر سن گلاسز ٹکائے وہ اپنے نفیس سے بیگ کی زپ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سے اترنے والے لڑکے کو اب پیسے دے رہی تھیں، جو نیچے اتر کر ان کا بیگ گاڑی سے نیچے رکھ چکا تھا۔ وہ کرایہ لے کر چلا گیا تو وہ گھر کا جائزہ لیتی گیٹ کی طرف بڑھیں۔

"ایکسیوزمی، اظہر سبحانی صاحب کا گھر یہی ہے؟"

اس بار انہوں نے کافی عرصے کے بعد چکر لگایا تھا۔ گھر کا کچھ کچھ تو اندازہ تھا لیکن پھر بھی انہوں نے کام کرتی ماسی سے پوچھنا ضروری سمجھا۔

وہ جو آنٹی کی اچانک آمد پر بوکھلا سی گئی تھی سر کو ہلا کر رہ گئی۔

"ایک تو یہ ٹیکسی ڈرائیور بھی بڑے تیز ہوتے ہیں میں کہہ رہی تھی نہیں یہ والی گلی نہیں ہے لیکن مان ہی نہیں رہا تھا پچھلے پندرہ منٹ سے پچھلی گلی کے چار چکر لگا دیے پاگل انسان نے۔"

اس کے سر ہلانے پر گھر کی تسلی ہوگئی تو وہ ٹیکسی والے کی چالاکی کا رونا روتی آگے بڑھیں۔

"حالانکہ میں نے اسے کہہ دیا تھا جس کوٹھی کا پینٹ بالکل اڑ چکا ہو بس اسی کے آگے جا کر گاڑی روک دینا" کتنے سالوں بعد بھی انہیں کوٹھی کا اڑا اڑا رنگ روپ ابھی تک یاد تھا، پچھلی بار کی یہی ایک نشانی تو انہوں نے یاد رکھی تھی۔

آنٹی کی تیز نگاہیں نہ صرف کوٹھی کو ایک نظر میں پہچان چکی تھیں، بلکہ انہوں نے ایک نظر میں اس کے حلیے کو بھی تاڑ لیا تھا، ان کی آنکھوں میں تیرتے ناگواری کے سائے دیکھ کر وہ مارے خفت کے پانی پانی ہوگئی انہیں بھی اسی ٹائم آنا تھا۔ وہ گھر کے پھٹے پرانے کپڑوں میں پسینے میں نہائی جھاڑو پھیرتی کہیں سے بھی گھر کی مالکن نہیں لگ رہی تھی۔ ان کا مخاطب کرنے کا انداز بھی بتا رہا تھا کہ انہوں نے بھی اسے ماسی ہی سمجھا تھا۔

"السلام علیکم" اس نے ہاتھ سے جھاڑو چھوڑتے ہوئے۔ سلام تو کیا۔ اب کیا ہو سکتا تھا دوڑ کر وہ اندر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ اب تو یہی تھا آگے بڑھ کر ان سے مل لیا جائے۔

"جی آنٹی! یہی گھر ہے۔۔۔ آپ اندر آئیے۔" سر پر لپیٹا دوپٹہ کھولتے ہوئے وہ تھوڑے فاصلے پر ہی کھڑی رہی۔ جسم سے اٹھتی پسینے کی بدبو اپنی ناک کو چڑھی جا رہی تھی پھر وہ کیوں گران کے گلے سے جا لگتی، آنٹی کا خطاب ملتے انہوں نے سر سے پاؤں تک اس کام والی ماسی کا جائزہ لیا تھا جو

www.pdfdadab.com

نہیں، آپ تو پیسے بچانے کا بخار چڑھا ہے تو یہ ہے میری۔۔۔حساب کتاب تو آپ پر ختم ہے۔"

سلام دعا کے بعد وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

بہنوئی صاحب کی عادتوں سے وہ بہت پہلے سے واقف تھیں، ایک روپیہ بچانے کے لیے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے تھے۔

"اور راشدہ نظر نہیں آ رہی، اسے کس کام پر لگا رکھا ہے بھئی اس گھر میں تو شروع سے کوئی بندہ بے کار نہیں بیٹھ سکتا۔"

بہنوئی سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد اب وہ کھلے دروازوں سے پرے، بہن کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"اے لڑکی، ذرا ادھر، آؤ۔ یہ پورے گھر میں پینٹ کے ساتھ کس چیز کی اسمیل پھیلی ہے ایسے جیسے کوئی سڑی ہوئی چیز ہو۔"

وہ ان کا بیگ رکھ کر کچن کی طرف جا رہی تھی، جب انہوں نے ایک بار پھر اسے پاس بلا کر پوچھا وہ ہاتھ باندھے قریب چلی آئی۔

"جی۔۔۔وہ۔۔۔۔"

گھر میں تو اس وقت کئی قسم کی خوشبوئیں پھیلی تھیں، ڈائننگ ٹیبل سے لے کر پچھلے صحن تک کئی جگہوں پر چادریں بچھا کر انجیر اور کیریاں سوکھنے کے لیے ڈالی گئی تھیں۔ وہ ابھی کل ہی راشدہ آنٹی سے کہہ رہی تھی۔ "امی، یہ انجیریں خراب ہو چکی ہیں دیکھیں تو سہی ان پر پھپھوندی آ گئی ہے۔"

"اے کہاں ہے پھپھوندی۔۔؟"

بدبو چھوڑتی انجیروں پر آئی سفید پھپھوندی کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے وہ صاف مکر گئی تھیں۔

"بھئی تم لوگ تو بہت امیر ہو اب اتنی محنت سے لائی گئی انجیروں کو اٹھا کر کیا باہر پھینک دوں کوئی خراب ور اب نہیں ہوئیں، چلو ہٹو جا کر اپنا کام کرو۔"

سسر کی محنت کا اندازہ تو اسے بھی تھا، کیسے منہ اٹھا کر کہتی کہ ابھی ابھی آئی بنا سنی کی۔

"اے لڑکی۔۔۔۔منہ سنبھال کر بات کرو اور یہ آنٹی کسے کہا تم نے۔۔میں تمہیں آنٹی دکھائی دیتی ہوں۔"

ثمینہ اس کی جرأت پر بھڑک اٹھی تھیں، وہ اظہر سبحانی کی اکلوتی سالی تھیں ایک ماسی کیسے انہیں آنٹی کہہ سکتی تھی۔

"آئی بڑی آنٹی کہنے والی۔۔۔ہٹو راستے سے اور میرا سامان اٹھا کر اندر لاؤ۔"

وہ غصے سے اسے پرے دھکیلتی اپنا سامان اٹھا کر لانے کا کہتی اندر کو بڑھ گئیں۔

اس پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ آج اسے شدت سے اس بات کا احساس ہوا تھا ایک صرف ثمینہ آنٹی ہی نہیں اسے تو اردگرد کے سب ہی لوگ ماسی سمجھتے ہوں گے۔ اس کا حلیہ کہیں سے بھی گھر کی مالکن جیسا نہ تھا۔ عام سے کپڑے، عام سا حلیہ دیکھنے والے تو ظاہری حالت دیکھ کر ہی اندر کی پروڈکٹ کا اندازہ لگاتے ہیں، جیسی وہ دکھتی تھی ویسا ہی اسے خطاب بھی ملتا تھا پھر ثمینہ آنٹی یا کسی اور کا کیا قصور تھا۔ وہ اپنے حلیے پر افسوس کرتی ان کا بیگ اٹھا کر اندر چلی آئی۔ جہاں وہ اب اس کے سسر (اظہر سبحانی) کے ساتھ دو دو ہاتھ کر رہی تھیں۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی دولہا بھائی، ابھی تک اس عمر میں بھی نوجوانوں کے شوق پال رکھے ہیں۔"

بہنوئی کو سیڑھی پر چڑھا دیکھ کر تو ان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"سیڑھی سے گر ور گئے تو اگلے پیچھے سارے کس بل نکل جائیں گے۔ سنا ہے اس عمر کی تو ٹوٹی ہڈیاں بھی آسانی سے نہیں جڑتیں"

ٹی وی لاؤنج میں، اظہر بھائی سیڑھی پر چڑھے دیواروں پر پینٹ کر رہے تھے ثمینہ تو دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔

"بندہ اس کام کے لیے تو کسی کو بلاتا ہے۔ پر

اندھیرے جا کر درختوں پر چڑھ کر انہوں نے ایک ایک کر کے یہ ڈھیر ساری انجیریں اکٹھی کی تھیں ان کی محنت کا صلہ تو اب یہی بنتا تھا، ان کی سڑی انجیروں کو بھی پوری محبت سے سکھا کر گلے کا ہار بنایا جاتا جو ہر سال راشدہ بیگم کرتی تھیں۔

انعم (بہو) کی زبان تو انہوں نے چپ کرا دی تھی، یہ پتا نہیں تھا کہ ثمینہ آن ٹپکیں گی انہیں خاموش کرنا پھر ان کے بس میں نہ ہوگا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی معقول جواب دینے کے لیے سسر کی طرف دیکھتی اس نے دیکھا وہ سیڑھی سے اتر کر اپنا پینٹ والا ڈریس (نیکر اور شرٹ) چینج کرنے کمرے میں دوڑ لگا چکے تھے۔

"یہ جی.....جی کیا لگا رکھا ہے اور چلو ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو۔ کیا تہاتی نہیں ہو؟ کتنی بدبو آ رہی ہے تم سے۔"

وہ تو پہلے ہی اپنے حلیے پر پشیمان تھی کام کرتے کرتے پسینے میں نہا گئی تھی، اسی لیے تو ان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہو کر جواب دے رہی تھی۔

ثمینہ آنٹی نے اپنے دوپٹے کا پلو ناک پر رکھ کر ناگواری سے کہا۔

"اور سنو میرے لیے پانی لانے سے پہلے جاؤ نہا کر آؤ میں تو اپنے گھر میں آنے والی ماسی کو سب سے پہلے نہلوا کر کپڑے تبدیل کرواتی ہوں پھر اسے کچن کا رخ کرنے دیتی ہوں۔"

آنٹی کی یہ فرمائش ایسی تھی جس پر وہ فوراً عمل کرنے کو تیار کھڑی تھی۔ اس کا اپنا دل بھی یہی چاہ رہا تھا نہا دھو کر فریش ہو پھر اگلے کام کو ہاتھ لگائے۔ ان کی بات سنتے اس نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ثمینہ تم۔۔۔کب آئیں؟" انجیروں سے بھری ٹرے اٹھائے ڈرائنگ روم سے برآمد ہوئیں تو سامنے صوفے پر چھوٹی بہن کو بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"میں تو کب کی آئی بیٹھی ہوں، تمہیں ہی اپنے باغ سے فرصت نہیں مل رہی۔۔۔۔ہاں تو وہ تو کچھ نظر آئے گا۔"

بہن کے قریب آتے ہی سڑی ہوئی انجیروں کی باس ناک کو چڑھی تو وہ پکار اٹھیں۔

"خدا کے واسطے راشدہ، پہلے اس سوغات کو پیچھے رکھو پھر میری طرف بڑھنا۔" راشدہ کے ہاتھوں میں پکڑی ٹرے پر نظر پڑتے وہ بھی سمجھ گئی تھیں کہ ہو نہ ہو ان ہی کی بدبو نے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"اچھا بھئی لو رکھ دیا۔ اب خوش" ماں جائی بہن سے ملنے کے لیے اب یہ کوئی اتنی بڑی قربانی بھی نہ تھی۔ وہ انجیروں کی ٹرے واپس رکھ کر ان کی طرف بڑھیں۔

"اور سناؤ.....بچے ٹھیک ہیں؟، اکیلی ہی آئی ہو؟ کچھ دن رہو گی کیا؟۔"

وہ اپنی بہن کے ہر انداز کو پہچانتی تھیں اس اکیلی کو دیکھ کر ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا ساتھ میں بچوں کو لے آتیں تو بے ہوش ہی نہ ہو جاتیں کہ اتنے لوگوں کو کھانا کھلانا پڑ جاتا۔

"کبیر کی نوکری کا سنا ٹھیک جا رہی ہے؟"

راشدہ انہیں کچھ کھانے پینے کا پوچھنے کے بجائے اور سوالوں میں الجھ گئی تھیں۔ اس نے دیکھا کام والی لڑکی بھی نہانے گئی ابھی تک نہ لوٹی تھی پیاس سے ان کا حلق سوکھا جا رہا تھا آخر وہ بول ہی پڑیں۔

"سب کی خیر خیریت کا پتا کر لیا اب کوئی پانی وانی کا بھی پوچھ لو گرمی سے حلق سوکھا جا رہا ہے اور وہ تمہاری ماسی بھی ایسی غائب ہوئی، دوبارہ نظر نہیں آ رہی کیا ابھی تک مہمانوں کو اسی طرح باتوں سے ٹرخاتے ہو تم دونوں میاں بیوی۔"

وہ بھی ثمینہ کہیں جانتی تھیں جب سے وہ اظہر سبحانی کی گھر والی بنی تھیں تب سے مہمان نام کی چیز سے پرہیز ہی چل رہا تھا۔

ان کی باتوں کا وہ برا نہیں مانتی تھیں جانتی تھیں، شروع سے ہی وہ تھوڑی بدلحاظ تھیں جو منہ میں آتا تھا

www.urdufanadab.com

بلا۔ جلک لہہ دیتی ہیں، بلکہ اظہر بھی ان کی باتوں کو ہنس کر ٹال دیتے تھے۔

اظہر میاں کپڑے بدل کر پاس آن بیٹھے تو ماسی والی بات پر چونک گئے۔

"کس ماسی کی بات کر رہی ہو ثمینہ۔۔۔ ہمارے گھر میں تو اس نام کا کوئی بندہ ہے ہی نہیں۔"

"ارے وہی ماسی جو تھوڑی دیر پہلے باہر گیراج دھو رہی تھی۔ لو آ گئی وہ۔"

وہ نہا کر کپڑے بدل کر کمرے سے باہر نکلی تو ثمینہ نے ہاتھ کے اشارے سے بہن بہنوئی کو بتایا۔ انعم (بہو) کو کچن میں جاتا دیکھ کر ایک ساتھ دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم بھی ناں ثمینہ۔۔۔ کمال کرتی ہو بھئی یہ تو انعم ہے صہیب کی بیوی۔۔۔ تم اسے ۔۔۔ کام والی ماسی سمجھ بیٹھیں ۔۔۔ حد ہوتی ہے۔"

ثمینہ آنٹی کو اپنی نظر پر حیرت سے زیادہ بہن بہنوئی پر ہنسی آئی۔ وہ جس حلیے میں کام کر رہی تھی اسے تو کوئی اندھا بھی دیکھ لیتا تو ماسی ہی سمجھتا۔

"مجھے تو حیرت ہوتی ہے تم دونوں میاں بیوی پر، بنگلہ میں شفٹ ہو گئے، لیکن سوچ ابھی تک وہیں کی وہیں ہے۔"

☆☆☆

دوپہر کا کھانا کھا کر وہ راشدہ کے ساتھ کمرے میں آرام کرنے آ گئی تھیں اب تنہائی میں وہ بہن کو باتیں سنا رہی تھیں۔

"اتنے بڑے گھر کی ذمہ داری تم نے اس اکیلی بچی پر ڈال رکھی ہے اسے تو صفائی کرتے کرتے صبح سے شام ہو جاتی ہو گی۔۔۔ کم از کم صفائی کے لیے ہی اسے کوئی ماسی لگا دینی تھی"

انہیں رہ رہ کر انعم پر ترس آ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھیں کیسے وہ بچی پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی۔ راشدہ تو ایک پاؤ گوشت کی چھوٹی سی پوٹلی فریزر سے نکال کر اسے دوپہر کے کھانے کا آرڈر دے کر ان کے پاس آن بیٹھی، وہ بیچاری ایسی تھکن میں چور تھی کہ آگے کھڑی ایک بار پھر سے پسینے میں نہا چکی تھی۔ دو گھنٹے کے بعد وہ ڈونگے میں لمبا شوربا بھر کر روٹیوں کا ہاٹ پاٹ اٹھائے باہر نکلی تھی۔ راشدہ نے ان کے پاس بیٹھے کیری کی چٹنی بنا دی تھی۔ شوربے سے تیراکی کر کے بوٹی ڈھونڈنا اب یہ سامنے والے کی مہارت پر منحصر تھا۔ وہ جتنا اچھا تیراک ہو گا اتنا ہی جلدی انعام پا سکتا تھا۔

ثمینہ کی بات سن کر راشدہ برا سا منہ بنا کر بولیں۔

"ماسی کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں ڈھیروں کام پڑے ہوں۔ ہمارے گھر میں تو کوئی کام ہی نہیں۔۔۔ یہ تو تم آئی ہو تو دوپہر میں کھانا بنایا ہے، ورنہ تو رات میں جو بچا کھچا سالن ہوتا ہے وہ ہم دوپہر میں کھا لیتے ہیں۔ اب اگر عورت کو سارے دن میں ایک وقت کا سالن بھی نہ بنانا ہو تو بتاؤ وہ کیا کرے۔"

دنیا کی ہر ساس کی طرح راشدہ کے پاس بھی ایک ہی جواب تھا" بھئی ہمارے گھر میں تو کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔" ان کی بات کسی اور کو تو ہضم ہو سکتی تھی ثمینہ کو نہیں وہ جھٹ سے بولیں۔

"چلو کھانے پینے کا کام نہیں ہو گا باقی کام تو ہیں ناں صفائی، برتن کپڑے دھونا، استری کرنا کتنے کام ہوتے ہیں تم کیسے کہہ رہی ہو تمہارے گھر میں کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ میں نہیں مانتی۔"

وہ ان کے سفید جھوٹ کو ماننے کو بالکل بھی تیار نہ تھیں۔" کوئی گھر ایسا بھی ہو سکتا ہے جس میں کوئی کام نہ ہو۔" بہن کو ٹلتا نہ دیکھ کر آخر راشدہ کو پینترا بدلنا پڑا۔

"چلو مان لیا ڈھیروں کام ہوتے ہیں لیکن ان ماسیوں کو گھروں میں گھسانا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے، گھر کا کوئی راز راز نہیں رہتا گھر والوں سے زیادہ انہیں پتا ہوتا ہے کہ ان کی چیزیں کہاں پڑی ہیں اور پیسوں کا الگ سے ضیاع۔"

اب آنٹی تھیں وہ اس بات پر [illegible] دونوں میاں بیوی کی یہی سوچ تھی۔

انہوں نے ساری زندگی اس فارمولے پر عمل کیا تھا۔ اب بہو کو بھی اسی کے مطابق لے کر چل رہے تھے۔ بہن کی بات سن کر ثمینہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تو مجھے یہ بتاؤ یہ گھر کے راز کیا چیز ہوتے ہیں؟" راز کی بات سن کر انہوں نے معصومیت سے پوچھا۔

"گھر تو گھر ہوتا ہے یہ کوئی ایٹمی پروگرام تو نہیں جو دشمن کے ہاتھ لگ گیا تو بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔"

بہن کی سوچ پر انہیں افسوس ہوا بھلا یہ کیا فارمولا تھا یہ تو صاف صاف بہو کو چکی میں پیسنے والی بات تھی۔

"کسی بھی کام کو اکیلے انجام دینا مشکل ہوتا ہے جتنے لوگ اس میں مدد کریں گے وہ کام اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے اور پھر اللہ نے بندوں پر جتنا اپنا فضل کر رکھا ہے اس کے رزق میں غریب غربا کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ آپ کے گھر میں کوئی بیوہ، یتیم، مسکین کام کرنے آتی ہے تو آپ اس کی مدد کر کے ایک طرح سے اللہ کی خوشنودی بھی پا رہے ہوتے ہیں اور پھر ساری کام والیاں ایک جیسی بھی نہیں ہوتیں۔"

ثمینہ آنٹی کا سبق لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ انعم کچن میں رات کا کھانا بناتے ہوئے دونوں بہنوں کی باتیں سن رہی تھی۔

وہ جانتی تھی ان لوگوں میں تیل نہیں دنیا کا کوئی انسان انہیں قائل نہیں کر سکتا تھا لیکن اسے ثمینہ آنٹی کی باتیں سن کر خوشی ہو رہی تھی، چلو کوئی تو تھا جو اس کی ساس کے منہ پر سچی بات کہہ رہا تھا بھلے وہ اس پر عمل درآمد کروانے کا اختیار نہیں رکھتی تھیں۔

"ہماری خالہ شریفاں تو ایسی بھروسے والی [illegible] کے لیے کہیں جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں، بات بندوں بندوں پر ختم ہوتی ہے راشدہ۔۔۔ بہو کو بھی انسان سمجھنا چاہیے بھیڑ بکری سمجھ کر سارا دن جانوروں کی طرح کام نہیں لینا چاہیے، ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو جانوروں پر بھی رحم فرماتے تھے، بہو تو پھر آپ کے گھر کا ایک فرد ہوتی ہے۔ آپ کی نسل کی امین پھر وہ تو آپ کے رحم کی سب سے زیادہ حق دار ہوتی ہے۔"

ثمینہ آنٹی نے اس کا دل جیت لیا تھا۔ اس کا دل کیا اندر جا کر ان کے ہاتھ چوم کر آئے۔

"کسی حق دار کا حق اپنی گردن پر نہیں رکھنا چاہیے، روز قیامت اس کا بھی حساب دینا پڑے گا۔ اپنے حقوق تو ہو سکتا ہے وہ معاف کر دے لیکن اپنے بندوں کے حقوق ہرگز معاف نہیں کرے گا۔"

اس نے اتنے سالوں میں اس گھر میں کسی بندے کو پہلی بار بہو کے حق میں بولتے سنا تھا۔

سخت گرمی میں چولھے کے آگے کام کرتے ہوئے ثمینہ آنٹی کی باتیں ساون کے دل فریب بادلوں کی طرح اس پر چھا گئی تھیں۔ وہ پوری ترنگ سے مسکرا اٹھی تھی۔

وہ اب جان پائی تھی ان کی باتیں بارش کے وہ پہلے قطرے تھے جن کے گرتے ہی زمین کی پیاس تو نہیں بجھ پاتی لیکن پیاسی مٹی کی برسوں سے سلگتی وہ آگ ضرور بجھا دیتے ہیں جس کے بعد باقی آنے والے قطروں کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

وہ جان گئی تھی ثمینہ آنٹی اگر چند دن اور یہاں ٹھہر گئیں تو یقیناً وہ اس مٹی کو سیراب کر کے ہی لوٹیں گی۔

☆☆

www.alfiradab.com

مکمل ناول

فرح بخاری

حرفِ جاں

"نام لکھ دوں اس کا؟" تارا نے اپنی تاروں سی چمکتی آنکھیں میچ کر شرارت سے پوچھا۔ انگلیوں میں دبی کون مہندی اس نے تھوڑی سی پیچھے کھینچ لی تھی۔ ڈیزائن بس پورا ہونے ہی والا تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے بے ساختہ ایک دبی دبی سی آہ بھری

"ہوں۔" تارا نے تاسف سے لب بھینچے۔

"سوری، مجھے یاد نہیں تھا کہ وہ۔"

"اچھا۔ جلدی سے پورا کرو۔ میری تو کمر اکڑ گئی بیٹھے بیٹھے۔" اس نے بات بھی پوری نہیں ہونے دی۔ سوچ کر ہی دل برا ہونے لگتا۔ تب ہی بات بدل دی۔ لیکن کمرے میں داخل ہوتی مریم نے سن بھی لیا اور نورینہ کا چہرا تو خیر دور سے گواہ تھا کہ اس کے اندر کیسی جنگ چھڑی ہے۔ تارا مہندی مکمل کر چکی تھی، وہ بکھرا ہوا سامان اٹھائے باہر نکل گئی اور مریم نے اس کے نزدیک جگہ بنائی۔

"کیا ہوا، اتنا کیوں منہ اترا ہوا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ نورینہ نے سر نفی میں ہلایا اور بلاوجہ دوسری جانب دیکھنے لگی آنکھیں تو بار بار بے وجہ ہی بھر آتی تھیں۔ مریم نے بھی اس کی بھیگی پلکیں دیکھ لی تھیں۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر مریم نے آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"یہ جو نصیب ہوتا ہے نا مینے۔"

"اس کی کوئی شرطیں نہیں ہوتیں۔ نہ کوئی اُصول، نہ بیت چکے تجربات۔ یہ اگر اچھا ہے تو کوئی بری سے بری سچویشن اس پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اور اگر برا ہے تو اچھے سے اچھا ماحول بھی اس کی راہ سازگار نہیں بنا سکتا۔"

"لیکن وہ ان پڑھ ہے، اور۔ میں۔۔ میں گاؤں جا رہی ہوں۔ شہر سے گاؤں۔" وہ کانپتے لہجے پہ قابو نہ پا سکی تو کھل کر رونے لگی۔

"اور اب ذرا اس کی جگہ جا کر سوچو۔" مریم نے کسی قدر غصے سے نورینہ کی طرف دیکھ کر جتایا تو اس کی بے ساختہ ایک آہ نکل گئی۔ پیلے دوپٹے سے پلکیں پونچھ کر وہ لاجواب سی بیٹھی تھی۔

"مانتی ہوں جو ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ پر یہ بھی تو نصیب کے کھیل ہیں۔"

"تو جب یہ حال ہے میرے نصیب کا، پھر آگے کے لیے کیوں پُر امید ہو۔" نورینہ کے ابرو تن گئے۔

"ایسے حالات میں جس شخص نے ہاتھ تھامنے کی ہمت کی، اس سے ناامیدی کی وجہ؟" مریم بھی بحث پہ اتر آئی۔

"شمیم خالہ کہہ رہی تھی ایسے جٹے ان پڑھ کو کون دیتا پڑھی لکھی لڑکی۔" اس نے وجہ بھی خوب جتا کر بیان کی۔

"ہاں اور وہاں وہ بھی کچھ ایسے طعنے سن رہا ہوگا۔" مریم نے جوش سے جواب دیتے خود کو آدھی بات میں ہی روک لیا۔ وہ نورینہ کا دل نہیں دکھانا چاہتی تھی۔

"تو پھر کیا ضرورت تھی میری شادی کرنے کی۔" وہ چڑ کر چلا ہی اُٹھی۔

"جب ساری عمر ماں کا طعنہ سننا ہے۔"

شادی ایک دن کرنی ہی ہے نورینہ۔ ماں کے کیے کی یہ سزا بھی تو ٹھیک نہیں کہ ہمیشہ کے لیے کنواری بیٹھ جاؤ۔ اپنی دادی کا سوچو۔"

"اور دادی نے میرا کیا سوچا۔" وہ طنزیہ مریم کو دیکھنے لگی "یہی کہ جس طرح اس کی ماں کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ یہ بھی کہیں بھاگ نہ جائے، تو چلو جو سامنے دکھائی دے شادی کر کے دفع کرو اس بلا کو۔"

"کیوں اتنا غلط سوچ رہی ہو۔ یار! سب کچھ اچھا بھی تو ہو سکتا ہے۔" مریم نے تسلی دینے کے انداز میں ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھا۔

"دیکھنا نورینہ، مزمل تمہاری ماں کا نام بھی نہیں لے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جس رات کو تم اتنا بھاری سمجھ رہی ہو، اس کی اگلی صبح بہت حسین بڑی خوش گوار ہوگی۔ مزمل نے اگر کشادہ دلی سے تمہیں قبول کیا ہے تو وہ اس موضوع کو چھیڑے گا بھی نہیں۔"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے؟" نورینہ کی آنکھوں میں تعجب تھا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔ وہ بھلا اپنی دلہن کا استقبال ایسی تلخی بھری باتوں سے کیوں کرے گا۔"

"میں تو جملے ترتیب دے دے کر تھک چکی کہ یہ پوچھا تو یوں کہنا ہے، اور وہ پوچھا تو یوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں اتنی گہرائی میں جانے کی۔ اور ویسے بھی جو تمہاری ماں نے کیا، اس کی طرف داری بنتی بھی نہیں ہے۔"

"طرف داری کی بات نہیں ہے۔"

"بس کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو اس نے کیا سب کے سامنے ہے۔ مزید کیا پوچھنا رہ گیا ہے۔ تم بس اپنے اچھے نصیب کی دعا مانگو اور بے کار کی سوچوں سے خود کو نکالو۔" مریم نے اس کا کندھا تھپک کر بات سمیٹ لی۔

☆☆☆

"ماشاءاللہ۔ بہت پیاری ہے ہماری دلہن۔"

وہ ایک قول کا [illegible] اٹھا کر ہنستے ہوئے تبصرہ کیا تھا۔

نورینہ نے پلکیں اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔ زیورات اور میک اپ سے شادی شدہ لگ رہی تھی، لیکن کافی کم عمر تھی۔ اور رشتے میں اس کی کون تھی۔ وہ بالکل نہیں جانتی تھی۔ جب اس نے اپنے ہونے والے شوہر کو نہیں دیکھا تھا، یہ سسرالی رشتے دار تو بالکل اجنبی تھے۔

"کچھ چاہیے بھابی۔ چائے، شربت۔۔۔ یا کچھ کھانا ہو تو۔"

"نہیں شکریہ۔" اس نے فوراً سر ناں میں ہلایا۔

"تم یہاں کھڑی ہو شرمین! چلو مہمانوں کے سونے وغیرہ کا بندوبست دیکھو۔ مزمل آرہا ہے۔" دیبا بھابی نے اندر جھانک کر اس لڑکی کو بلایا۔ اور نورینہ یہاں صرف ان ہی ایک خاتون سے واقف تھی۔ دادی کے ساتھ رشتے کی بات کرنے یہی دیبا ان کے ہاں آتی رہی تھی۔ سنا تھا اس کی جیٹھانی ہے۔ مزمل کے بڑے بھائی نصیر کی بیوی۔ سامنے کھڑی شرمین کو ساتھ لیے نورینہ کو ایک شرارتی مسکراہٹ سے نوازتی باہر نکل گئی۔ کمرا ان دونوں کے نکلنے پر خالی ہوا تو اس کا دل سرک کر جیسے نیچے جا پڑا۔ دیبا بھابی نے کہا تھا مزمل آرہا ہے۔ اس نے اپنا گھونگھٹ دوبارہ نیچے کیا جو کہ وہ شرمین اوپر اٹھا گئی تھی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی۔ ایک ہیولا سا اندر داخل ہوا۔ دل کی آواز بلند ہو چکی تھی۔ اس نے مزید نیچے دیکھنے کی کوشش کی اور تب ہی دروازہ بند کر کے کنڈی اندر سے بند کی گئی تو اس نے جھکا سر گھبرا کر گھونگھٹ کے اندر سے ہی اوپر اٹھا کر دیکھا۔ سرخ گھونگھٹ کے اندر سے جس آدمی کی پیٹھ دکھائی دی وہ کافی چوڑی تھی۔ اس نے گھبرا کر نظر جھکالی۔ کمرے میں کچھ دیر کے لیے سکوت سا در آیا تھا۔ مزمل کمرے میں موجود تھا لیکن بڑی خاموشی سے

یہاں وہاں جاتے نجانے کیا کر رہا تھا۔ ہی ھٹ پٹ کے بعد اب وہ بیڈ کے نزدیک آچکا تھا۔ کچھ دیر کھڑا سوچتا ہی رہا اور پھر سامنے بیٹھ گیا۔

"اسلام علیکم۔" نورینہ کے کانوں میں پہلی آواز سنائی دی۔ لہجہ بہت عام سا تھا۔ آواز بھی زیادہ بھاری مردانہ نہیں تھی۔ تاثر کچھ اچھا نہیں پڑ سکا۔ وہ سلام کا جواب بھی نہیں دے پائی۔ مزمل نے خاموشی کو جواب سمجھا۔ کچھ دیر چپ رہا اور پھر گلا کھنکارا۔

"کھانا وغیرہ پوچھا تھا کسی نے۔۔۔ تم۔ بھوکی تو نہیں؟ سفر بھی کافی لمبا ہے شہر سے یہاں تک۔" وہ پوچھتے پوچھتے اپنے آپ سے بات کرنے لگا۔ لیکن نورینہ چپ ہی بیٹھی رہی۔ مزمل نے اپنی کسی بات کا جواب نہ پاتے تھوڑی سوچ بچار کی۔

"وہ..... تمہاری ماں کے بارے میں جو کچھ سنا۔ اگر تم چاہو تو ہم کھل کر اس پہ بات کر سکتے ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے ایسی عورتوں۔" بات مزمل کے منہ میں ہی رہ گئی اور نورینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ مزمل نے چونک کر اوپر دیکھا وہ بھاگ کر دور رکھی کرسیوں کی طرف چلی گئی۔ اب وہ گہرے گہرے سانس لیتے اپنا وجود سنبھالنے میں لگی تھی۔ اسے عجیب سی گھٹن ہو رہی تھی۔ کتنی دیر سے خود کو سمجھانے میں لگی تھی کہ اسے اب اسی ماحول کو اپنانا ہے۔ اپنا ذہن یہاں رہنے کے لیے آپ تیار کرنا ہے۔ لیکن مزمل کی کمرے میں آمد کے بعد سے ہی حالت بڑی عجیب سی ہونے لگی تھی۔ ناگوار سوچوں کو شاید وہ پیچھے دھکیلنے میں کامیاب بھی ہو جاتی پر مزمل کے یہ چند جملے۔

مریم نے کہا تھا وہ اس سے اس کی ماں کے متعلق بات ہی نہیں کرے گا۔ اس بھاری رات کی صبح بہت حسین۔۔۔ اسے سوچ کر ہنسی آنے ہی لگی تھی کہ آنسوؤں کے گولے نے سارے بند توڑ دیے۔ اس کا وجود لرزنے لگا تھا۔ وہ ان بے اختیاری لمحوں میں سمجھنے کے قابل بھی نہ تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ بس وہ ہل ہل کر رو رہی تھی۔ اور پھر اس کی آواز اونچی ہوتی گئی۔ مزمل بھاگ کر نزدیک آیا تب تک وہ کرسی پہ بیٹھ کر اسی شدت سے رونے لگی تھی کہ مزمل کو مجبوراً اپنا بھاری ہاتھ اس کے منہ پہ رکھنا پڑ گیا۔

"کیا کر رہی ہو پاگل۔" وہ دھیمی آواز میں چلایا۔ "باہر سب عورتیں بیٹھی ہیں۔ آواز باہر جائے گی۔ چپ رہو۔" "بالکل چپ۔"

اس نے نورینہ کا منہ کچھ اور دبایا۔ جس سے اس کی سرخ لپ اسٹک دہانے کے آس پاس نہایت بھدے انداز میں پھیل گئی۔ مزمل نے چپ ہو جانے پر اپنا ہاتھ اس کے منہ سے ہٹایا اور تب ہی اپنی دلہن کا وہ پہلا روپ دیکھا۔ نورینہ کی آنکھوں کا کاجل، مسکارا اور لائنر بے تحاشا رونے کی وجہ سے نہایت بھونڈے انداز میں پھیل چکا تھا اوپر سے جو کروں کی طرح پھیلی ہوئی لپ اسٹک۔ وہ ڈر کر دور ہوا تو واپس پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔ درمیانی دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں آیا، سامنے لوہے کی نئی الماری رکھی تھی۔ اس نے کھول کر اپنے لیے ایک کپڑوں کا ایک جوڑا نکالا اور سخت برے موڈ کے ساتھ اسی کمرے میں موجود غسل خانے میں چلا گیا۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے واپس کمرے میں آیا۔ دوسرے کمرے میں جہیز کا کافی سارا سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ نئی لوہے کی چارپائی بھی رکھی تھی جو دیبا بھابی نے ہی شادی کے تحفے کے طور پر دی تھی۔ رنگین چارپائیوں کی جوڑی۔ جس میں سے ایک اس وقت باہر مہمانوں کے استعمال میں تھی، دوسری سامنے بچھی تھی۔ مزمل نے اس ایک کے میسر آنے پر شکر ادا کیا۔ روتی چلاتی بیوی کے پاس واپس جا کر تسلی دینے کا بالکل ارادہ نہیں ہوا۔ جس کے چہرے پہ چھپا تھا کہ اِس شادی سے وہ کتنی ناخوش ہے۔ ویسے بھی اب دوسرے کمرے میں خاموشی چھا چکی تھی۔ اس کی پڑھی لکھی، شہری۔ اور بھیانک دلہن (یہ نیا خطاب ابھی کچھ دیر پہلے کی ایجاد تھا) اب خاموش ہو چکی تھی۔ وہ بھی لائٹ بند کر کے چارپائی پہ لیٹ گیا۔

www.alfatab.com

☆☆☆

ساتھ والے کمرے کی لائٹ آف ہونے کے کافی دیر بعد تک بھی اس کمرے میں وہ واپس نہ آیا تو نورینہ نے اپنے بھاری زیورات سے نجات حاصل کر کے اندھیرے میں ہی دوسرے کمرے کی الماری سے اپنا ایک ڈریس اندازے سے نکالا۔ نیم تاریکی میں اسے مزمل ایک چارپائی پہ سویا نظر آیا تو مزید تسلی ہوگئی۔ واپس آ کر درمیانی دروازہ بند کیا۔ کپڑے تبدیل کر کے آرام سے سوگئی۔ صبح اس نے درمیانی دروازہ کھول کر جھانکا تو مزمل واش روم میں تھا۔ وہ اس سے پہلے ہی باہر نکل آئی۔

''بسم اللہ..... دلہن آئی ہے۔'' دیبا بھابی نے ہی صبح سویرے ہنس کر ویلکم کیا۔

''آجاؤ۔ آجاؤ۔''

وہ اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آگئیں۔ اس کے گھر والے کچھ دیر بعد ناشتہ لے آئے۔ کوئٹہ شہر سے پشین تک ایک گھنٹے کا سفر تھا۔ پتا نہیں وہ بے چارے کب نکلے تھے۔ ساتھ کامران بھائی بھی تھے۔ کامران بھائی اس کے خالہ زاد تھے، ثمینہ بھابی ان ہی کی بیوی تھیں۔ دادی نے زہرا کو ان کے ساتھ ناشتہ دے کر بھیجا تھا۔

''سب..... خیریت ہے نا؟'' ثمینہ بھابی نے چپکے سے جان لینا چاہا۔ نورینہ نے آنکھوں کا پانی بڑی مشکل سے پیا اور معمول سے ذرا زیادہ زور لگا کر مسکرائی۔ اب جو ہونا تھا اس کے ساتھ وہ تو ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے آگے دادی کی مجبوریاں گھوم گئیں۔ رشتہ آنے پر وہ کتنا خوش ہوئی تھیں۔ پھر شادی کی تیاریاں اور آخری دن جب تک کہ وہ رخصت نہیں ہوگئی ان کے چہرے پہ چھپی پریشانی۔

ایک ''شادی'' پورا ایک پراجیکٹ ہوتا ہے کہ جس کا تکمیل پا جانا کئی ایک کے لیے سکھ کا سانس ثابت ہوتا ہے۔ وہ بھلا اپنی چھوٹی بہن اور بوڑھی دادی کو کیسے کسی نئی پریشانی میں ڈال سکتی تھی۔ اب ہر شادی پروین سلطانہ جیسی تو نہیں ہوتی کہ جو دنیا کو دکھائی تو نہ دے پر اس کے چرچے مدتوں زبان پہ تروتازہ رہیں۔ وہ بھی اب بات بے بات مسکرا رہی تھی۔ رات والی لڑکی جسے دیبا بھابی نے شرمین کہہ کر بلایا تھا وہ بھی ان ہی باتوں کے دوران آ پہنچی اور نورینہ کو تب ہی پتا چلا کہ وہ بھی اس کی جیٹھانی تھی۔ اسے اب تک کے وقت میں واقعی اپنے سسرالی افراد خانہ کے متعلق کچھ خبر نہ تھی۔ اب معلوم تھا کہ مزمل تین بھائی تھے۔ سب سے بڑے نصیر بھائی، جن کی بیوی دیبا تھی۔ دوسرے متین بھائی جن کی بیوی شرمین تھی۔ اور مزمل سب سے چھوٹا تھا۔ ان سب کے علاوہ بابا جان تھے یعنی ان تین بھائیوں کے والد۔ گھر پر بھی نورینہ نے اب دھیان دیا۔ بڑے سے کچے پتھریلے صحن کے ایک کونے میں دیبا بھابی کے دو کمرے تھے۔ اور دوسرے کونے میں ابھی نئے بنے مزمل کے دو کمرے۔ بابا جان کا اپنا پورا گھر تھا جس میں بابا جان رہتے ہیں۔

یہ پچھلی ڈیڑھ کنال کی جگہ تو بعد میں خرید کر بیٹوں میں بانٹی گئی۔ بابا جان اپنے پرانی طرز کے گھر کی توڑ پھوڑ کے ہرگز حامی نہ تھے۔ یہاں ایک بڑا کمرا ایک بڑا ہال نما برآمدہ اور باغ جیسا صحن آج بھی اپنی پرانی شکل میں موجود بہت خوب صورت تھے۔ دائیں ہاتھ سفید چونے کی دور تک جاتی پکی دیوار تھی جس میں ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ اس کے پار دوسرے بھائی متین کا گھر تھا۔ یعنی نصیر اور مزمل تو ایک ساتھ رہتے تھے پر متین کا گھر الگ تھا۔ اور اب ایسا کیوں تھا، یہ بات اسے اس وقت سمجھ میں نہیں آئی۔ دیبا بھابی نے اس کے گھر والوں کو دوپہر کے کھانے تک روک لیا۔ گھر میں کچھ اور خواتین مہمان اور بچے بھی موجود تھے۔ شام ہوتے گھر میں صرف اس کی جیٹھانیاں رہ گئیں۔ دیبا بھابی کی دو بچیاں تھیں۔ اور شرمین کا دو سال کا بیٹا تھا۔

مزمل نے دن بھر کے دوران تین مرتبہ گھر کا چکر لگایا، دیبا نے تو خیر اس کے پہلے چکر میں ہی جانچ لیا تھا کہ دولہا دلہن کے مابین کیا چل رہا ہے۔ وہ

مسکراہٹ دباتے کچن میں چائے بنانے چلی گئی تھیں۔ ان کی اماں کہہ رہی تھیں چارپائیاں بھی کوئی دینے کی چیز ہے۔ تحفہ ایسا دو جس کا کوئی رعب تو ہو۔ لیکن دیبا اپنی ماں کو سمجھانے کے موڈ میں نہ تھیں۔ انہیں رعب نہیں۔۔۔ فاصلہ ڈالنا تھا، ان دونوں کے درمیان، انتقام کا نشانہ اگرچہ بابا جان تھے، وہ بابا جان جو بنا کسی سے مشورہ کیے مزمل کا شہر جا کر رشتہ طے کر آئے تھے۔ سب نے اعتراض کیا کہ لڑکی بھی کیسی اٹھا لائے، شہر بھر میں جس کی ماں کے کارناموں کی دھوم ہے، پر دیبا اس کی وجہ خوب جانتی تھیں، بابا جان کی نفرت کا اگر یہ عالم تھا کہ مزمل کے لیے وہ اس کے گھر کی لڑکی لانے پر ایک گھر سے بھاگی ہوئی عورت کی بیٹی کو ترجیح دے رہے تھے تو دیبا بھی بدلے کی اس آگ کو ہوا دینے میں خوب ماہر تھیں۔

مزمل نے جب اپنی شادی کے لیے دو کمرے بنوانے کا ارادہ کیا تب اس کا کہیں رشتہ طے نہیں ہوا تھا۔ دیبا نے بڑھ چڑھ کر گائیں بچیں اور رقم مزمل کے حوالے کی تو بابا جان تب ہی سمجھ گئے کہ دیبا اپنی چھوٹی بہن بشریٰ کو بیاہ کر لانے کا پلان بنا رہی ہوگی۔ اور ان کے خاندان سے تو سسر صاحب کو اللہ واسطے کا بیر تھا۔ تب ہی شہر جا کر بی بی صفورہ کی پوتی سے رشتہ جوڑ آئے۔ صفورہ بی بی کے شوہر یعنی نورینہ کے دادا سے حاجی احمد علی کا استاد شاگرد کا بڑا احترام کا رشتہ تھا۔

نورینہ کے دادا کا تعلق اسی گاؤں سے تھا۔ اور انہوں نے احمد علی کو قرآن پاک پڑھایا تھا۔ وہ استاد صاحب کے مرنے کے بعد بھی اماں جی سے دعا لینے کبھی کبھار چلے جایا کرتے تھے۔ بی بی جی اسے اندر بلا لیا کرتیں۔ دیر تک گاؤں کی خبریں پوچھتیں، سب کا حال احوال لیتیں۔ بوڑھے بزرگوں سے بات کرنے کے لیے بھلا کس کے پاس وقت ہوتا ہے۔ انہیں کوئی بھولا بھٹکا میسر آ جائے تو پرانے وقتوں کو یاد کر کے دل بہلا لیا کرتے ہیں۔ احمد علی کوئٹہ آخری مرتبہ ان کے بیٹے کی تعزیت کرنے آئے تھے۔ ڈیڑھ برس پہلے نورینہ کے والد حاجی صدیق خان کا ہارٹ اٹیک سے انتقال ہوا تھا۔ بی بی جی تب بھی بڑی دکھی تھیں۔ پر ڈیڑھ برس بعد دوبارہ جانا ہوا تو بیٹے کے ساتھ ساتھ بہو کے دیئے چرکے بھی شامل ہو چکے تھے۔ حاجی صدیق خان کی دو بچیاں تھیں۔ بڑی نورینہ اور چھوٹی زہرا۔ پینتالیس برس کے حاجی صاحب جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی بیوہ پروین سلطانہ کی عمر سینتیس سال کی تھی۔ اور اللہ جانے کہاں کی تربیت یافتہ تھی اور کیسے حالات و مسائل کا وہ شکار رہی تھی کہ عدت پوری ہوتے ہی اسے اپنے دوسرے بیاہ کی آپ فکر لاحق ہوگئی تھی۔ سہیلیوں نے بعد میں جو بیانات دیئے ان کے مطابق وہ چالیس سے پہلے پہلے دوسرا گھر بسا لینا چاہتی تھی۔

رشتہ بھی خود تلاش کیا اور جب ساس نے جوان بیٹیوں کی شرم دلاتے دوسری شادی کی شدید مخالفت کی تو اس نے پہلے چوری چھپے نکاح کیا اور جب لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو شوہر کے ساتھ رخصت بھی ہوگئی۔ چار ماہ ہوگئے تھے ایسے حالات میں جنگ لڑتے، یہ وقت نورینہ اور زہرا کے لیے تو مشکل تھا ہی، پر صفورہ بی بی نے تو دل کو لگا لیا، صحت بری طرح خراب ہو چکی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے بس پوتیوں کی فکر تھی۔ مرنے سے پہلے وہ ان دونوں کو رخصت کرنا چاہتی تھی۔ احمد علی دعا لینے آئے تو اس بار گاؤں کی خبریں سننے کا انہیں ہوش ہی نہیں تھا۔ بیماریوں پہ بس ایک ہی دعا کی گردان تھی کہ اللہ ان کی پوتیوں کے نصیب اچھے کرے۔ احمد علی نے استاد جی کا قرض اتارنے کی یوں ٹھانی کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ہی بڑی لڑکی اپنے مزمل کے لیے مانگ لی۔ صفورہ بی بی کو اور کیا چاہیے تھا۔ اسی ایک نشست میں ہی نورینہ کا مزمل سے رشتہ طے پا گیا۔ نہ دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے کا موقع ملا نہ سوچنے سمجھنے کا وقت۔ وہ تو صفورہ بی بی کے ساتھ شادی کی تاریخ بھی طے کر آئے۔ گاؤں واپس آ کر بیٹوں کو آگاہ کیا اور یوں شادی تیار

www.aiteadab.com

ہوگئی۔

☆☆☆

متین بھائی کے گھر دولہا دلہن کی دعوت تھی۔ وہ نیلا سوٹ پہن کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تیاری کررہی تھی۔ شادی کو تیسرا دن تھا۔ اب تو دیبا نے اس سے دونوں کے تعلقات کی پوری تفصیل بھی اگلوالی تھی۔ وہ اب مزید سوچ سمجھ کر آگے بڑھ رہی تھیں۔

''پڑھی لکھی لڑکیوں سے بڑا چڑتا تھا مزمل۔'' وہ اس کے بالوں میں پھول لگاتے ہوئے نرمی سے بتانے لگیں۔

''کہتا تھا شہر والیوں سے اللہ بچائے۔ اوپر سے پروین کے حالات سن کر تو۔ خیر۔ میں نے تو سمجھایا تھا کہ دادی شریف ہیں، باپ کا پورا خاندان شریف ہے، ضروری تو نہیں کہ لڑکی ماں پر جائے۔ لیکن آدمیوں کا دماغ بھی کبھی عورت کے سمجھانے سے بدلا ہے، ویسے نورینہ! زیادتی تو تمہارے ساتھ بھی ہوئی نا۔۔ اتنی خوب صورت، پڑھی لکھی۔ بھلا یہاں دیہات میں سڑنے کے لیے بنی تھی کیا۔ دیہاتی مردوں سے ویسے بھی اللہ بچائے، زندگی عذاب ہوجاتی ہے۔ ہم تو چلوان پڑھ تھیں۔ یہیں۔ ہمارے لیے گزارا آسان رہا۔ پر تم۔ ہک ہا۔ پتا نہیں کیسے گزارا چلے گا۔ اور ہو بھی گیا میری بہن، تو گزارے والی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔۔ تمہاری دادی کو بھی بڑی جلدی پڑی تھی۔ تھوڑا انتظار کرلیتی تو کیا پتا کوئی اچھا، مخلص چاہنے والا آہی جاتا۔''

''آپ تو بہت مایوس ہیں۔'' نورینہ نے دیبا کو بغور سننے کے بعد صاف گوئی سے ان کو کہہ ہی دیا۔ اندر ہی اندر خیالات بھی کچھ واضح ہونے لگے۔

گزرے تین دنوں میں تو دل و دماغ پر بس ایک غبار سا چھایا تھا۔ بڑے بھاری بگولے تھے، جن کے پار دیکھنا مشکل تھا۔ لیکن بھلا ہو دیبا بھابی کی باتونی طبیعت کا۔ ساری صورت حال کھول کر رکھ دی۔ نورینہ کے لیے سمجھنا آسان ہونے لگا۔ اور اب اسے لگ رہا تھا کہ بلاوجہ کی خاموشی اسے کوئی فائدہ نہیں دینے والی۔ اسے بھی ذہن میں رینگتے سوالوں کے جواب جاننے چاہئیں۔''

''میری مایوسی کی تو خیر وقعت بھی کیا ہے۔'' دیبا نے آہ بھری۔

''میں تو جو سن رہی ہوں، دیکھ رہی ہوں اس کے مطابق اپنا اندازہ ظاہر کررہی ہوں۔''

''تو کیا کہتا ہے آپ کا اندازہ؟'' نورینہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

''مزمل کسی جلدی میں ہے۔'' دیبا نے لہجہ سرگوشیانہ کیا ''میرا مطلب ہے، جس طرح یہ فاصلہ بنا ہوا ہے۔ تم دونوں کا۔ وہ اسی میں ہی جلد از جلد کسی منزل تک پہنچنا چاہتا ہے۔ کل ہی میں نے بیٹھک میں باپ بیٹے کی بحث سنی ہے۔'' دیبا نے آواز مزید نیچی کی۔

''اصل میں نورینہ! بات کوئی ان پڑھ ہونے کی تھوڑی ہے، یہ میرا دیور عقل کا بھی پورا سورا ہے۔ خود سوچو، کیا کمی ہے اب تم میں۔ نہ پیاری صورت دیکھی، نہ تعلیم، نہ یہ سوچا کہ میں کیا ایسی بیوی کے قابل بھی تھا۔ بس وہی ڈنگر دیہاتی سوچ کہ عورت مجھ پہ حاوی نہ ہوجائے۔''

''لیکن پھر شادی کیوں کی۔ تب ہی انکار کردیتے۔''

''بس، باپ کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن دیکھ لو۔ اب اکیلے کمرے میں غصہ نکال رہا ہے نا۔ مجبوری میں بندہ سر تو جھکا لیتا ہے۔ اپنا اندر تو نہیں بدل سکتا۔''

''ہمیں دیر تو نہیں ہورہی؟'' نورینہ کو خیال آیا کہ شرمین بھابی انتظار کررہی ہوگی۔

''ہاں، ظاہر تو ایسے کرے گی جیسے پلکیں بچھا کر بیٹھی تھی۔ منافق کہیں کی۔ پیٹھ پیچھے یہاں سب باتیں بناتے ہیں اور منہ پہ ہنس ہنس کر ملنا۔''

''یہ بھابی، الگ کیوں رہتی ہیں؟'' نورینہ نے چوڑیاں چڑھاتے سوال کیا۔

''لو، تمہیں یہ بھی نہیں پتا۔'' دیبا ناک پہ انگلی رکھ کہ ہنسی ''اس کی اور متین کی محبت کی شادی تھی نا۔ دیکھتی نہیں ہو اس چالاکو ماسی کے رنگ ڈھنگ۔ متین کو تو پھنسا لیا۔ پر بابا جان کو ایسی چلتر باز لڑکیاں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ پہلے دن سے ہی متین کو الگ کردیا۔ مزمل بھی چڑتا ہے۔''

''تب ہی سارا گھر آپ نے سنبھال رکھا ہے۔''

''ہاں تو اور۔ میرے بغیر کہاں نبھتی ہے کسی کی۔'' وہ فخریہ ہنسی۔

شرمین بھابی نے سب کو دعوت دی تھی۔ بابا جان، نصیر بھائی، دیبا اور بچیاں بھی مدعو تھیں۔ مزمل کھنچا کھنچا سا آتو بیٹھا لیکن ماتھا تو لڈن میاں جیسا ٹھنکا ہی ہوا تھا۔ نورینہ تو اسے اپنے سامنے برداشت ہی نہ ہوتی تھی۔ وہ بھی ایسے سڑیل کے سامنے بیٹھنا نہ چاہتی تھی۔ دیبا بھابی کی بیٹیوں منزہ اور مومنہ کے ساتھ بیٹھی تھی، شرمین بھابی کافی سگھڑ اور سلیقہ مند تھیں۔ ان کی دعوت میں بڑا شہری رکھ رکھاؤ تھا۔ نورینہ دل ہی دل بڑی متاثر ہوئی۔ متین بھائی اور شرمین کی انڈراسٹینڈنگ بھی تقریباً ہر بات سے خوب ظاہر ہورہی تھی۔

نورینہ نے پہلی بار غور کیا کہ متین بھائی بڑے اسمارٹ سے تھے۔ شرمین بھی لمبی پتلی سی تھیں۔ دونوں دیکھنے میں بھی ایک جیسے لگتے تھے، اسی طرح نصیر بھائی درمیانہ قد اور بھاری جسامت کے تھے اور دیبا بھابی بھی چھوٹے قد کی گول مٹول سی تھیں۔ وہ میاں بیوی بھی ایک جیسے لگتے تھے۔ مزمل البتہ اونچی قد و قامت کے ساتھ بھاری جسامت کا خوب چوڑا مرد تھا، جبکہ وہ ایک دم پتلی اسمارٹ سی، درمیانے قد کی مالک تھی۔ اس کا اور مزمل کا جسمانی لحاظ سے بالکل کوئی جوڑ نہ تھا۔

اور یہ شاید دیبا بھابی کی باتوں کا اثر تھا کہ پہلی مرتبہ نورینہ نے سوچا کہ ضرور یہ ساتھ نبھنے والا ہے۔ بھایا تھا اس نے دادی کو کہ وہ اور زہرا کہیں نہیں بھاگی جارہیں۔ انہیں آرام سکون سے آگے پڑھنے دیا جائے۔ لیکن انہیں پروین سلطانہ نے جو جھٹکا دیا تھا اس کے آگے کچھ دکھائی بجھائی نہ دے رہا تھا۔ اب اگر وہ طلاق لے کر جائے گی تو کم از کم دادی اسے مزید کہیں دھکا دینے کی اتنے جلد ہمت نہیں کریں گی۔ تب وہ خود بھی آگے پڑھے گی۔ زہرا کو بھی پڑھائے گی۔ اور ایک دن ٹیچنگ سے وابستہ ہوکر خود کمائے گی۔ مزے دار کھانے کے دوران، اپنے جلے سڑے ناگفتہ بہ حالات کو سدھارنے کا پلان بڑا ہی تشفی آمیز لگا۔ نورینہ اس شام پہلی مرتبہ کچھ ہلکا پھلکا محسوس کرتے بستر پر سوئی۔ کتنا کٹھن تھا ہر رات یہ سوچتے ہوئے سونے کی کوشش کرنا کہ اب زندگی بھر یہی کمرا، یہی گاؤں، یہی ناپسندیدہ سڑیل شوہر ہی اس کا کل مقدر ہے کہ جس سے بھاگ نکلنا ممکن نہیں۔ پر اب ایسا نہیں تھا۔ اللہ بھلا کرے دیبا بھابی کا جن کی بدولت مستقبل بڑی حد تک واضح تھا۔ وہ جانتی تھی اس کی واپسی کی خبر سن کر سب سے زیادہ خوشی زہرا کو ہوگی۔

دادی نے اعلان کیا تھا کہ ان دونوں کی شادیاں وہ چھ ماہ کے اندر کردیں گی۔ اور اب وہ دادی کو بھی جلد از جلد بتانا چاہتی تھی کہ دیکھ لیں اپنی جلد بازی کے نتائج۔ شادی جیسا زندگی کا اہم ترین فیصلہ کیا اس طرح نمٹانے کا ہوتا ہے، دروازہ کھولتے ہی سب سے پہلی نگاہ جس پر پڑے، دو بول پڑھا کر بٹی اسے تھما دو۔ وہ کھولتے خون کے ساتھ اندر ہی اندر دادی کے ساتھ تقریر جھاڑنا شروع کردیتی۔ اور وہ مریم بتول۔ اب وہ تو کوئی پرانی روح نہ تھی۔ نورینہ کی بچپن کی سہیلی، اس کی خیر خواہ۔ بڑی خوش گمانی تھی اس کو کہ مزمل بھائی اس کی ماں کے متعلق بات بھی نہیں کرے گا۔ واہ خوب۔ کتنا فرق ہوتا ہے حقیقت اور افسانے میں بھی۔ دیبا بھابی نے دیہاتی سوچ کی جیسی ترجمانی کی تھی، محترم اس پر پورے اترے تھے۔

www.attaqab.com

☆☆☆☆

پشین شہر کے مضافات میں واقع ان کے سرسبز وشاداب گاؤں میں اکتوبر بڑا ہی خوش گوار رہتا تھا۔ مزمل اور اس کے بھائیوں کے اپنے اپنے سیب ،انگور کے باغات تھے۔ سرما کی آمد آمد تھی، اور سال بھر پہلے وہ گھر میں صرف دو کمرے اور ایک غسل خانہ ہی بنوا پایا تھا۔ اب موسم سرما کے لحاظ سے مزید کام کرانا تھا۔ ایک ہفتے بعد تعمیر کا کام شروع ہونا تھا۔ مزمل نے اس دوران تعمیراتی سامان گھر میں ڈلوانا تھا۔ دن چڑھے سے لے کر سہ پہر تک چونکہ مستری مزدوروں نے یہاں کام کرنا تھا تو دیبا بھابی نے مشورہ دیا کہ نورینہ کو وہ اپنے میکے چھوڑ آئے۔ مزمل نے بھی جان چھوٹ جانے پر شکر ادا کیا۔ اسے بھی یہ چلتا پھرتا امتحان مزید برداشت نہیں تھا۔ پندرہ دنوں کی جان خلاصی غنیمت تھی۔ تو دیبا بھابی تو پہلے ہی بتا چکی تھیں کہ لڑکی یہاں کے ماحول میں گھل مل نہیں پائی اور مستقل واپسی کی سوچ میں ہے۔ وہ کچھ اس لیے بھی دور دور رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ ایسی شہری بلا کے لیے نہ اس کے دل میں کوئی جگہ تھی نہ گھر میں۔ اسے تو بس خود کو کسی نہ کسی طرح مصروف رکھنا تھا۔ بابا کی جلد بازی نے اس کی تو زندگی تباہ کر دی تھی۔

اچھا ہے اب ذرا وہ بھی دیکھیں، جوان جہان اولاد کی شادی کا اپنے آپ فیصلہ کر کے آجانا کتنا خسارے میں جا سکتا ہے۔ اب سال چھ مہینے کے اندر دوسری شادی کے لیے کوئی اپنی پسند کی لڑکی دیکھوں گا تو کچھ کہہ بھی نہیں پائیں گے۔ آنے والے چار پانچ دن تو گھر کا میٹریل آنا تھا تب تک وہ بالکل فارغ نہ تھا۔ البتہ سامان مکمل ہونے کے بعد وہ ایک دو دن فارغ تھا۔ تب اس نے بیگم صاحبہ کو اس کے میکے چھوڑ آنا تھا۔ اور کیا پتا کہ یہی پہلی مرتبہ ہی آخری بھی ثابت ہو، اب نہ تو خود اسے یہاں رہنے کی کوئی چاہ تھی اور نہ ہی مزمل اسے اپنے پاس روکنے کا کوئی جذبہ اپنے اندر موجود پاتا تھا۔ بلکہ ایک ارادہ تو یہ بھی تھا کہ بابا جان ہی اس کو کوئٹہ چھوڑ آئیں، اپنی طرف سے اتنا تردد بھی کیا کرنا۔

☆☆☆

ریت اور اینٹوں کا ڈھیر پچھلے دو دنوں کے دوران بائیں ہاتھ کی دیوار کے ساتھ لگ چکا تھا۔ صبح اسے دیبا بھابی نے بتایا کہ آج سیمنٹ کی بوریاں آئی ہیں لیکن انہیں صحن میں نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ بارش تو یہاں ہر دوسرے دن ہی برس جایا کرتی تھی۔ لہٰذا اس کے لیے دوسرے کمرے میں جگہ بنائی تھی۔ مزمل اپنی چارپائی تو صبح سویرے نکال لے گیا تھا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ اسی دیوار کے ساتھ سیمنٹ کے لیے جگہ بنائی ہے۔ جگہ کو مزید کھلا کرنے کے لیے اس نے واشنگ مشین، ڈرائیر، اور جوتوں کا ریک بھی اس سائیڈ سے ہٹا کر دوسری طرف رکھ دیے۔ اور اب جھاڑو لگا کر اس نے کمرے کے باہر پھینکی اور ہاتھ جھاڑتے یونہی اس کی نظر دور ڈیوڑھی کی جانب گئی، بابا جان کے گھر کو جاتے دروازے اور ڈیوڑھی کے قریب مزمل ایک برقع پوش خاتون کے ساتھ کھڑا کچھ بات کر رہا تھا۔ عورت نے چہرے سے نقاب الٹ رکھی تھی۔ کالے برقع کے حصار میں سفید چہرا ایک جوان عورت کا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے مزمل سے کچھ بات کر رہی تھی۔ اور وہ بھی اردگرد سے غافل بڑے دھیان سے اس عورت کی بات سن رہا تھا۔ ساتھ ساتھ بول بھی رہا تھا۔ نورینہ نے بس کچھ ہی دیر اس جانب دیکھا اور پھر لاپروائی سے اندر آ گئی۔

''ہوگی کوئی، ایسے کیا۔'' وہ کمرے میں آ کر یہاں وہاں نظر دوڑاتے قیمتی سامان دیکھنے لگی۔ اس نے الماری کا لاک لگا کر چھوٹا موٹا کچھ سامان سمیٹ کر پیٹی پہ رکھا اور اسے بڑی چادر سے ڈھک دیا۔ اب وہ مطمئن ہو کر دوسرے کمرے میں پردے میں بیٹھ سکتی تھی۔

''کام ہو گیا ہو تو اُدھر میری طرف آ جاؤ۔'' دیبا بھابی نے اندر جھانکا تو وہ چونک کر پلٹی۔

''ہوں۔ یہ بھی صحیح ہے۔'' اسے خیال آیا اس جانب بند ہو کر بیٹھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ وہ اپنا کمرا بند کر کے بھابی کے ساتھ ہی چل پڑی۔ مزمل اس عورت سے بات ختم کر کے خود بھی باہر نکل گیا۔

''دیکھ رہی ہو۔'' دیبا نے ابرو چڑھا کر اس جانب اشارہ کیا۔

''جی،'' میں سمجھی نہیں۔ وہ اب کہتی بھی کیا۔

''سادگی ہے تمہاری، اور کیا۔'' وہ ہنس پڑی۔ ''بھئی اتنی جوان حسین عورت دیکھ کر بھی تم چونکیں نہیں تو حیرت کی بات ہے۔ ہم تو خیر روز کے عادی ہیں۔ پر یہ بے شرم عورتیں سیکھنے والی نہیں۔ نہ ہی مزمل کو کچھ شرم لحاظ ہے۔ لیکن اس کی تو خیر عقل کی کمی کے مسئلے بھی ہیں جس کی وجہ سے اس کو بندہ رعایت دے لیتا ہے۔'' وہ اپنی عادت مطابق تیز تیز بولتی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔

نورینہ کو جتنا سمجھ آیا اس نے اسی کو کافی سمجھا، اپنی طرف سے کوئی سوال تجسس بن کر ابھرا ہی نہیں۔ اس کی بلا سے مزمل جو بھی کرتا پھرے۔ وہ تو یہاں مہمان ہی تھی۔ مزمل کے کرتوت وہ جانے یا اس کے گھر والے۔ وہ آ کر بھابی کے کمرے میں بیٹھ گئی۔ اس کا ذہن آج کل یہاں سے جانے کی تیاریوں میں لگا رہتا تھا۔ شادی کے بعد وہ بس ایک مرتبہ ہی گھر گئی تھی۔ اور زہرا بھی ایک مرتبہ تو اگلی صبح آئی تھی اور دوسری مرتبہ دادی کے ساتھ آئی تھی۔ شادی کو بائیس دن ہو چکے تھے۔ مزمل اور اس کے راستے اول روز سے مکمل جدا تھے۔ اس نے دوسرے کمرے کو اپنی جائے پناہ بنا لیا تھا اور نورینہ کے استعمال میں اپنا بیڈروم تھا، تب ہی نہ تو بولنے چالنے کی نوبت آتی تھی نہ ہی آمنا سامنا ہو پاتا تھا۔

☆☆☆

دیبا کی پھوپھی کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ صبح ہی صبح نصیر بھائی اور بچیوں کے ساتھ میکے روانہ ہو گئیں۔ وہ تورہ شاہ سے تھیں۔

مزمل نے صحن میں پردے کی آواز لگائی تو وہ جلدی سے کمرا چھوڑ آئی۔ دیبا بھابی کے کمرے اگرچہ کھلے ہوئے تھے لیکن ان سب کی عدم موجودگی میں اکیلے وہاں جا بیٹھنا اسے مناسب نہیں لگا تب ہی درمیانی دروازے سے ہوتے شرمین بھابی کے گھر آ گئی۔

''آؤ بھئی۔ ادھر کا چکر تو تمہارا بہت ہی کم لگتا ہے۔ ساری دوستی دیبا بھابی سے لگا رکھی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نورینہ کے لیے جگہ بنائی۔

''آپ بھی اُدھر کم ہی آتی ہیں۔'' اس نے بھی مسکرا کر شکوہ کیا۔

''مجھے تو متین ہی جانے نہیں دیتا۔ اب اس کی تو ماننی پڑے گی نا۔''

''وہ کیوں منع کرتے ہیں؟'' نورینہ حیران ہوئی۔

''بس یہی دیبا بھابی کی باتیں۔ وہ بہت چوتا ہے اِن کی عادتوں سے۔ میرے اور متین کے بیچ تو جب بھی جھگڑا ہوا ان ہی میڈم کی وجہ سے ہوا۔''

''وہ آپ کو پسند نہیں کرتیں؟'' نورینہ اطمینان سے ان کے پلنگ پر چڑھ بیٹھی تھی۔ مزدور تو نجانے کب تک یہاں رہنے والے تھے۔

''چھوٹا لفظ ہے۔'' شرمین کھل کر ہنس دی ''نفرت کرتی ہے میری بہن۔ نفرت۔''

''ہائے کیوں۔'' وہ سخت متعجب تھی، کیونکہ اسے تو کبھی ایسا نہیں لگا تھا۔ اُلٹا شرمین کے متعلق کچھ تحفظات ضرور تھے۔

''وجہ تو مڑے، مجھے بھی نہیں معلوم، بس کچھ لوگوں میں حسد اور جلن شاید کچھ فطری ہوتے ہیں۔ میری اور متین کی پسند کی شادی تھی، حالانکہ گھر والوں نے راضی خوشی مجھے وداع کیا تھا۔ ہماری شادی باقاعدہ بڑوں کی رضامندی اور شمولیت کے ساتھ ہوئی تھی، جیسی عام شادیاں ہوتی ہیں، لیکن بس وہی پسندیدگی کا معاملہ بھابی کو کچھ ایسا چبھا کہ انہوں نے مجھے گھر سے بھاگی ہوئی کا نام دے دیا۔ متین نے شادی کے شروع میں ہی گاؤں والوں سے ایسی باتیں سنیں تو سخت متنفر ہو گئے۔

نصیر بھائی اور متین کا سخت جھگڑا ہوا تھا۔ وہ بھی

www.alifadab.com

بیوی کی زبان بول رہے تھے اور متین سے یہ سب برداشت نہیں ہوا۔ ہمارے گھروں میں پہلے ہفتے ہی دیوار آ گئی۔ سب متین کے غصے کی وجہ سے ہوا۔ وہ بڑا غصیلا ہے۔ بھابی نے مجھے گھر سے بھاگی ہوئی کہا اور اس نے تب ہی فیصلہ کرلیا کہ اس عورت سے قریب رہنے میں نری تباہی ہے۔ لہٰذا لوگ چاہے جتنی بھی باتیں بنالیں کہ بیوی کے آتے ہی گھر الگ کرلیے وغیرہ پر ان سے دور ہی رہتا ہے۔"

"لیکن میرے ساتھ تو بھابی بہت اچھی ہیں۔" نورینہ ماننے کو تیار نہ ہوئی۔

"ہاں پر شوہر سے تو تم بھی جدا ہونا؟" شرمین کا لہجہ بھی کچھ طنزیہ سا تھا، نورینہ کو فوری طور پر بالکل چپ لگ گئی۔ ذہن میں سوال تو بیک وقت کئی اُٹھے لیکن پوچھا ایک بھی نہیں گیا۔

"مجھے کسی نے بتایا نہیں لیکن پتا تو اگلے روز ہی چل گیا تھا۔ نئے دولہا دلہن کے رنگ ڈھنگ ایسے بالکل نہیں ہوتے۔ ان کا ایک دوسرے کو دیکھنا ہی ان کے بیچ کی ساری کہانی بتا دیتا ہے۔ ہم شادی شدہ عورتوں کے لیے یہ سب جاننا مشکل نہیں ہوتا۔ پہلے دن تو میں نے بھی ویسے آپس کی جھک سمجھا، لیکن تیسرے دن میرے گھر کی دعوت میں بھی وہی حال تھا۔ اور آج تین ہفتے گزرنے پر بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو تم ہی کہو، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟" شرمین نے اس مرتبہ کھل کر استفسار کیا اور نورینہ جواباً پہلے تو چپ بیٹھی رہی، پھر کچھ دیر بعد اسے خیال آیا تو سر اٹھایا۔

"ہاں، پر اس میں بھابی کا تو کوئی قصور نہیں۔"

"اچھا، تو پھر کیا وجہ ہے اس دوری کی؟"

شرمین اب اسے سوالیہ نظروں سے بغور دیکھ رہی تھی اور نورینہ کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔ دل میں خیال آیا پتا نہیں شرمین بھابی سے زیادہ فری ہونا بھی چاہیے یا نہیں۔ حالانکہ دماغ اُن کی باتوں پہ یقین بھی کر رہا تھا کیونکہ دیبا بھابی نے اس سے بھی یہی کہا تھا کہ شرمین تو آوارہ اور بھاگی ہوئی لڑکی ہے۔

لیکن مزمل سے دوری۔۔۔ نہیں نہیں۔ یہاں اس کا دل نہیں مانا، پہلی رات کا وہ پہلا جملہ مزمل کے ذہن کی ترجمانی کر رہا تھا۔ پھر اس کی کم عقلی، نورینہ کو اس کا منہ دبانا یاد آیا، وہ تب بھی اس جنونی دیوانے سے بہت ڈر گئی تھی۔

"سلام بھابی۔" کمرے کے دروازے میں ایک ہیولا اُبھرا اور دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ ایک برقع پوش عورت تھی جو اندر تک آ گئی تھی۔

"ارے یاسمین ہو۔ آؤ آؤ۔" شرمین بھابی نے مصافحہ کرکے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عورت نے پہلے نقاب ہٹائی پھر برقع سر سے بھی اتار لیا۔ اور سامنے بیٹھ گئی۔ نورینہ کو پہچاننے میں تھوڑا سا ہی وقت لگا۔ یہ وہی عورت تھی جو اس روز مزمل کے ساتھ ڈیوڑھی میں بات کر رہی تھی۔ نورینہ کو اس کی دیدہ دلیری پہ حیرت تھی۔ ان کے مردوں سے تعلقات رکھ کر عورتوں سے ملنے بھی آ گئی تھی۔

"وہ باہر مزدور لگے ہیں، لالے نے کہا اِدھر چلی جاؤں۔" یاسمین نے وضاحت دیتے مسکرا کر شرمین سے کہا۔

"ہاں۔ اب اتنے سارے آدمیوں میں کیسے بات کرے۔ اس روز بھی تمہیں دیکھا تھا ڈیوڑھی میں، کوئی مسئلہ ہے؟" شرمین سوئی میں دھاگا ڈالتے بڑے عام انداز میں بات کر رہی تھی۔

"ہاں بھابی۔ تمہیں تو پتا ہے، اب بنا مسئلے کے کون آتا ہے لالے کے پاس۔"

"ہاں نا، وہ تو میں بھی سمجھ گئی تھی۔ بات کیا ہے؟"

"جلال خان سے بچھڑا خریدنا ہے۔ بات تو بہت پہلے ہو گئی تھی۔ یکمشت رقم کی بات ہوئی تھی، کیونکہ میری بھی اسی مہینے کمیٹی نکلنی تھی۔ اور کمیٹی تو ہاتھ آ گئی تھی لیکن میری نند کے شوہر کا چیک کا آپریشن ہونا تھا تو رقم مجھ سے اس نے مانگ لی۔ اب اس کی اپنی کمیٹی دو مہینے بعد ہے۔ جلال خان کو ساری بات بتائی لیکن وہ کہتا ہے اپنا بچھڑا ابھی ابھی لے جاؤ اور رقم

بھی پوری ابھی دو۔ لیکن میرے پاس آدھی رقم ہے۔ باقی آدھی دسمبر میں ہی دے سکتی ہوں۔ بڑی مشکل سے اسی پر راضی ہوا ہے کہ اگر گارنٹی مزمل خان دے۔"

"پھر ہوئی بات مزمل سے؟" شرمین نے دھاگا توڑا۔

"ہاں، اس روز آئی تو یہی سارا معاملہ بتایا۔ لالے نے کہا کہ کمیٹی والی عورت سے پرچہ بمع دستخط کے لکھوا لاؤں۔ یہ کاغذ دیا ہے اس نے۔ ہر مہینے کے ممبر کی کمیٹی درج ہے۔" اس نے ایک پیپر کھول کر سامنے دکھایا۔

"سمجھ بس کام ہو گیا تیرا۔" شرمین نے مسکرا کر تسلی دی اور تب ہی مزمل نے دروازہ بجا کر "باجی یاسمین" کی آواز لگائی۔

"آئی لالہ۔" اس نے فوراً برقع سر پہ جمایا اور باہر نکل گئی۔ نورینہ ہکا بکا شرمین کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر اتنی حیرت چھپی تھی کہ شرمین نے چونک کر ابرو اٹھایا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"یہ۔۔۔ اس کام سے آئی تھی۔۔۔ مطلب۔۔۔ اُس دن بھی؟"

"ہاں۔" شرمین اب اسے تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ سوال کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔۔۔

"اچھی عورت ہے؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"ہیں؟" شرمین کی گردن کو جھٹکا لگا "ہاں بھئی۔ بہت شریف، بال بچے دار۔"

"یہ۔ شادی شدہ ہے؟" نورینہ کے سوال میں واضح حیرت بھری چیخ شامل تھی۔

"کیا ہو گیا ہے نورینہ۔" شرمین نے ہاتھ اٹھا کر لہجہ دھیما رکھنے کو کہا۔ مزمل اور یاسمین دروازے کے باہر ہی بات کر رہے تھے۔

"بتاؤ مجھے، کیا بات ہے؟ کیوں اتنی حیران ہو۔" شرمین کا لہجہ اور چہرا اتنے سنجیدہ تھے کہ نورینہ سے چھپایا نہیں گیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ دیبا بھابی نے ایسا کہا۔" شرمین نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"یہ تو جھوٹ ہے، الزام ہے۔ اور مزمل کے لیے ایسی باتیں۔ کردار تو چھوڑو، دماغ کے بارے میں ایسا جھوٹ۔ ارے نورینہ۔ خدا کا واسطہ۔ اس عورت سے بچو۔ تمہارا شوہر الحمدللہ بالکل ٹھیک، تندرست، نارمل انسان ہے۔ اور یہ جو ابھی تم نے سنا، مزمل کی گارنٹی والی بات۔ اس کی حقیقت جانتی ہو؟"

"حقیقت۔۔۔؟ نہیں تو۔"

"تمہارے شوہر کو گاؤں والے کھیا کہتے ہیں۔ ویسے تو شرارت سے دیا ہے یہ نام۔ انڈیا میں سردار کو کھیا کہتے ہیں نا۔ ہمارے گاؤں میں مزمل کی بڑی عزت ہے، یہاں کے جرگوں میں، اجلاسوں۔ جھگڑوں کے فیصلوں میں جب تک مزمل شامل نہ ہو، فیصلے کو درست سمجھا ہی نہیں جاتا۔"

"اچھا۔ وہ کیوں۔" نورینہ حیران تھی کہ وہ تو گاؤں کے عام لوگ تھے۔ جبکہ یہ کام تو سرداروں یا جرگہ ممبران کے تھے۔

"اس کی دیانت داری کے بڑے چرچے ہیں یہاں۔ پچھلے دس سالوں میں وہ گاؤں کی بڑی معتبر شخصیت بنا۔ ابھی جو ہوا تمہارے سامنے ہے۔ جلال خان بنا مزمل کی گارنٹی کے بچھڑا دینے کو تیار نہ تھا۔ اب مزمل یقین دہانی کروائے گا کہ یاسمین دسمبر میں رقم لوٹا دے گی تو جلال خان کے لیے مزمل کا یہی کہنا ہی بہت ہو گیا۔ اب چاہے کچھ ہو جائے اسے معلوم ہے دسمبر میں یاسمین رقم دے نہ دے۔ مزمل ضرور اس کے ہاتھ پر دے جائے گا۔"

"یہ سب کیسے؟" وہ ازحد حیران تھی۔

"ہاں، یہ بھی بڑا دلچسپ قصہ ہے۔ میں تو خیر ابھی بیاہ کر نہیں آئی تھی۔ لیکن مجھے متین نے بتایا تھا۔ یہ کوئی دس سال پہلے کی بات ہے۔ مزمل اس وقت سولہ سترہ سال کا لڑکا تھا۔ علاقے میں الیکشن ہوئے، شام کو جب نتیجے آ رہے تھے تو خوشی میں ہوائی فائر

www.alifaatab.com

ہو رہے تھے۔ رسول احمد کو پسلی میں فائر لگا اور وہ موقع پر جاں بحق ہو گیا۔

خوشی کا ماحول ماتم اور فساد میں تبدیل ہو گیا۔ بندوقیں اور پستول تو وہاں بہت سوں نے اٹھا رکھے تھے۔ لیکن کوئی بھی ماننے کو تیار نہ تھا کہ فائر کس نے مارا۔ اب ماحول چونکہ الیکشن کا تھا تو دو سیاسی گروپ بن گئے۔ احمد رسول جس پارٹی کا حمایتی تھا اس پارٹی کے لوگ مخالف سیاسی گروپ پر الزام لگانے لگے۔ گاؤں کے سردار اور جرگے کے ممبران تک جمع ہو گئے۔ اور ان کے درمیان بھی گروپ بندی ہو گئی۔ ہاتھا پائی سے مزید جانیں جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ مزمل کا تعلق بھی احمد رسول کے گروپ سے تھا۔ اس نے قرآن پاک ہاتھ میں لیا اور اچانک ایک اونچی جگہ پہ چڑھ کر قرآن پہ ہاتھ رکھ کر گواہی دی کہ احمد رسول کو جو فائر لگا وہ اس کی اپنی حمایتی پارٹی کے خالد کا تھا۔ اس خبر سے سارا جھگڑا ہی پل میں سمٹ گیا۔

یہاں کلام پاک کا تقدس کوئی پامال نہیں کرتا۔ نہ ہی جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ پھر سال بھر بعد کی بات ہے۔ بچے پتنگ بازی کر رہے تھے۔ بلال بھائی کے بچے کی گردن ڈور لگنے سے زخمی ہو گئی۔ وہاں پھر تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ کچھ کے پاس تیز ڈور تھی کچھ کے پاس عام۔ لیکن تیز ڈور والے بچے مکر گئے کہ یہ ان کی ہے۔ تب ایک لڑکے نے بتایا کہ ابھی یہاں سے مزمل بھائی ان کو تیز ڈور سے منع کر کے گئے ہیں۔

مزمل کو بلایا گیا تو اس نے نام لے کر بتایا کہ کس کے پاس کیسی ڈور تھی۔ یوں قصوروار کو پکڑنا آسان ہو گیا۔ اسی طرح اتفاقاً ایک شادی میں بھی مزمل کی وجہ سے مسئلہ ہوا اور بس پھر مزمل کا نام اس کی دیانت داری کی وجہ سے گاؤں بھر میں مشہور ہو گیا۔۔ مزمل گاؤں کے بڑے جرگے کا اہم ممبر ہے۔ اور ہر مسئلے میں اس کی موجودگی بڑی قابل بھروسا ہوتی ہے۔"

"تو یہ کم عقلی والی بات؟"

"جھوٹ ہے پاگلے۔ پھر مہینہ ہونے کو آیا تم نے کب اسے کم عقل پایا۔ مجھے تو افسوس نہیں غصہ آ رہا ہے بھابی پر۔ ایسے ایسے سفید جھوٹ، خدا کی پناہ۔ اللہ کا ڈر خوف بھی ختم ہو چکا ہے اس عورت میں، مجھے متین نے بتایا تھا کہ وہ اپنی بہن بشریٰ کو لانا چاہتی تھی پر یہ دُھن اب تک سوار ہے، یہ تو سوچا بھی نہیں۔ نورینہ وہ کہیں ہر حال میں یہاں سے بھگانا چاہتی ہے۔ تب ہی مجھ سے بھی دور رکھتی تھی۔ اچھا اور یہ کیا، میں نے سنا ہے پرسوں تم کوئٹہ جا رہی ہو۔"

"جی۔ گھر میں کام چل رہا ہے، دن بھر مزدور ہوں گے، تو بھابی نے صلاح دی کہ پندرہ بیس دن کوئٹہ ہو آؤ۔"

"بالکل ہو بالکل۔" شرمین نے ماتھا پیٹا۔

"تمہیں بھگانے کی ترکیبیں ہیں سب۔ مزدور لگیں گے تو بھابی خود بھی تو یہیں ہوں گی۔ پردے کا اگر اتنا مسئلہ ہے تب تو انہیں بھی میکے چلے جانا چاہیے۔ پردے دار ایک تم ہی تو نہیں ہو۔"

"لیکن برآمدہ تو ادھر میرے پورشن میں بن رہا ہے نا۔ وہاں تو میں پھنس جاؤں گی۔ سارا دن اندر بیٹھی رہوں گی تو بڑی مشکل ہو گی۔" نورینہ تو خود میکے جانے کا پروگرام بنائے بیٹھی تھی۔ یہاں سے نکلنا تو خود اس کے لیے بھی بڑا سکون آور تھا۔ اب وہ شرمین کو کیسے بتاتی کہ وہ خود کیا کیا سوچے بیٹھی ہے۔

"نورینہ! تم پڑھی لکھی سمجھ دار ہو۔ میں تم سے صاف کہہ رہی ہوں اس دیبا بھابی کی کسی بات میں نہ آنا۔ خود دیکھ بھال کر ہر بات کو سمجھو۔ ان کی عقل پر چلیں تو نری تباہی کر بیٹھو گی۔"

شرمین کے تو رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

پر نورینہ نارمل تھی۔ اگرچہ بھابی سے بہت کچھ نیا اور دلچسپ سننے کو ملا تھا لیکن یہ ذہن بنانا کہ اسے اپنا گھر بچانا ہے کچھ ہضم نہیں ہوا۔ اس روز البتہ وہ دیبا بھابی کی سوچ پر افسوس کرتی رہی تھی۔ انہوں نے یاسمین جیسی شریف، خاتون خانہ کے کردار پر غلط الزام لگایا تھا یہ بات نورینہ کو دیر تک ڈسٹرب کرتی

رہی۔ کسی پر جھوٹا بہتان باندھنا معمولی بات نہیں ہوتی۔ اور انہوں نے بلاوجہ مزمل اور یاسمین پر رکیک الزام لگایا تھا۔ اور پھر مزمل پر کم عقلی کے الزام۔

وہ سہ پہر کو اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی چائے پی رہی تھی۔ مزمل دور ڈیوڑھی کے پاس بابا جان اور نصیر بھائی کے ساتھ کوئی بات کر رہا تھا۔ دونوں ہاتھ پشت پر باندھ رکھے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد ایک ہاتھ پیچھے ہی رکھے دوسرے سے ماتھے کے بال پیچھے لے جاتے وہ کسی بات پر ہلکا سا مسکرایا تو ایک دم بڑا ہی مچیور اور سیانا لگا۔ دیبا بھابی کی باتوں نے اس کے دیکھنے کا ڈھنگ ہی الگ کر دیا تھا۔ ان کے مطابق وہ اسے کم عقل سمجھ کر دیکھتی تھی تو اس کی حرکات بھی بے وقوفوں جیسی لگتیں۔ پہلے دن کا برا تاثر پڑا تو اسے مزمل کی صورت بھی بری لگنے لگی تھی۔ جبکہ وہ بھائیوں میں سب سے خوش شکل تھا۔

شرمین بھابی نے جب سے بتایا تھا کہ وہ گاؤں کی کتنی معتبر شخصیت ہے تب سے جب بھی اس کی مزمل پہ نظر گئی۔ لگا ہی نہیں پچھلے ایک مہینے کے دوران یہی شخص اس کا شوہر تھا۔ اچانک یوں لگا وہ تو کوئی اور تھا۔ اور نجانے کہاں چلا گیا۔ اور یہ سامنے دکھائی دیتا شخص تو بالکل ہی کوئی اور تھا۔ اس مزمل کی سنجیدہ صورت پر تو بڑی متانت تھی۔ اس کے تو مسکرانے میں بھی ایک رعب تھا۔ بات کرتے مزمل نے یونہی اس طرف دیکھا تو وہ جلدی سے اندر آ گئی۔ اسے تیاری مکمل کرنی تھی۔ کل صبح اسے بابا جان یا مزمل کے ساتھ کوئٹہ جانا تھا۔ اور ابھی تو اس نے زہرا کو بھی بتانا تھا۔

☆☆☆

"کیا کہہ رہی ہو۔ دالبندین۔ کب؟" وہ حیرت سے چلا اٹھی۔

"نکل چکے ہیں۔ تمہیں بہت کال ملائی، تم نے اٹھائی ہی نہیں۔"

"لیکن کیوں۔ وہاں کیوں جا رہے ہو۔" نورینہ کا دل ڈوب گیا۔

"دادی کے رشتہ داروں میں شادیاں ہیں۔ ان کا رشتے کا پوتا خود لینے آ گیا اس لیے جانا پڑا۔" زہرا اسے بتا رہی تھی اور نورینہ نے مایوسی سے لب بھینچ لیے۔ وہ تو اگلی صبح میکے جانے کے خیال سے خوش ہو رہی تھی۔ جبکہ وہ لوگ تو گھر بند کر کے دالبندین روانہ ہو گئے تھے۔ وہ باہر آئی۔ اسے اب بابا جان کو بتانا تھا۔ دیبا بھابی تو پھر صبح سویرے اپنی پھوپھی کی قل خوانی پر چلی گئی تھیں۔

"چلو شکر ہے۔" شرمین کے چہرے پر بڑی خوش گوار سی ہنسی آئی۔

"میں تو پہلے بھی اس حق میں نہیں تھی۔ صبح جب دیبا بھابی بڑے جوش سے لپٹ لپٹ کر تم سے مل رہی تھیں، مجھے بڑا تاؤ آ رہا تھا اُن پر، اور تم پر بھی۔ وہ تو چلو اس لیے خوش تھیں کہ جان چھوٹی اس پڑھی لکھی بلا سے۔۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کس حساب میں اتنی خوش تھیں۔"

"لیکن اب ہو گا کیا۔" نورینہ نے بات بدلی۔ "کل سے مزدور آ جائیں گے۔ میں اندر کیسے۔"

"ارے تو یہاں میری طرف آ جاؤ۔ ہمارا ایک کمرا خالی پڑا ہے۔"

"نہیں بھابی۔ آپ کا دوسرا کمرا تو اتنی اچھی طرح سیٹ ہے۔ صوفے نکال کر چارپائیاں لگانا تو بڑا ہی برا لگے گا۔"

"کیا برا لگے گا بچے۔۔ اور تیاری مکمل ہو گیا۔" بابا جان اسی وقت متین بھائی کے پورشن میں داخل ہوئے۔ نورینہ نے بابا جان کے ساتھ کوئٹہ جانا تھا۔ اسی لیے وہ شاید تیاری دیکھنے آئے تھے۔ نورینہ نے انہیں بتایا کہ کوئٹہ جانے کی اب ضرورت نہیں ہے۔

"اور یہ پریشان ہے کہ اب کہاں رہے گی سارا دن۔"

"پریشان ہونے کا کیا بات ہے۔ وہاں میرا کمرا خالی کر دیا ہے مزمل نے۔ اُدھر چلے جاؤ بچے۔"

"آپ کا کمرا کیوں خالی ہو گیا۔" شرمین نے

www.alifadato.com

تعجب سے دیکھا۔

"میں نے مزمل سے کہا تمہارے دونوں کمروں میں اتنا ڈھیر سارا قیمتی سامان رکھا ہے۔ بہو اگر میکے چلی گئی تو میرا بستر یہیں ڈال دینا۔ سارا دن مزدوروں پہ نظر رکھوں گا۔ مزمل تو کام کاج کے لیے یہاں وہاں نکلتا ہی رہے گا۔"

"ارے ہاں نورینہ! یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔ بابا جان تمہارے کمرے میں شفٹ ہوگئے ہیں تو تم اُدھر پرانے گھر چلی جاؤ۔ وہاں تو کمرے میں بند ہو کر بھی نہیں بیٹھنا پڑے گا۔ ان کا برآمدہ، صحن سب کا رخ دوسری طرف ہے، پردہ نہیں ہوگا۔"

"ہاں ہاں۔ آرام سے آجاؤ اِدھر۔ میں بھی تھوڑا سو لیتا ہوں۔ چلو ٹھیک ہوگیا۔ اسی میں کوئی بہتری ہوگا۔ اللہ کا شکر۔" وہ ہاتھ ہلا کر کہتے واپس پلٹ گئے۔

"سنو اب۔" شرمین نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ چونکی۔

"دیبا بھابی کے آنے سے پہلے شفٹ ہو جاؤ۔ ورنہ وہ جب نہ کہتی ہیں تو عمل بھی کروا کے دم لیتی ہے۔ تمہارے حالات بگاڑنے کا کوئی اور طریقہ سوچ لے گی۔ اب تم یہیں ہو تو ذرا آنکھیں، کان، دماغ سب کھلے رکھو اور خود سمجھو ہر بات کو۔" شرمین تو ایک دم مستعد نظر آرہی تھی، جبکہ نورینہ تو رکنے پر مجبور ہوئی تھی۔ اس کے انداز میں جوش مفقود تھا۔ اپنے کمرے میں آئی تو کچھ ہی دیر میں شرمین متین بھائی کو ساتھ لیے پیچھے پیچھے آگئی۔

"ابراہیم کو سلا آئی ہوں۔ چلو شاباش شام ہونے سے پہلے اپنا ضروری سامان اُدھر شفٹ کرو۔" وہ تو آستینیں چڑھا کر سرہانے کمبل بھی اٹھانے لگیں۔

"لیکن وہ تو گھر پہ نہیں ہیں۔ ان سے تو پوچھ۔" نورینہ کو مزمل کا خیال آیا جو کافی دیر سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اسے تو نورینہ کے پروگرام کینسل ہونے کا بھی پتا نہیں تھا۔

"اس سے کیا پوچھنا ہے۔ ویسے بھی وہ بڑے خان جی کے ڈیرے پر گیا ہے۔ کوئی معاملہ حل کرنا تھا۔ تم وقت ضائع نہ کرو۔ اُٹھو شاباش۔"

شرمین نے تالی بجاتے پھرتی کا اشارہ دیا۔ تو وہ بھی کام میں لگ گئی۔

متین بھائی کی مدد سے بابا جان کا پلنگ ان کے گھر سے اٹھا کر نورینہ کے بیڈروم میں لگا دیا۔ اور بابا جان کے کمرے کی صفائی کر کے اپنی دو رنگین چارپائیاں بابا جان کے کمرے میں ڈال دیں۔ بابا جان کا کمرا پتھروں اور لکڑی سے ایک دم پرانے اسٹائل میں بنایا گیا تھا۔ ایک کونے میں پرانا آتش دان تھا۔ نقش و نگار والی لکڑی کی بھاری دو کرسیاں میز اور ایک پوری دیوار لکڑی کے گہرے براؤن تختوں سے بنی ہوئی تھی اسی دیوار کے ساتھ لکڑی کی چوڑی اور لمبی بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ ساتھ کچھ رول کیے ہوئے بستر، جنہیں یقیناً سرما میں کھول کر جگہ کو گرم بنا لیا جاتا ہوگا۔ مجموعی طور پر وہ ایک بڑا ہی صورت، پہاڑ کے روایتی طرز کے کمروں جیسا تھا۔ کچھ نیم تاریک ٹھنڈک کا احساس دلاتا ہوا سا۔ بلوچی قالین کے ٹکڑے بھی کہیں کہیں دیواروں پر سجے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کمرے کے باہر خوب بڑا سارا نیچی چھت والا برآمدہ تھا۔ اور برآمدے سے نکلتے ہی پتھریلا راستہ اور دونوں جانب باغ۔

بھائی اور شرمین بھابی کی مدد سے اس نے جلد ہی سارا ضروری سامان یہاں شفٹ کر دیا۔ چائے اور کھانے پینے کے کچھ برتن بھی وہ اٹھا لائی۔ بڑے سے برآمدے کے ایک کونے میں پتھر کی چھوٹی دیوار والا اوپن کچن بھی تھا۔ کام کاج کر کے متین بھائی اور شرمین اپنے گھر چلے گئے اور وہ اپنے پورشن سے نہا کر کپڑے تبدیل کر کے یہاں واپس آگئی۔ پچھلے پہر پہلے تیز ہوا چلی اور پھر طوفانی بارش شروع ہوگئی۔ مزمل جس وقت گھر واپس آیا پورا بھیگ چکا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو بابا جان کو وہاں دیکھ کر حیران ہوگیا۔ انہوں نے ہی مزمل کو ساری تفصیل سے آگاہ

کیا۔ وہ خاموشی سے سن کر نہانے چلا گیا۔ کپڑے تبدیل کر کے واپس آیا تو بابا جان نے چائے کی خواہش ظاہر کی۔ ان کا کھانا پینا دیبا بھابی کے ساتھ تھا۔ اُس شام طوفان کی وجہ سے نصیر بھائی بھابی اور بچوں کو لینے بھی نہ جا سکے۔ اب انہوں نے اگلے روز ہی واپس آنا تھا۔

وہ بابا جان کے گھر میں داخل ہوا تو نورینہ برآمدے کے کچن میں نیچے چوکی پر بیٹھی چائے کو کیتلی سے ایلومینیم کی چینک میں انڈیل رہی تھی۔ شوخ جامنی رنگین پھندنوں اور شیشوں والے روایتی ڈریس میں۔ کچھ گیلی لمبی لٹیں چہرے پر گر آئی تھیں۔ جھکے چہرے کی وجہ سے اس کی لمبی ستواں ناک ایک دم نمایاں ہو رہی تھی گلابی ہونٹ اور جھکی آنکھوں کے غلافی پپوٹے اور گھنی پلکیں، وہ سر پہ کھڑا بغور دیکھے ہی گیا۔ پہلی رات کی بھیانک لڑکی بالکل بدلے روپ میں سامنے تھی۔ چائے انڈیل کر اس نے چینک سامنے فرش پہ رکھی اور سٹیل کی ٹرے سیدھی کر کے اس میں پیالیاں سیٹ کیں۔ مزمل کے وہاں آنے اور سامنے موجود ہونے کا اسے بھی علم تھا وہ اکڑوں بیٹھ کر ٹرے اور چینک اٹھانے لگا۔

"تمہاری چائے؟" اس نے خیال آنے پر ہاتھ وہیں روک کر نورینہ کو دیکھا اور اس نے بھی مخاطب کیے جانے پر بے ساختہ سر اٹھایا۔ اٹھائیس دنوں میں آج پہلی مرتبہ ان کی آنکھیں چار ہوئی تھیں۔ نورینہ نے سر اثبات میں ہلا کر دوبارہ سر جھکا لیا۔ مزمل نے ایک پیالی میں چینک سے چائے انڈیلی اور پھر باقی سامان لے کر وہاں سے چلا گیا۔ نورینہ وہیں چوکی پر بیٹھے گھونٹ گھونٹ گرم چائے پینے لگی۔

اٹھائیس دن وہاں رہتے وہ میاں بیوی ایک دوسرے کی آنکھوں میں بھی دیکھ نہ پائے تھے۔ اور یہاں بابا جان کے گھر میں پہلا سامنا دیکھنے اور بولنے سے شروع ہوا تھا۔ مزمل کی آنکھیں بھی کتنی اداس سی تھیں۔ جانے اسے کیا شکوے تھے۔ وہ چائے ختم کر کے باہر باغ میں نکل آئی۔ بابا جان کے باغ میں آلو بخارے، کیلے اور انگور لگے تھے۔ وہ انگور کی بیل کے پاس آکر اس کے چوڑے پتے کو ہاتھ میں لیے ابھی تک مزمل کو سوچ رہی تھی وہ مزمل کہ جس سے عنقریب اس نے طلاق اس بے چارے نے شادی کی تھی۔ سارے گاؤں کے سامنے، دھوم دھام سے۔۔ گھر سے بھاگی ہوئی عورت کی بیٹی کو وہ عزت بنا کر لایا تھا۔ اور آج وہ اپنے نامکمل گھر کو بھی پورا کر رہا تھا تو شاید اسی کی آسانی کی خاطر۔۔ اور وہ اس پہلی رات کے اس پہلے ادھورے جملے کی تاب نہ لاتے کتنی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کم عقل نہ تھا، وہ بدکردار بھی نہ تھا۔ وہ مزمل تو بس دیبا بھابی کا تخلیق کردہ ایک فرضی کردار تھا جو صرف نورینہ کے ذہن میں زندہ تھا۔

اور یہ مزمل۔ اندر کمرے میں آگئی۔ معلوم نہیں بابا جان کے گھر میں کیسی اپنائیت کی خوشبو تھی۔ کیسی مثبت لہریں تھیں جو اس کے رونگٹے کھڑے کر رہی تھی۔ آج سب کچھ تبدیل شدہ تھا۔ زیادہ اثر تو ظاہر ہے کہ شرمین بھابی کے انکشافات کا تھا۔ آج اسے کھانا بھی خود بنانا تھا۔ اس نے دیبا بھابی کے کچن میں آکر سبزی وغیرہ دیکھی۔ آلو ہی ملے۔ اس نے آلو انڈے بنانے کا ارادہ کرتے انڈے ابالنے کے لیے چڑھا دیے۔

اور دوسری دیگچی میں آلو کا سالن بنانے لگی۔ دیبا بھابی تندور میں نان لگاتی تھیں۔ آج تو پھر۔ اس نے کچھ سوچ کر آٹا بھی گوندھ لیا۔ دل میں پختہ ارادہ کیا کہ آگے پندرہ بیس دن وہ تینوں وقت کا اپنا اور بابا جان کا کھانا خود بنایا کرے گی۔

دیبا بھابی کھلا پلا کر اسے احسانوں تلے دبا رہی تھیں۔ اور پھر وہ جو بھی بولتیں وہ مانتی چلی جاتی۔ اسے اب اپنی زندگی دیبا بھابی کے احکامات کے بجائے خود کچھ فیصلے کرنے تھے۔ اس گھر کا، اس شادی کا سچ اپنی آنکھوں سے دیکھنا اپنے ذہن سے سوچنا تھا، کوئی بھی عجلت کا قدم اسے کسی دوسرے

www.alifaclub.com

کے کھودے ہوئے گڑھے میں باآسانی دھکیل سکتا تھا۔

☆☆☆

''امارا دلہن کے ہاتھ کا ذائقہ تو بالکل اپنا ساس دلا ہے۔ وہ بھی بالکل ایسا آلو انڈے بناتا تھی۔'' باباجان مزے لے کر کھانا کھا رہے تھے۔ شام کو کھانا تیار ہونے کے بعد وہ مزمل کے ساتھ اپنے گھر کے برآمدے میں آبیٹھے تھے۔ باغ سے پرے گھر کی دیوار کے بعد دور اونچا پہاڑ تھا۔ جس پر کسی کسی وقت بتیاں چمک رہی تھیں۔ پشین خوب صورت تھا۔ پر باجان کے گھر سے دکھائی دیتا شام کا یہ منظر حسین اپراسرار بھی تھا۔

''باباجان، آپ ناشتے میں کیا لیتے ہیں۔'' ان نے دھیمی آواز میں پوچھا'' صبح میں ناشتہ خود ناؤں گی۔''

''ام تو بچے، ملائی اور چائے کے ساتھ رات لا نان تل کر کھاتا ہے۔ پر آج نان نہیں ہے مڑا تو ایک روٹی بنا دینا۔''

''آپ۔'' اس نے پانی کا گلاس مزمل کی طرف بڑھایا تو اس نے دوسری مرتبہ نورینہ کو سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''یہی سالن تھوڑا سا بچا لو۔ چائے روٹی کے ساتھ۔'' اس نے بتاتے ہوئے لہجہ سنجیدہ رکھنے کی کوشش کی لیکن رکھ نہیں پایا۔ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر آ ہی گئی۔ نورینہ جلدی سے رخ پھیر گئی۔ اس کا بار بار دیکھنا بری طرح دل دھڑکا رہا تھا۔ یہ آنکھوں میں دیکھنے کی کشش بھی بڑی خطرناک ہوتی ہے، دل دماغ پابند ہو جاتے ہیں۔ باباجان ان کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ دونوں بھی اپنے کمرے میں آ گئے۔ بنا کچھ بولے ہی طے پا گیا تھا کہ اُن دونوں نے آج سے یہیں رہنا ہے۔ ایک ہی کمرے میں۔ شرمین تو خیر چارپائیاں بھی ساتھ جوڑ کر گئی تھی۔ نورینہ نے بعد میں تھوڑا فاصلہ کر دیا تھا۔ مزمل آ کر بستر پہ لیٹ گیا۔ اسے یہاں وہاں بے چین پھرتے دیکھا تو کروٹ بدل کر کپڑا آنکھوں پہ رکھ لیا۔ وہ لائٹ بجھا کر اپنے بستر پہ آ گئی۔

''گھر والوں نے کب آنا ہے؟'' اندھیرے میں مزمل کی آواز نے چونکا دیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی، کون گھر والے، دیبا بھابی یا۔۔

''تمہارے گھر والے شادی سے کب آئیں گے؟'' اس نے خاموشی دیکھ کر وضاحت کی۔ ''اگر تین چار دنوں میں واپسی ہے تو میں چھوڑ آؤں گا۔'' اس نے خود ہی اگلی بات بھی مکمل کر دی۔ اور نورینہ چپ کی چپ لیٹی رہی۔ مرد بھی کیا کم پیچیدہ ہوتے ہیں۔ ابھی تو وہ دیکھنے مسکرانے کے حملوں سے نبرد آزما تھی، اب یہ جملے، جب اس نے کہیں جانے کا کہا ہی نہیں تو سوتے سوتے یہ پتھر ضرور پھوڑتا تھا۔ نورینہ نے غصے سے کروٹ بدلی، ہم عورتیں ہی پاگل ہیں۔ مطلب کچھ کا کچھ لیتے ہیں پل میں خیالات کے دھارے پہ بہنا شروع کر دیتی ہیں۔ کل صبح ہی زہرا کو کال کرتی ہوں۔ شادی تو ظاہر ہے تین چار دن سے زیادہ نہیں چلے گی۔ اور یہاں کا کام پندرہ بیس دن سے بھی کچھ اوپر کا ہے۔ مزمل نہیں رکھنا چاہتا تو میں بھی کیوں زور زبردستی کروں۔ پھر مجھے کیا پتا دیبا بھابی بچی ہیں یا شرمین، ایک بار کا آنکھیں چار ہونا دنیا کیسے تلپٹ کر سکتا ہے۔ وہ کیوں بھولے کہ پہلی رات وہ روتی دلہن کو بجائے تسلی دینے کے بے حسوں کی طرح چھوڑ گیا تھا۔ کچھ نہیں جانتی میں۔ نہ اس کے بارے میں۔ نہ اس کے ماحول، نہ اس کے لوگوں کے متعلق۔ سب جھوٹ ہے، فریب ہے، اجنبی ہے میرے لیے۔ اور اجنبی ہی رہے تو بہتر ہے۔ وہ بھی کروٹ بدل کر سونے کی جدوجہد کرنے لگی

☆☆☆

''مینہ بچے، اِدر سبزیاں بھی اُگی ہیں۔ ٹیم ملے کنہ تو چکر لگا کر دیکھ لو۔ اور ڈربہ کھول دینا مرغیاں ذرا بھاگ دوڑ لیں۔ مزمل کو دیسی مرغا پسند ہے۔ پوچھ لینا بچے۔ دوپہر میں ذبح کر دوں گا پکڑ کر۔'' باباجان

ناشتے کے بعد باغ کے کنارے ہاتھ دھوتے اسے ہدایات دینے لگے۔

اس نے سننے کے دوران ہی سوچ لیا کہ مرغ ہی پکا لے، کیا پتا مزدوروں کا کھانا بھی دینا ہو، سبزی تو کم پڑ جاتی ہے۔ اور کیا پتا دوپہر تک دیبا بھابی اور بچے بھی آ پہنچیں۔ اب آتے ہی بے چاری کو کتنا کریں گی کیا۔ وہ دل ہی دل میں حساب کرتے گھر کی صفائی کرنے لگی۔ ناشتے کے برتن اور کچن کی جگہ اس نے صاف کر لی تھی۔ مزمل کے دو کپڑوں کے جوڑے وہ الماری سے ساتھ اٹھا لائی تھی۔ صبح اسے بھی سوٹ استری کر کے تھمایا۔ باباجان کے گھر کی ہوا الگ ہی تھی۔ مہینے بعد سب کچھ بدلا بدلا تھا۔ نہ تو اس نے پچھلے ایک مہینے میں کبھی ایک بار مزمل کو ناشتہ دیا تھا۔ نہ کپڑے استری کیے تھے۔ دیبا بھابی کچھ کرنے ہی نہ دیتیں۔ وہ تو جیسے ہوسٹل کے کمروں میں رہنے والے دو الگ الگ افراد تھے۔

''باباجان مرغا ہی پکڑ دیں۔'' اس نے جھاڑو روک کر فیصلہ سنایا۔

''ٹھیک دا بچے۔ مرغا پکڑ کر وہیں لے جاتا ہوں۔ ذبح کر کے بھجوا دوں گا۔ مزدور آ گئے ہوں گے۔ مزمل اکیلا سنبھال رہا ہوگا۔'' وہ بھی اپنی کہہ کر ڈربے کی طرف بڑھ گئے۔

کام کاج مکمل کر کے وہ بھی نہانے چلی گئی۔ اس پرانے گھر کا غسل خانہ لان کے اینڈ پر تھا۔ وہ نہا کر آئی اور بال سلجھانے لگی، تب ہی مزمل ذبح کیے مرغ کو پروں سے پکڑ کر واپس آیا۔ نظر نورینہ پر پڑی تو ٹھٹک کر وہیں رُکا۔ سرخ لباس، گیلے بال، صاف ستھری سی نورینہ اور یہ گردن سے ٹپکتے خون والا مرغ۔ اس نے باری باری دونوں کو دیکھ کر کان کی لو کھجائی۔ نورینہ بھاگ کر اسٹیل کا تھال اٹھا لائی۔

''میں ہی صاف کر دیتا ہوں۔'' وہ مختصر ترین تجزیہ کرتے وہیں نیچے چوکی پر بیٹھ گیا۔ نورینہ کو خفت نے گھیرا تو چھری لیے سامنے دوسری چوکی پر آ بیٹھی۔

''صاف کرنا آتا بھی ہے؟'' مزمل نے چھری کا کٹ لگا کر مرغے کی پروں والی کھال کو گوشت سے جدا کیا۔ نورینہ نے شرمندگی سے سر نفی میں ہلایا تو چہرے پر ہلکی مسکان بھی تھی۔ یہ باباجان کے گھر کی فضا بھی کتنی الگ ہے۔ کہیں اماں کی بھٹکتی روح تو اس میں سدھار۔۔۔ نہیں گئی۔ وہ بھی مہینے بھر بعد موصول ہونے والی پہلی مسکراہٹ پر سوچے بنا نہ رہ سکا۔

''تو پھر سیکھ لو، کبھی میں نہیں بھی ہوتا گھر میں تو تمہارے کام نہ رُکے رہیں۔''

وہ بڑی نرم خوئی سے بات بڑھا رہا تھا اور نورینہ سوچ رہی تھی۔ دیبا بھابی کے مطابق تو وہ جلد از جلد کسی فیصلے پر پہنچ رہا ہے۔ پڑھی لکھی بددماغ عورتیں اس سے برداشت نہیں ہوتیں۔ تو پھر وہ مستقبل کی باتیں۔۔ مرغی کی ران ہاتھ سے پھسلی اور انگلی چھری سے جا لگی۔

''اوئی.....اس نے ڈر کر مٹھی بھینچی اور مزمل نے کام چھوڑ کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ اس کی انگلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ نورینہ نے سر نفی میں ہلایا، اس کی سرمئی براؤن سی چمکتی آنکھوں میں شرارت تھی۔ مزمل ہاتھ تھامے آنکھوں میں دیکھے ہی گیا۔ اور باغ سے برآمدے میں قدم رکھتی دیبا کے پاؤں کو یہ منظر دیکھ کر ٹھوکر لگی۔ مزمل نے گھبرا کر ہاتھ چھوڑا اور نورینہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بس، یہ ہو گیا کام۔ دھو لو اب اس کو۔'' مزمل ہاتھ جھٹکتا ہوا کونے سے نکل گیا۔ نورینہ نے دیبا کی طرف دیکھا جس کے چہرے کا تاثر صاف عیاں تھا۔ پر وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مجھے تو ابھی پتا چلا کہ تم نہیں جا سکیں۔''

''جی، آگے گھر پہ کوئی نہیں تھا۔'' وہ تھال اٹھا کر نلکے پر گوشت دھونے لگی۔

''ارے تو یہاں ٹھکانہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا گھر خالی پڑا تھا۔ اُدھر آ جانا تھا۔''

www.alifadalo.com

"بابا جان نے کہا تھا۔" نورینہ نے مختصر جواب دیا۔ گوشت سنبھال کر رکھا اور ہاتھ دھو کر بھابی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تب ہی منزہ، مومنہ کے ساتھ ایک برقع پوش لڑکی گھر میں داخل ہوئی۔ ہال میں آ کر برقع اُلٹا اور نورینہ سے مصافحہ کیا۔

"میری بہن بشریٰ۔" دیبا نے مسکرا کر تعارف دیا۔

"یہ تو کم کم ہی اِدھر آتی ہے۔ ابھی پھوپھی فوت ہوئی تو یہ بہت دکھی تھی۔ پھوپھی کی بیٹی بنی ہوئی تھی نا۔ میں نے کہا میرے ساتھ چلو۔" دیبا کے وضاحتی بیان پر نورینہ چونکی تو تھی پر اسے اس وضاحت کی سمجھ نہیں آ سکی۔ نورینہ نے یونہی لڑکی کو پھر توجہ سے دیکھا۔ دیبا بھابی کی طرح ہی چھوٹے قد کی گول مٹول سی تھی۔

☆☆☆

کوئی بھی ماحول تب تک ناپسندیدہ اور اجنبی ہوتا ہے جب تک آپ وہاں کے انسانوں سے انجان اور کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔ کوئٹہ سے وداع ہو کر اس کی کار جب پشین کے راستے پر روانہ ہوئی تو وہ دن کا اول وقت تھا۔ کھڑکی کے پار چٹیل پتھریلے میدانوں اور آباد، بے آباد علاقوں کا سفر لمحہ لمحہ اس کی سانسیں نچوڑ رہا تھا۔ یہ تصور کیسا جاں گسل تھا کہ وہ ایک اپنائیت بھرے مانوس ماحول سے ایک دم انجان جگہ جا رہی تھی وہ بھی غالباً ہمیشہ کے لیے۔ لیکن انسان کہیں بھی رہتے ہوں، کسی نہ کسی موقع پر ایک دوسرے سے جُو ہی جایا کرتے ہیں۔ پچھلا ایک مہینہ بھلے اسی سوچ میں گزرا تھا کہ اسے اس ماحول سے نکلنا ہے اور حالات بھی تو اسی جانب اشارہ کر رہے تھے کہ یہاں گزارا ممکن نہیں، پر گزرے دو دن پچھلے پورے ایک ماہ سے الگ گزرے تھے۔ مزدوروں کی چھٹی کے بعد بھی وہ سب کمروں میں تھے۔ مہینے بھر میں ہی موسم کافی تبدیل ہوا تھا۔

پہلے تو دیبا بھابی پچھلے پہر باہر چارپائیاں نکالا کرتی اور سب باہر آ بیٹھتے۔ پر آج دو بابا جان کے گھر سے نکل کر اپنے صحن میں آئی تو سب کو اندر پا کر ثمرین بھابی کے پاس نکل آئی۔ وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ ساتھ ہی چارپائی کی سائیڈ پر چادر باندھ کر ابراہیم کا پالنا بنایا ہوا تھا۔ وہ اس پالنے میں لیٹا رو رہا تھا اور باہر نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ نورینہ نے اسے باہر نکال کر بازوؤں میں لے لیا۔

"کیوں بے چارے کو اندر گھسا رکھا ہے۔"

"کیا کروں مڑے۔ متین گھر پہ نہ ہو تو اسی طرح گزارا کرنا پڑتا ہے۔ پاس بٹھاؤں تو گھٹنوں کے بل کہاں سے کہاں نکل جاتا ہے۔"

"تو بھابی مجھے دے دیا کریں۔ سارا دن تو فارغ رہتی ہوں۔"

"چاہتی تو میں بھی ہوں کہ کوئی نہ کوئی لے جایا کرے، اور منزہ مومنہ تو پیار بھی بہت کرتی ہیں لیکن دیبا بھابی انہیں ایسے ڈانٹتی ہے کہ الٹے پیروں واپس دے جاتی ہیں۔"

"ہائے اللہ ایسا کیوں۔" اس نے کیوٹ سے ابراہیم کے بکھرے ہوئے بال ماتھے سے ہٹا کر اس کی پیشانی چومی۔

"اب میں جو بری ہوں تو میری ہر چیز بھی بری لگتی ہے۔ خیر، وہ چھوڑو۔ تم بتاؤ، سنا ہے بشریٰ آئی ہے۔ تم سے ملاقات ہوئی؟"

"جی ملی ہوں۔"

"تمہیں گھر پہ دیکھ کر دیبا بھابی کو جھٹکا تو خوب لگا ہوگا۔ ان کا تو پلان مٹی میں مل گیا۔" ثمرین ہنسی تو نورینہ چونک گئی، سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"ہاں تو اور کس لیے لائی ہے بشریٰ کو۔ سوچا تم کوئٹہ جا رہی ہو، پیچھے میدان صاف ہوگا۔"

"پتا نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔ اور درمیانی دروازے سے ہوتی اپنے گھر کے بڑے صحن میں آ گئی۔ دیبا بھابی کمرے کے دروازے سے باہر کھڑی تھیں۔ اسے بھی اشارے سے پاس بلا لیا۔

"تمہارا تو اچھا بھلا پروگرام خراب ہو گیا۔ نہیں؟" انہوں نے دو کرسیاں باہر نکال کر اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی بس تیاری تو پوری تھی۔"

"اچھا پر شادی تو مشکل سے تین چار روز کی ہوتی ہے۔ پھر جاؤ گی۔" دیبا کو یہی تجسس ہی تو کھائے جا رہا تھا۔

"جی دیکھتے ہیں۔" اس نے یونہی سرسری اردگرد دیکھا۔ دور اُن کے دو کمروں کے باہر جہاں تعمیراتی سامان بکھرا تھا۔ بشریٰ نارنجی کپڑوں میں اینٹوں کے ڈھیر پہ چڑھی بیٹھی تھی اور منزہ، مومنہ خالہ کی ویڈیوز بنا رہی تھیں۔ وہ اینگل اور پوز بدل بدل کر نجانے کیا کرتی پھر رہی تھی۔

"بلاوجہ تم بابا جان کے گھر چلی گئیں۔ مزدور تو شام کو چلے جاتے ہیں۔ اپنا کمرا کیوں چھوڑا۔ پرائی جگہ نیند بھی کہاں آتی ہوگی۔"

"جی بس بابا جان اپنے پلنگ کے بغیر آرام نہیں کرتے نا۔ تو آنا جانا انہیں ڈسٹرب کر سکتا ہے۔ ہم ویسے وہاں سیٹ ہیں۔" اس نے بات کے دوران دوبارہ بچوں کی طرف دیکھا۔ تب تک اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اندر کمرے میں مزمل بھی ہے۔ دروازے کی چوکھٹ سے ایک سرمئی قمیض کا دامن اڑ کر آگے آیا تو وہ چونکی۔ مزمل دروازے کی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ پھر وہ دو قدم آگے بھی آیا اس کے ہاتھ میں اپنا موبائل تھا۔ سامنے اینٹوں پر بیٹھی بشریٰ نے اس سے کوئی بات کی تو وہ ہنس کر جواب دینے لگا۔ آواز تو وہاں تک نہیں آ رہی تھی پر تاثرات سے بے تکلفی جھلکتی تھی۔

"پاگل ہیں دونوں۔" دیبا بھابی کی ہنستی ہوئی سی آواز سنائی دی اس نے چونک کر سر گھمایا۔ بات کچھ پلے نہیں پڑی تھی۔ دیبا بھابی نے اس کی حیرت دیکھ کر سر جھٹکا۔

"اب بڑے بزرگ تو اپنے حساب سے چلتے ہیں۔ تمہارا بھی کب سوچا کسی نے۔ تین تین زندگیاں داؤ پر لگا دیں۔ اِدھر بشریٰ اور مزمل بھی بہت عرصے سے جانتے تھے ایک دوسرے کو، اُدھر تم بھی شہر کی پلی بڑھی تھیں۔ بے جوڑ رشتے ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور جن کا جوڑ بنتا تھا انہیں بلاوجہ جدا کر دیا۔"

انہوں نے خود ہی کھل کر ساری بات واضح کر دی۔ نورینہ ابراہیم کو گود میں لیے اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔ مزمل نے اسے تب دیکھا جب وہ عین سر پر پہنچ گئی تھی، اس نے گزرنے کا راستہ دیا اور وہ اندر آ گئی۔ کچھ دیر تک بلاوجہ چیزیں اِدھر اُدھر سیٹ کیں اور باہر نکل آئی۔

"یہاں تو بہت تصویریں بنا لیں۔ باقی اُدھر بابا جان کے باغ میں بناؤ نا۔ بہت اچھی آئیں گی۔" اس نے مسکرا کر بشریٰ کو آگے دھکیلا اور وہ سب بھی خوشی خوشی ساتھ چل پڑے۔ دماغ میں تو اس لمحے کچھ نہیں تھا۔ پر دل نے بے اختیار ردعمل دیا تھا۔ وہ خود بھی پیچھے پیچھے چلتے اس بات پر حیران تھی کہ ایسا اس نے کیوں کیا۔ ہونے دیتی اس کی اور مزمل کی باتیں۔ پر یہ دل پتا نہیں کیوں اس بے تکلفی کو ہضم نہیں کر پایا تھا۔ تب ہی بشریٰ کو اپنے ساتھ ہانک لے گئی۔

☆☆☆

جھینگروں کی آوازیں رات کے سناٹے میں کچھ زیادہ ہی ناگوار اور نمایاں ہو رہی تھیں۔ پنکھے چلانے کا موسم چلا گیا تھا۔ اب تو آدھی رات گزر جانے پر ہلکی چادر بھی اوڑھنی پڑتی تھی۔ نورینہ کو ابھی نیند آنے ہی لگی تھی کہ مزمل کا موبائل گونج اُٹھا۔ گھنٹی متواتر بج رہی تھی۔ مزمل شاید گہری نیند سے جاگا تھا۔ نیم غنودگی میں اس نے ہیلو کہا، کچھ دیر مخاطب کو سنا اور پھر سوتے سے اُٹھ بیٹھا۔

"میں آ رہا ہوں۔ پریشان نہ ہوں۔" وہ جلدی سے بستر سے اترا، نورینہ بھی پریشانی سے اٹھ بیٹھی۔ اس نے لائٹ جلا کر اس طرف دیکھا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم آرام کرو۔ ابھی آ جاؤں گا۔" اس نے بابا جان کی الماری

www.alfazdab.com

کھول کر ایک بندوق نکالی اور شال کندھے پہ ڈال کر دروازے کی طرف بڑھا۔ نورینہ بندوق دیکھ کر حواس باختہ سی کھڑی ہوئی لیکن مزمل نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ابھی آجاؤں گا۔ کسی سے کچھ مت کہنا۔ بالکل کچھ نہیں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ نورینہ کو تو کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ وہ دھپ سے کرسی پر بیٹھی۔ ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ رات کے اس پہر نجانے وہ کس کی کال آنے پر نکلا تھا۔ بندوق لیے۔ یااللہ خیر۔ اس کے اعصاب سست پڑ رہے تھے۔

گھڑی میں وقت دیکھا رات کے ڈھائی بجے تھے۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جھینگروں کی آوازیں سانپوں کی سرسراہٹیں لگنے لگی تھیں۔ نہ وہ بڑھ کر دروازہ اندر سے بند کر سکتی نہ باہر نکلنے کی ہمت تھی۔ مزمل اگر سامنے کے دروازے سے نکلا تھا تو اس کا مطلب رات کے اس وقت وہ پورے گھر میں بالکل اکیلی بیٹھی تھی۔ اسے اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی سی لگ رہی تھی۔ وجود برف ہو رہا تھا۔ مزمل کی فکر الگ تھی۔ گھبراہٹ میں بار بار تھوک نگلتی، اسی حالت میں پچاس منٹ گزر گئے، جب باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ چلتے ہوئے قدم اور پھر کمرے میں مزمل کی آمد۔

"تم سوئی نہیں۔" وہ ٹھٹک کر وہیں رُکا۔ لائٹ آن تھی۔ کمرا کھلا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس نے سخت شرمندگی سے پیشانی مسلی۔ وہ تو کھلے دروازے چھوڑ کر نکل بھاگا تھا۔ وہ بے چاری بے فکری سے سو کیسے سکتی تھی۔ اس نے پلٹ کر کمرے کا دروازہ بند کیا اور نورینہ اس دوران اپنے بستر پر آئی اور چپ چاپ پیٹھ کر کے لیٹ گئی۔ مزمل نے ایک نظر اس کی پشت کو دیکھا اور ایک گہرا سانس لیتے لائٹ آف کر کے اپنے بستر پر آگیا۔ کچھ کہنے سننے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ حالانکہ وہ بتانا چاہتا تھا کہ۔۔۔ کمرے میں ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز پر وہ چونکا۔ ہاتھ آنکھوں سے ہٹا کر نورینہ کے بستر پہ نظر کی۔ وہ چپکے چپکے رو رہی تھی۔ وہ پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ بستر سے اتر کر لائٹ دوبارہ آن کی اور گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

"سوری مجھے بتا کر جانا چاہیے تھا۔ روؤ مت۔" مزمل تھوڑا سا جھکا وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی، دوپٹہ لپیٹا اور بستر سے اُتر گئی۔

"تم چاہتیں تو دروازہ بند کر کے سو جاتیں۔ میں واپس آکر نہیں بھی۔"

"تو میں اِس لیے جاگ رہی تھی؟" وہ بے ساختہ چیخ کر بیٹھی۔ ذرا دیر کے لیے آنکھیں ملیں اور مزمل کے چہرے کا سپاٹ سا تاثر مسکراہٹ میں تبدیل ہوا۔ نورینہ جلدی سے رخ پھیر گئی۔ اس کا اپنے شوہر سے کہاں کی شکوے شکایت کا رشتہ تھا۔ بلاوجہ فوری ردعمل دے بیٹھی تھی۔

"مہناز باجی کی کال تھی۔ اس کا شوہر زبردستی اس کے بچے چھین کر جا رہا تھا۔" مزمل نے جواب شروع کرتے اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ حیران ہو کر سوچ رہی تھی، "اِسے" دیبا بھابی کم عقل کہہ رہی تھی، میرے ذرا سے جملے کا مطلب اس نے کتنے جلدی پک کیا تھا۔ وہ اس کے جانے کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ اور مزمل نے اتنا بھی نہیں پوچھا تھا "تو کس لیے جاگ رہی تھیں۔" وہ چپ کر کے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اس کا نشئی شوہر اپنے چھوٹے بچوں سے مزدوری کرواتا تھا۔ ایک دن ایک بچہ مالک کی مار پیٹ سے زخمی ہوا تو مہناز باجی اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر یہاں میکے واپس آگئی۔ شوہر نے اسے تو طلاق دے دی، پر بچوں کے پیچھے اب بھی پڑا ہوا ہے۔ میں نے جرگے میں فیصلہ کروایا تھا کہ بچے ماں کے پاس رہیں گے۔ ابھی یہ لوگ کسی شادی سے واپس آرہی تھیں۔ شاید کسی نے اس کے شوہر کو بتا دیا وہ رات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پہنچ گیا۔ اور بچے چھین لیے۔"

"تو..... پھر..... ملے بچے؟" نورینہ کو تجسس ہوا۔

"ہوں۔ ابھی وہ اپنے گاؤں نہیں پہنچا تھا۔ میں ایک دوست تک پہنچا اور اس کی کار میں پیچھا کیا۔"

"شکر ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ مزمل نے بغور اسے دیکھا، ایک سوال اس کے اندر بھی مچل رہا تھا۔ پوچھنا چاہتا تھا کہ تم رو کیوں رہی تھیں، پر ہمت نہیں ہوئی۔ بنا کچھ کہے اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔ نورینہ نے بھی لائٹ آف کی اور چارپائی کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

زہرا نے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ لوگ دالبندین سے واپس آگئے ہیں۔ زہرا اپنی باتوں اور موڈ سے بڑی خوش لگ رہی تھی۔ نورینہ نے وجہ پوچھی تو کھلکھلا پڑی۔

"پتا چل جائے گا جلد۔"

"ارے۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔ اب میں دور رہتی ہوں تو تم تنگ کرو گی مجھے۔" وہ خفا ہونے لگی۔

"اچھا اچھا سنو۔۔۔ وہ۔۔۔ اپنا طیب ہے نا، دادی کی بھانجی کا بیٹا، وہ جو ہمیں لینے آیا تھا شادی کے لیے۔ وہ۔ رشتہ مانگ رہا ہے میرا۔" زہرا کا لہجہ جھجک سے پُر نہایت شرمیلا سا ہو گیا۔ نورینہ تو سن کر ہی حیران ہو گئی۔ امی کی شادی کے بعد جب دادی ان دونوں کی شادی کی بات کرتی تھیں تو سب سے زیادہ شور زہرا مچاتی تھی۔ آگے پڑھنا ہے، کچھ بننا ہے۔ شادی سے نفرت ہے وغیرہ وغیرہ۔

"ہائیں۔ یہ انقلاب کیسا؟" وہ چیخ ہی پڑی جس پر زہرا پھر سے ہنسنے لگی۔

"وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ اس کی ماں بھی راضی ہے رشتے کے لیے۔ وہ۔۔۔ بہت اچھا ہے۔" آخر میں جھجک بھرا اقرار بھی کیا تو نورینہ مسکرا دی۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے پھر۔ ملتے ہیں تمہاری شادی پر۔"

"ارے نہیں نہیں۔ تم تو پہلے آؤ۔" وہ چلائی اور نورینہ نے ہنستے ہوئے موبائل آف کر دیا۔ دیبا بھابی اٹھتے بیٹھتے روزانہ سوال کر رہی تھیں کہ اس کی دادی کب شادی سے لوٹیں گی۔ اور اب جبکہ صبح ہی صبح زہرا نے اپنی آمد کی اطلاع اسے دے دی تھی۔ اس نے تب بھی دیبا بھابی کو نہیں بتایا۔ وجہ اسے خود بھی معلوم نہیں ہوئی تھی، پر لاشعور میں یہاں سے نہ جانے کی بات گردش کر رہی تھی۔ اور وہ تو اسی طرح ٹالتی ہی رہتی، کہ دس بجے مزمل مزدوروں کی چائے لینے آیا تو تھرماس اٹھا کر جاتے جاتے رُکا۔

"تمہارے گھر والے اگر شادی سے آگئے ہوں اور کوئٹہ جانا ہو تو بتا دینا۔ بابا جان چھوڑ آئیں گے۔" وہ کہہ کر روانہ ہو گیا اور وہ نہایت افسوس سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

نجانے اندر دُکھ کیوں پھیلا، یہی بات دیبا بھابی بھی روزانہ پوچھتی تھیں اور وہ غصہ تو محسوس کرتی پر ایسا دکھ۔ آج پہلی بار اسے خود محسوس ہوا کہ وہ تو یہاں سے کہیں نہیں جانا چاہتی۔ اس سے بشریٰ کی چھچھوری حرکات بالکل برداشت نہیں ہوتیں۔ اور وہ اپنا گھر باریوں دوسروں کے حوالے ہرگز نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن اب تو مزمل نے کہہ دیا تھا۔ اسے سوچ بچار میں شام ہو گئی۔ لیکن بہرحال وہ ایک نتیجے پر پہنچ ہی گئی۔ مزمل کی خوشی اگر بشریٰ سے شادی کرنے میں تھی تو وہ کیوں ان کی راہ میں روکاوٹ بنے۔ ابھی صبح سویرے ہی تو وہ بشریٰ کو برآمدے اور کچن کا نقشہ دکھا رہا تھا۔ اور ظاہر ہے جو مستقبل میں اس کے گھر کی مالکن بننے والی تھی، نقشہ بھی اسی کو دکھانا تھا۔ نورینہ نے جا کر بابا جان سے کہہ دیا کہ کل صبح وہ کوئٹہ جائیں گے۔ دیبا بھابی کو بھی خوش خبری سنائی۔ نتیجہ حسب توقع تھا۔ وہ اس سے زیادہ خوش ہوئی تھیں۔

☆☆☆

رات کے کھانے کے بعد اس نے اپنے کمرے میں آکر بیگ تیار کیا۔ ایک الوداعی نظر اپنے کمرے پر ڈالی۔ بہت جلد یہ کمرا شاید اس کے سامان سے خالی کر کے بشریٰ کے سامان سے

www.alfaadab.com

بھر دیا جائے وہ سر جھٹک کر باہر نکل آئی۔ بابا جان سونے کے لیے آرہے تھے۔ وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر پرانے گھر کی طرف بڑھی تب ہی شرمین بھابی سامنے آگئیں۔

"جا رہی ہو صبح؟"

"جی....." اس نے نظریں چرائیں۔

"واپس آؤ گی؟"

"معلوم نہیں۔"

"دشمن تو بڑی آسانی سے جیت جائے گا نورینہ۔" وہ اسے چبھتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"دشمن کی نہیں۔۔ شاید کسی اپنے کی جیت ہو اس میں۔" وہ کہہ کر تیزی کے ساتھ قریب سے نکل گئی۔ شرمین نے اسے جاتے دیکھا اور ایک آہ بھرتے اپنے گھر کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

جھینگروں کی آوازوں میں ہلکی ہلکی بادلوں کی گرج شامل ہوئی تو نورینہ نے چونک کر ہاتھ آنکھوں سے ہٹایا۔ کیا واقعی بادل گرجے تھے۔ اس کے تو گیلے کپڑے باہر باغ کی تار پر لگے تھے۔ وہ فوراً اُٹھ بیٹھی۔ بادل کچھ اور زور سے گرج رہے تھے۔ اوپر کے روشن دان سے بجلی چمکنے کی روشنی بھی آرہی تھی۔ وہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ یہاں تو تیز طوفانی بارش اچانک ہی برسنے لگتی تھی۔ وہ باغ میں نکل آئی، اور کچھ ہی دیر میں مزمل بھی پیچھے آگیا۔

"باغ میں اکیلی مت آیا کرو، وہ بھی رات کے اس پہر۔ سانپ وانپ کا خطرہ رہتا ہے۔" وہ اس کے ساتھ ہی تار سے کپڑے اتارنے لگا۔ بادل پھر زور سے گرجا تھا۔ ابھی کپڑے بہت تھے۔ دونوں نے گھبرا کر ایک ہی قمیض اُتارنے کی کوشش کی اور مزمل کا ہاتھ نورینہ کے ہاتھ پر آگیا، مزمل کے ہاتھ میں یہ ہاتھ دوسری مرتبہ آیا تھا۔ نورینہ نے مٹھی بند کی اور جانے کے لیے پلٹی لیکن مزمل نے ہاتھ نہیں چھوڑا۔ یہ خاموش پیغام بہت پیارا تھا۔ وہ بھی رُک گئی لیکن بجلی کی چمک کے بعد بادلوں کی گھن گرج اتنی خوفناک تھی کہ وہ ہاتھ چھڑوا کر اندر بھاگی۔ کپڑے باہر برآمدے کی بڑی کھاٹ پر پھیلائے اور اندر آگئی۔ کچھ دیر بعد مزمل بھی آگیا۔ ایک مرتبہ پھر کمرے کا اندھیرا تھا۔ بادلوں کی آواز، بجلی کی چمک۔

"صبح جانا ہے؟" مزمل کی آواز اندھیرے میں سنائی دی تو نورینہ کا دل دھڑک گیا۔ اندھیرے میں یہ ہلکی پھلکی باتیں معمول بن رہی تھیں۔

"جی۔"

"واپس آؤ گی؟" مزمل کے لہجے میں نجانے ایسا کیا تھا، نورینہ کے لیے نتیجہ نکالنا مشکل ہو گیا۔ وہ اتنے کھل کر پوچھ رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پائی کہ اسے واپس بلانے کے لیے یا ہمیشہ کی اجازت چاہنے کیلئے۔

"ابھی سوچا نہیں۔"

"میں چاہتا ہوں، اب سوچ ہی لو کہ کیا کرنا ہے۔" اس نے فوراً ہی کہا اور کروٹ بدل لی۔ نورینہ کو لگا مزید کیا کہنا باقی رہ گیا ہے۔ آخر بشریٰ بھی تو اس سے پوچھتی ہوگی کہ وہ کیا کر رہا ہے اسے اپنانے کے لیے، وہ چاہتا تھا میکے جا کر وہ کسی حتمی فیصلے پر پہنچ جائے۔ نورینہ کو لگا اب تو گھر واپس جانا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ اِس ماحول سے نکل کر ہی زندگی کا فیصلہ کرنا آسان ہو سکتا تھا۔ وہ اس رات بڑی کوشش کرتی رہی کہ سکون سے سو سکے مگر سکون تو ان چند جملوں نے غارت کر دیا تھا۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر خود کو رونے سے روک رہی تھی پر گزرا ایک مہینہ چار دن کسی فلم کی طرح گھومنے لگے۔

اس کا شوہر جو اسے پہلی رات بہت برا لگا تھا۔ آج چونتیس دن بعد محبوب ہونے لگا تھا۔ وہ اس کا ٹھہرنا، بولنا، دیکھنا، ہنسنا سب آنکھوں سے محو کرنا چاہتی تھی پر کچھ بھی دھندلا ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرے

ہاتھ کی انگلیاں رکھیں تو کچھ محسوس نہیں ہوا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے جب مزمل کے ہاتھ نے تھاما تو وہ لمس کتنا الگ تھا۔۔ الگ ہی نہیں خوش کن بھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے خیال تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ صبح تو وہ یہاں سے جا رہی تھی۔ اب یہ سب باتیں سوچنے کا کیا مطلب تھا۔

☆☆☆

عصمت اللہ، مزمل کا بچپن کا دوست تھا۔ پچھلے دو برس سے وہ کوئٹہ میں نوکری کر رہا تھا۔ مزمل کو اس کی گھبرائی ہوئی کال جس وقت موصول ہوئی مزدور اس دن کا کام ختم کر رہے تھے۔ عصمت اللہ کی ماں کو اپنڈکس کا درد ہوا تھا۔ مقامی ڈاکٹر نے فوراً کوئٹہ لے جانے کا کہا تھا، ورنہ اپنڈکس پھٹنے کا خطرہ تھا۔ عصمت اللہ کے گھر پر اس کی ماں، بیوی اور دو چھوٹے بچے تھے۔ اس نے مزمل سے مدد مانگی کہ اگر وہ کوئٹہ سے ماں کو لینے نکلا تو وقت ضائع ہو سکتا تھا۔ تو کیا وہ اس کی ماں کو لے کر شہر آسکتا تھا۔ مزمل نے سوچنے کا وقت بھی نہیں لیا اور ہامی بھر لی۔

مزدوروں کو فوراً کام ختم کر کے جانے کا کہا اور ایک دوست سے کار مانگنے کی بات کی اور منٹوں میں تہا کر بابا جان کو بتاتے گھر سے نکل پڑا۔ عصمت اللہ کی والدہ کو گھنٹے بھر کے اندر ہسپتال پہنچا دیا جہاں انہیں ایڈمٹ کر کے فوری آپریشن تجویز کیا گیا۔ آپریشن کچھ ہی گھنٹوں میں کامیابی سے تکمیل پا گیا۔ اور اب عصمت اللہ اور مزمل وارڈ کے بیرونی بنچ پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ہوں۔ تم سناؤ۔ ہماری بھابی کو نہیں بتانی اپنی خیریت؟"

"وہ یہیں ہے، کوئٹہ، پچھلے پانچ روز سے۔" مزمل نے لہجہ عام رکھا۔

"کہیں بھی ہو، بیوی سے تو بندہ رابطے میں ہوتا ہے نا۔۔ کیا وقت نہیں ملا تھا بتانے کا؟"

"ہوں۔" مزمل نے اختصار سے کام لیا۔

عصمت اللہ نے کچھ دیر اسے بغور دیکھا۔

"تم طلاق دینے والے ہو بھابی کو؟"

"ہوں؟" مزمل نے از حد چونک کر سر اٹھایا۔ عصمت اللہ سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔

"کیا مطلب؟"

"دیبا بھابی نے میری بیوی سے کہا پچھلے دنوں کہ مزمل اور اس شہری لڑکی کی شادی نہیں چلنے والی۔ مزمل اس کو طلاق دے رہا ہے۔"

"اوہ۔" مزمل نے خود بھی سوچنے کے لیے وقت لیا، اس نے تو دیبا بھابی کو اپنے خیالات نہیں بتائے تھے، معلوم نہیں وہ کس بنیاد پر ایسا کہہ رہی تھیں۔

"جب شادی بے جوڑ ہو تو سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ اسے کامیاب کیسے بنایا جائے۔ کیونکہ اگلے شخص کا مزاج بھی تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"مزاج تو ساتھ رہنے سے معلوم ہو جاتا ہے، اب تو مہینہ ڈیڑھ ہو گیا نا میرے بھائی۔"

"پر ہمارے بیچ دوری ہے ابھی تک۔"

"ہیں۔۔ وہ کیوں؟" عصمت اللہ کو پہلا شاک لگا۔

"تمہیں بتایا تھا نا شادی کن حالات میں ہوئی تھی؟"

"ہاں۔ وہ اس کی ماں کا قصہ۔ پڑھی لکھی شہری لڑکی کو اس کی دادی نے دیہات میں دھکیل دیا۔۔ تو کیا لڑکی خوش نہیں ہے؟"

"کچھ پتا نہیں۔ بس پہلی رات میں نے پہلا جملہ بولا اور وہ رونے چلانے لگی۔ دور بھاگ گئی۔ میرا دماغ بھی ایسا گھوما کہ میں دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ دل چاہ رہا تھا ابھی کہ ابھی اس کو واپس گھر پھینک آؤں۔"

"جملہ کون سا بولا؟" عصمت اللہ اسے دھیان سے سن رہا تھا، اس لیے کوئی بات مِس نہیں کی تھی۔

www.aitadab.com

"میں نے۔۔تو۔۔کہا۔۔" وہ سوچنے لگا۔
"تمہاری ماں کے بارے میں سنا۔۔ ایسا کچھ۔"
"اے خدایا۔" عصمت اللہ نے ماتھا پیٹا۔
"دلہن سے ایسی بات کون کرتا ہے پہلے پہلے۔۔وہ جو اس کے دل کو چوٹ پہنچادے۔"
"میں تو خود نہیں کرنا چاہتا تھا، میں نے سوچا تھا، اس کی ماں کے موضوع پر بھی کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا جو تم کہہ رہے ہو کہ ایسا نازک موضوع اسے چوٹ نہ پہنچادے۔"
"ہاں۔۔تو پھر؟" عصمت اللہ اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔۔
"یار۔وہ کمرے میں جانے لگا تو دیبا بھابی نے کہا کہ سب سے پہلے اس سے اس کی ماں والی بات کلئیر کرلینا۔ شہری لڑکی ہے، ہماری طرح دیہاتی مزاج کی نہیں ہے، وہ لوگ کھل کر ہر بات کرلیتے ہیں۔"
"شاباشے۔" عصمت اللہ نے غصے سے تالی بجائی۔ "اپنی عقل ہے کہ نہیں۔۔دیکھ لیا پھر، کتنی شہری مزاج کی ہے۔۔ماں کا طعنہ سنتے ہی رو پڑی نا؟"
"تو کیا وہ اس بات پر روئی چلائی تھی؟" مزمل اسے ہی بے یقینی سے دیکھنے لگا۔
"ہاں تو کیا تمہاری صورت دیکھ کر روئی تھی۔"
"میں تو ایسا ہی سمجھا کہ میری شکل پسند نہیں آئی۔ میرا دیہاتی حلیہ اسے قبول نہیں ہوگا۔"
"پاگل ہو مزمل، بالکل پاگل۔ بھابی کا کہنا مان کر۔"
"صرف بھابی کا نہیں نا۔" مزمل نے سر نفی میں ہلایا تو عصمت اللہ بھی اسے توجہ سے سننے لگا۔
"پانچویں دن ہماری یہاں کوئٹہ دعوت تھی۔ میرے سسرال میں۔ بیوی میری تو اندر تھی، میرے ساتھ بیٹھک میں اس کے کزنز تھے۔ انہوں نے میری بیوی کے بارے میں بہت کچھ ایسا بولا کہ میرا بھی دل برا ہوگیا۔"
"ایسا کیا کہا؟"
"بس وہ بتاتے رہے کہ کس طرح ان کی ماں اپنے شوہر سے نفرت کرتی تھی۔ اسے مرنے کی بددعائیں دیتی تھی۔ عدت سے نکلتے ہی نکاح کرلیا تو اس کا مطلب کہ نیا شوہر ڈھونڈا تو عدت میں تھا۔ اب ایسی عورت کی بیٹیاں کیسی تربیت والی ہوں گی۔ وہ کزن ساتھ والے گھر میں رہتے ہیں۔ بیچ میں دروازہ بھی ہے، سارے حالات سے واقف تھے۔ ان کی دادی شادی کی بات کرتیں اور یہ تب بھی چیختی چلاتی تھیں۔ نورمینہ نے ایک بار دادی سے کہا کہ ایسے دیہات میں جانے سے تو اچھا ہے کہ مجھے کنویں میں پھینک دو۔ لیکن جب دادی نے بتایا کہ لڑکے کا اپنا باغ ہے۔ اپنا گھر ہے۔ ساس نند بھی نہیں ہیں تو جیسے تیسے مان گئی۔ لالچی ہیں دونوں بہنیں۔"
"ہوں۔" عصمت اللہ نے اسے غور سے سنا اور مسکرادیا۔ "لیکن شریف بھی بہت ہیں۔"
"ایسا تو انہوں نے نہیں کہا۔" مزمل نے ابرو سمیٹے۔
"ایسا میں کہہ رہا ہوں احمق انسان۔"
"اتنی سی بات تم نے اب تک نہیں سوچی مزمل، کہ اگر لڑکیاں غلط یا بدکردار ہوتیں تو صرف ایک لائن بنتی تھی تمہیں گمراہ کرنے کے لیے کہ فلاں آدمی تمہاری بیوی کا دوست ہے۔ لیکن ان کے پاس کہنے کے لیے ایسا کوئی مواد نہیں تھا تو وہ اس کی ماں کے قصے سنا کر تمہیں بدگمان کرتے رہے۔ اور کچھ نہیں ملا تو لڑکیوں کو لالچی کہہ دیا۔"
"لل۔لیکن۔۔" مزمل کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔
"پچھلے مہینے بھر سے وہ لڑکی تمہارے گھر میں رہتی ہے۔ گھر میں دیور ہیں، سسر ہے۔ تم ہی بتاؤ اس کا اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے۔ کیا وہ تمہارے بھائیوں سے بے تکلف ہوتی ہے۔"
"بالکل نہیں۔ ان سے تو کبھی بات بھی نہیں کی۔ میرے علاوہ صرف بابا جان ہیں جن کی خدمت بھی کرتی ہے عزت بھی کرتی ہے۔"
"اور کوئی شکایت۔۔۔ جو تمہیں اس دوران پیدا ہوئی ہو؟ یعنی بدتمیزی، منہ پھٹ ہونا۔ بحث کرنا۔ خرچے کروانا۔۔یا جھوٹ۔"
"بالکل نہیں۔" مزمل نفی میں سر ہلاتے اب حیرت سے خود بھی سوچ رہا تھا۔
"تو پھر تم کس بنیاد پر دور ہوتے چلے گئے۔"
"دیبا بھابی نے کہا، وہ اس ماحول سے بھاگنا چاہتی ہے۔ شہر واپس جائے گی۔"
"پھر دیبا بھابی۔" اس نے ہتھیلی ماتھے پہ ماری "اپنی عقل سمجھ بھی ہے کہ نہیں۔ اور یہ زبان۔ اس کا استعمال کرکے بیوی سے خود بات چیت کرو، وہ اگر جانا چاہتی ہے تو اپنے منہ سے کہے۔"
"ہوں۔" مزمل نے تین روز پہلے کی ایک بات یاد آنے پر بے ساختہ کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خود کو روک لیا۔
"تو۔۔اب کیا کرنا ہے۔ کچھ سوچ رہے ہو؟" عصمت نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ مزمل نے گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ اس نے اور عصمت نے طے کیا تھا کہ آدھا آدھا وقت کار میں آرام کرنے جائیں گے۔ صبح اس کی والدہ کو ڈسچارج کیا جانا تھا۔ عصمت نے بھی گاؤں ساتھ جانا تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے کچھ طے کیا لیکن عصمت کو نہیں بتایا۔
"صبح بتاؤں گا۔ ابھی اگر تم یہاں ڈیوٹی کرتے ہو تو میں دو بجے تک آرام کرآتا ہوں۔ پھر اذانوں تک تم سوجانا۔"
"چلو ٹھیک ہے، ویسے افسوس کی بات ہے، بندہ اپنے سسرالی شہر میں ہو۔ بیوی بھی یہیں ہو اور شوہر بے چارا کار کی پچھلی سیٹ پر سو رہا ہو۔"
"نصیب ڈیر ظالم شئے دی۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

"ساڑھے پانچ بجے صبح کی اذان کی آواز آئی۔ عصمت اور اس نے ہاسپٹل کی مسجد میں نماز ادا کی۔ عصمت نماز کے بعد اپنی امی کو دیکھنے اندر وارڈ میں چلا گیا اور مزمل کار کی طرف بڑھا۔ عصمت کو اس نے اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا۔ چھ بجے اس نے گھر کا دروازہ بجایا۔
"کون؟" مانوس آواز ابھری۔
"میں ہوں۔ مزمل۔" اس نے تعارف دیا اور نورمینہ نے فوراً دروازہ کھولا۔ سرمئی آنکھوں میں تعجب کے ساتھ کچھ ڈر سا تھا۔
"آجائیں۔" اس نے راستہ چھوڑا۔ مزمل کچھ جھجک کر اندر آیا۔ عصمت کی باتوں نے من ہلکا پھلکا کیا تھا پر نورمینہ کا ری ایکشن دل کو کچھ مایوس سا کرگیا۔ وہ اپنے جوش کو ایک مرتبہ پھر جھاگ جیسا بیٹھتا دیکھ رہا تھا۔
"سب خیریت ہے؟" وہ اسے ایک کمرے میں لے آئی جہاں اور کوئی نہیں تھا۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے بھی اس کی آنکھوں میں خوف سے دیکھ رہی تھی۔
"ہاں سب خیریت ہے۔ کیا مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟"
"اُف۔۔" وہ چہرا ہاتھوں میں دیئے سامنے کرسی پر گرسی گئی۔ مزمل نے دیکھا چہرے پر رکھے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے چہرا صاف کیا اور ایک گہرا سانس لیتے چہرا اٹھایا۔
"گھر میں سب ٹھیک ہیں نا؟"
"ہاں۔ ایک دوست کی والدہ کو ہسپتال لانا تھا۔ رات آیا ہوں۔ اب ان کو لے کر واپس جانا ہے۔ سوچا ملتا جاؤں۔" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ موڈ چونکہ پل میں خراب ہوا تھا تو جواب بھی روکھا سا

www.alifadab.com

تھا۔

''آ۔آپ نے بتایا نہیں نا آنے سے پہلے۔ اور اچانک اتنی صبح، میں پریشان ہوگئی کہ سب خیریت ہو، پریشانی میں میرے اعصاب ایسے ہی جواب دیے جاتے ہیں۔'' وہ اپنے کانپتے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ یقیناً دل کا بھی یہی حال تھا۔ مزمل کو اپنی عجلت پہ پچھتاوا ہوا۔ غصہ اسی طرح اس کے دماغ پہ چڑھ جاتا تھا۔ دادی لاٹھی ٹیکتی ہوئی اندر آئیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''بسم اللہ۔ جیتے رہو۔'' انہوں نے مزمل کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ مزمل نے انہیں بھی عصمت کی والدہ کا احوال سنایا۔ نورینہ باہر چلی گئی تھی۔ اور دس بارہ منٹ میں ہی ناشتہ لیے واپس آ گئی۔ چائے پراٹھا آملیٹ سب تازہ تھے۔ وہ اس کی پھرتی پر حیران ہوا۔''

آج ہی چلے جاؤ گے؟ دادی پوچھ رہی تھیں۔ مزمل نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے کچھ سوچا اور جملہ ترتیب دیتے نظریں نورینہ پر جمائیں۔

''جی۔ ابھی کچھ ہی دیر میں نکلنا ہے۔ اپنی کار ہے پاس، سوچا پانچ چھ دن تو ہو چکے، نورینہ کو بھی لیتا جاؤں۔ سب یاد کرتے ہیں اُدھر۔'' وہ نورینہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔ جانے کی بات پر جس کا سر اوپر اٹھا وہ اپنی سرمئی آنکھوں سے جس حیرت سے مزمل کو دیکھ رہی تھی اس میں خوشی کی لہر واضح چمکتی محسوس ہوئی۔ مزمل نے اپنی ہنسی چھپانے کے لیے کپ دوبارہ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''ہاں، کیوں نہیں۔'' شادی کے بعد کہاں میکے میں دل لگتا ہے۔ جب سے آئی ہے بجھی بجھی سی ہے۔ زہرا کہتی ہے نورینہ تو ہنسی بھی وہیں چھوڑ آئی ہے۔

''دادی چائے۔'' نورینہ نے گھبرا کر کپ دادی کی طرف بڑھایا اور مزمل نے مسکرا کر اس کی گھبراہٹ دیکھی۔

''میں تیاری کر لوں۔'' وہ نظریں جھکائے اسے مطلع کرتی باہر نکل گئی۔ قریب آٹھ بجے وہ سب پشین کے لیے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

''ارے نور بچے آئی ہے۔ ماشاء اللہ۔'' بابا جان نے بڑی خوشی سے ہاتھ اس کے سر پہ رکھا۔ ''بہت اچھا کیا مزمل۔''

''ہاں لیکن مزدوروں کا کام تو ابھی بھی ہفتہ دس دن کا باقی ہے۔'' دیبا بھابی یہ اچانک صدمہ شاید سہہ نہیں پائی تھیں۔ تب ہی زبان کو روک نہیں سکیں۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔ گھر کی باقی عورتیں بھی تو یہیں ہیں۔ بلکہ کچھ مہمان بھی۔'' مزمل نے بنا کسی کی طرف دیکھے واضح بشریٰ پر طنز کیا تھا۔ نورینہ نے چونک کر باری باری دونوں کو دیکھا لیکن کچھ بھی سمجھنا مشکل تھا۔ وہ سب دن کے دس بجے گھر پہنچ چکے تھے۔ مزدوروں کی تو آج چھٹی تھی۔ وہ بھی سامان وغیرہ رکھ کر بابا جان والے کچن میں آ گئی تاکہ دوپہر کی تیاری کر سکے۔

''میری کچھ مدد چاہیے۔''

''پلاؤ پکا لوں؟'' اس نے صلاح چاہی۔ مزمل نے سر ہاں میں ہلایا، پھر کچھ خیال آیا۔

''مرغ پلاؤ؟''

''جی.....'' نورینہ نے جی پہ زور دیتے مسکرا کر ابرو ڈربے کی طرف اُٹھایا، کہ جاؤ ذبح بھی کر کے لے آؤ۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے اٹھ گیا۔ اس روز بھی دونوں نے تھال سامنے رکھ کر مل کر مرغے کی صفائی کی اور حصے بنائے۔ بشریٰ زردے کی پلیٹ لیے وہاں آئی تو مزمل مکمل نورینہ کی طرف متوجہ تھا۔ اُسے تو دیبا باجی نے بھیجا ہی اسی لیے تھا کہ مداخلت سے کام بگاڑو۔

''میٹھے چاول۔'' اس نے ہنس کر پلیٹ دونوں کے درمیان لہرائی۔

''نہیں۔'' میں تو پلاؤ ہی کھاؤں گا۔'' وہ

نخت سنجیدہ بلکہ ناگوار منہ بناتے وہاں سے اٹھ گیا۔

''خفا ہے مجھ سے۔'' بشریٰ نے ہنس کر نورینہ سے سرگوشی کی، انداز اطلاع دینے والا تھا۔ نورینہ کے خون میں اُبال آیا۔ یہ لڑکی تو ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے سر جھٹک کر پلاؤ پہ دھیان دیا۔ مزمل نے اتنا شوق ظاہر کیا تھا۔ اسے تو خوب ہی محنت کرنی تھی۔

''تمہیں واپس بلانے کی بات بھی ویسے میں نے کہی تھی اس سے۔'' وہ جتا کر اطلاع دیتے واپس پلٹ گئی اور نورینہ اس بات پر کچھ دیر کے لیے ساکت ہی ہو گئی۔

☆☆☆

''بشریٰ کا دل نہیں دکھانا چاہیے تھا۔'' اندھیرے میں مدھم سی آواز سنائی دی اور مزمل نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

وہ تو پچھلی چار راتیں یہ سوچتا رہا تھا کہ اندھیرے میں اپنے اپنے بستر پر لیٹ کر ایک دوسرے سے باتیں کرنا کتنا خوب صورت احساس پیدا کرتا ہے۔ پر آج اتنے دنوں بعد نورینہ نے یہ رسم شروع کی بھی تو کس کے ذکر سے۔ باہر جھینگروں کی سرسراہٹیں تھیں۔ کمرے میں مکمل اندھیرا، ایسے میں آواز کے نرم سُر بہت واضح تھے۔ صرف آواز کا ربط جو شاید ایک الجھے رشتے کو دھیرے دھیرے سلجھانے میں لگا تھا۔

''کب دُکھایا اُس کا دل؟'' مزمل کا لہجہ سخت اور سنجیدہ تھا۔

''دو بار آپ نے ایسی بات کی جب اسے برا محسوس ہوا ہوگا۔''

''اور تم کیا جانتی ہو اُس کے بارے میں؟'' مزمل ہنوز روکھا سا تھا۔

''وہ کیا کرے گا جان کر۔ جو بنا چاہے درمیان میں آ گیا ہو۔'' نورینہ کا لہجہ افسردہ ہوا۔

''ایک سوال پوچھوں؟'' مزمل نے آگے کا سرکا لیا، نورینہ بے ہلی سی ہوں کی۔

''ایک شادی شدہ مرد کو اکیلے کمرے میں بہکانے کی کوشش کرنا کیسی لڑکیوں کا کام ہے؟'' مزمل نے بنا سوچے کھل کر پوچھا لیکن جواباً بس جھینگروں کی سیٹیاں تھیں۔ نورینہ ایسی بات کی ہرگز توقع نہیں کر رہی تھی۔

''تم پڑھی لکھی ہو، سمجھ دار ہو، تم سے چپ کی امید۔''

''غلط ہے۔ بہت غلط۔ ناجائز۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''مجھے دیبا بھابی نے کہا جس سے تم شادی کر رہے ہو وہ پڑھی لکھی، آزاد لڑکی ہے۔ شہری زندگی کی عادی ہے۔ دیہات اس کے لیے قید ہے۔ اور پھر تم آ گئیں تو ایسے بیانات کچھ اور بڑھ گئے۔ کہنے لگیں، وہ نہیں رُکے گی۔ بھاگنے کا سوچ رہی ہے۔ خود ہی پیچھا چھڑا لو۔''

''اے.....ایسا.....تو انہوں نے آپ کے متعلق کہا۔'' نورینہ کی آواز کانپتی ہوئی سی ہوگئی۔ مزمل اندھیرے میں ہنس پڑا۔ اسے تو اب حیرت نہیں تھی۔ سارے حساب صاف تھے۔ عصمت اللہ نے دیبا بھابی پر اپنا شبہ ظاہر کیا تو مزمل کے سامنے اسی وقت اُن سب کی بدنیتی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ ایک بات البتہ جو عصمت کو بتانے کی نہیں تھی۔ آج وہ نورینہ کو ضرور بتانا چاہتا تھا۔

''تمہارے جانے کے بعد بھی بابا جان اِس طرف واپس نہیں آئے، کیونکہ وہ دن بھر مزدوروں پہ نظر رکھتے تھے۔ اس کے لیے وہیں رہنا ضروری تھا۔ تب ہی میں سونے کے لیے یہاں آ جاتا۔ تمہارے جانے کی اگلی رات میں دیر تک وہاں بابا کے ساتھ بیٹھا حساب کتاب میں مصروف رہا۔ دس بجے اِس طرف آیا تو یہاں تمہاری چارپائی پر بشریٰ لیٹی ہوئی تھی۔ میں ٹھٹک کر دروازے میں رُکا۔''

''باجی کی طرف رات کو ٹھنڈ لگتی ہے۔ اِدھر کا

www.attaabab.com

ماحول تو بڑا ہی گرم ہے۔ سوئی رہوں مزمل؟" اس نے بہت لاڈ سے بلکہ ادا سے پوچھا تھا۔

"میں نے کہا۔ ہاں سوئی رہو۔ میں وہاں بابا کے پاس اپنے بیڈ پر چلا جاتا ہوں۔" میں نے اپنی چارپائی کی پائنتی سے چادر اٹھائی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ عجیب بے شرموں والا انداز تھا۔

"مجھے اکیلے چھوڑ جاؤ گے، تو ڈر لگے گا۔ مزمل، یہیں رہو نا۔" وہ عجیب سی ہو رہی تھی۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔"

"لیکن بھابی کہتی کہ دو طرفہ ہے۔ مطلب پسندیدگی۔" نورینہ نے جھجک کر بتایا۔

"تمہیں ایسا لگتا ہے؟ اس نے اُلٹا پوچھ لیا۔"

"مجھے آپ کی بات پر یقین آ رہا ہے اب، لیکن وہ بشریٰ۔ وہ آپ کے غصے کو آپ کی ناراضی کہہ جاتی تھی۔ کہتی ہے تمہیں واپس بلانے کی بات بھی میں نے مزمل سے کی۔"

"نورینہ۔" مزمل نے اچانک ہی اسے پکارا تو نورینہ کا دل نیچے کو سرک گیا، منہ سے جی بھی نکل نہیں پائی۔

"میرا دل ڈر رہا ہے مینے۔ سردی کی لہریں میرے اندر خوف پیدا کر رہی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے مضبوط ساتھ کی بہت ضرورت ہے۔ جانتی ہو کیوں۔" مزمل کا لہجہ عجیب سرسراتا ہوا سا تھا۔ نورینہ کے جسم میں خوف کی جھرجھریاں اُٹھنے لگیں۔ رات کا سحر بھی اتنا حاوی نہیں تھا، جتنے اس وقت لفظوں کے جھٹکے تھے جو ڈولتی کشتی کو بار بار لہروں میں ڈبو رہے تھے۔

"ہمیں قدم قدم پر بہکایا گیا ہے۔ یہ میٹھے زہر کی بستی ہے۔ یہاں ہر طرف منافق پھیلے ہیں۔ مجھے بتاؤ نورینہ، تمہیں کیا کچھ کہا۔"

"بہت ساری باتیں۔ کہا آپ کو پڑھی لکھی لڑکیوں سے سخت چڑ ہے۔" نورینہ کے دل میں گڑا تھا یہ جملہ۔ اور نہایت دلبرداشتہ ہو کر اس نے سوچا تھا، "ان پڑھ تو کسی بھی عمر میں پڑھ لکھ سکتا ہے، پر پڑھا لکھا اپنی تعلیم کو مائنس کیسے کرے۔"

"اور جانتی ہو، شادی کے لیے میری شرط کیا تھی۔" وہ بولا تو لہجے میں ہلکی سی ہنسی تھی۔ "تمہیں یقین نہ آئے تو بابا جان سے پوچھنا وہ اس وقت وہاں موجود تھے۔ میں نے کہا تھا، میں خود تو کم پڑھا لکھا ہوں۔ میری بیوی ضرور تعلیم یافتہ ہو، تاکہ مجھے اپنے بچوں کی تربیت کی طرف سے بے فکری ہو۔"

"کم۔ پڑھا۔ لکھا؟" نورینہ کی سوئی تو اس ایک جملے پر اٹک گئی۔ "آ۔ آپ۔ کچھ پڑھے بھی ہیں؟"

"تمہارے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں۔ بس نویں جماعت مشکل لگی تو اسکول چھوڑ دیا تھا۔"

"نویں۔۔" وہ چیخ پڑی۔

"کم ہے نا۔" مزمل کا لہجہ شرمندہ سا تھا۔

"بہت زیادہ ہے۔ بہت۔" اس کا چیختا لہجہ خوشی سے پُر تھا۔ "دیبا بھابی نے بتایا تھا، مزمل چٹا ان پڑھ ہے۔"

"کون؟" مزمل نے شرارت سے دہرایا تو نورینہ نے زبان دانتوں میں دبائی۔ وہ بے دھیانی میں اس کا نام لے گئی تھی۔

"انہوں نے تو بہت جھوٹ بولے ہیں۔ ہر بات میں جھوٹ۔"

"ہاں، کیونکہ ان کے نزدیک اِس رشتے کی عمر بہت کم تھی، وہ سمجھتی تھیں جھوٹ کھلنے سے پہلے ہی راستے جدا کر دیں گی۔"

"جس روز ایک عورت بچھڑے کے لیے گارنٹی کی بات کرنے آئی۔ دیبا بھابی نے کہا دیکھ رہی ہو، یہ تو روز کا معمول ہے۔ وہ تو شرمین بھابی نے مجھے حقیقت بتائی تو میں حیران رہ گئی۔ اور انہوں نے مجھے صاف صاف یہ بھی کہا کہ بشریٰ اور ان کی بچپن کی محبت ہے۔ اور وہ رہ نہیں سکتے ایک دوسرے کے بغیر۔"

"اور یہ ایسی بات ہے کہ جس پر فوراً یقین آ سکتا ہے۔ لیکن نورینہ میں پچھلے ڈیڑھ ماہ سے تمہارے سامنے ہوں۔ کیا میں ایسا۔"

"مجھے یقین ہے آپ پر۔۔ لیکن میں تو خود....." نورینہ کو وہ پہلا جملہ یاد آ گیا، مزمل کا دل اس کی ماں کی وجہ سے صاف نہیں تھا۔ یہاں تو دیبا بھابی یا ان کی منافقت کا کوئی دخل نہیں تھا۔

"میں آج بھی بہت شرمندہ ہوں کہ میں ایک خوب صورت رشتے کو ایک خوب صورت ڈھنگ سے شروع نہیں کر پایا تھا۔ بابا جان مجھے سمجھا رہے تھے کہ کسی کے کیے کی سزا کسی اور کو نہیں دی جا سکتی۔ وہ ہرگز اپنی ماں جیسی نہیں ہوگی، بلاوجہ ذہن مت بنانا کہ وہ بھی ویسی ہوگی۔ تو میں نے کہا تھا کہ میں تو ایسی سوچ رکھتا ہی نہیں ہوں۔ میں تو کبھی حوالہ بھی نہ دوں ایسی کسی بات کا۔ تب دیبا بھابی پاس بیٹھی سن رہی تھیں۔ اس وقت تو وہ کچھ نہیں بولیں۔ بعد میں مجھے اکیلے میں کہنے لگیں کہ جتنا میں نے نورینہ کو دیکھا اور سمجھا ہے وہ بہت کھلے دماغ کی ہے۔ وہ چاہے گی کہ پہلی رات ہی اس کی ماں کے معاملے پر کلیئر بات کر لی جائے۔ اگر تم اس موضوع کو نہیں چھیڑو گے تو وہ دل ہی دل زیادہ بے چین ہوگی، سوچے گی شاید اس کی ماں کو اتنا برا سمجھتے ہو کہ نام بھی لینا نہیں چاہتے۔ اور میں ان کی باتوں میں ایسا آیا کہ اپنے خیالات سے بالکل ہٹ کر سب سے پہلے ان کی کہی باتیں دہرانے لگا۔"

"تو۔ یہاں بھی بھابی۔" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ جو تمہاری طرف کے ہیں لیکن ابھی تمہیں معلوم نہیں۔" مزمل کو وہ آخری بات یاد آئی تو لب مسکرا دیے۔

"ہماری طرف کے۔" وہ متعجب ہوئی "وہ کیسے۔۔ کون؟" اس نے حیرت سے سوال کیا تو مزمل نے اس کے پھوپھوزاد خالد اور سیف کی کچھ باتیں بتا دیں۔

"اوہ۔۔" نورینہ کا لہجہ ڈوب سا گیا۔

"تت۔ تو۔۔ آپ اس وجہ سے بدگمان۔"

"ہاں، میں تو شاید ان ہی اُلٹی سیدھی باتوں پر غلط گمان کیے ہی رکھتا، لیکن نورینہ زندگی ہمیں صرف دشمن ہی تو نہیں دیتی۔ یہاں کچھ مخلص دوست بھی ہوتے ہیں جو بے غرض ہو کر ہمارا بھلا سوچتے ہیں۔ قدرت کو ہماری جدائی منظور نہ تھی۔ تب ہی عصمت اللہ کو میری ضرورت پڑی اور میں اس کا بھلا کرتے اپنے الجھے کام سدھار آیا۔ وہ بھی بالکل انجانے میں۔" مزمل نے اسے عصمت کے خیالات بتائے

"اس نے جب کہا کہ ایک لڑکی تعلیم کی خاطر روزانہ گھر سے نکلتی ہے، تو اسے زمانے میں کئی خطرات کا سامنا ہوتا ہے۔ اسے اپنا دامن بڑا ہی بچا بچا کر رکھنا پڑتا ہے۔ پھر بھی یہ دنیا ہے، ہم کہیں نہ کہیں دو چار چھینٹے لگوا ہی بیٹھتے ہیں۔ پر فخر کرو اپنی بیوی پر کہ جس کے دشمن اس کے عین دیوار کے پار بیٹھ کر بھی اس کے دامن کا ایک چھینٹا بھی تلاش نہیں کر پائے۔ میرے لیے یہ جملہ کافی ہے۔" مزمل کی بات اس کے منہ میں رہ گئی۔ نورینہ کے نازک ہاتھ کو اس نے اپنے بازو پہ محسوس کیا۔ وہ اندھیرے میں اس کا ہاتھ تلاش کر رہی تھی۔ مزمل نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تو نورینہ نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ مزمل نے اس کی پلکوں کا بھیگا پن محسوس کیا تو ایک بات یاد آ گئی۔

"اُس رات تم روئی کیوں تھیں، جب میں مہناز باجی کے بچے چھڑوانے گیا۔"

"آپ کی فکر تھی۔ آپ کو کچھ ہو نہ جائے۔ یہ ڈر جان نکال رہا تھا۔"

"تو کہا کیوں نہیں۔"

"کیسے کہتی، مجھے لگا رشتہ ہی ٹوٹ رہا ہے۔"

"تمہیں کب شک ہوا دیبا بھابی پر؟"

"مجھے تو شاید کبھی نہ ہوتا۔ لیکن جب دیبا

www.alfiadab.com

بھابی کی پھوپھی فوت ہوئیں اور وہ دونوں اُدھر تھیں تو شرمین۔ انہوں نے مجھے وارن کیا کہ آج اگر وہ تین سالوں سے خوش اور سکھی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ متین کو شروع میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ دیبا بھابی کی مداخلت رہی تو یہ گھر بھی نہیں بس سکتا۔"

"اور کمال ہے ہم اتنے برس متین اور شرمین کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے کہ وہ محبت اور اتفاق سے نہیں رہنا چاہتے۔ اپنوں سے جدا کرنے والوں کو ظاہر ہے پسند نہیں کیا جاتا۔"

"جی۔ حالانکہ بعض حالات میں دور رہنے میں قدر بھی ہوتی ہے اور عافیت بھی۔ شرمین بھابی سے مجھے یہی کہہ کر بدگمان کیا گیا کہ وہ جدا کرنے والی نکلی۔ جبکہ میرے مخدوش حالات میں وہی سب سے زیادہ پریشان تھیں اور چاہتی تھیں کہ میرا اور آپ کا رشتہ نہ ٹوٹے۔ انہوں نے مجھے جانے سے بہت روکا۔"

"اور میں اُن سے بھی سالوں تک دیبا بھابی کی وجہ سے بدگمان رہا۔"

"لیکن ہمیں بھی تو وقت پر پتا چل گیا۔ شرمین بھابی اور متین بھائی نے بھی شادی کے شروع کا اتنا وقت کٹھن گزارا ہوگا اور تب ہی کسی فیصلے پر پہنچے ہونگے۔"

"میں بھی پہنچ رہا ہوں نورینہ۔ کوئی آپ کی جڑیں کاٹ کر اتفاق و محبت کے درس دے، ایسے رشتوں سے سنبھل کر رہنے میں ہی سمجھ داری ہے۔ میں قطع رحمی کی بات نہیں کرتا، رشتوں کا بھرم قائم رہنا چاہیے۔ لیکن بے جا مداخلت کو شک کی نظر سے ہی دیکھنا چاہیے، کہیں دوسرے تیسرے درجے کے رشتوں کو جوڑتے آپ اپنی اکلوتی فیملی کو توڑ نہ بیٹھیں۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں۔" نورینہ کے نرم ہاتھ کا دباؤ بڑھا اور مزمل نے مسکراتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑی۔ کتنی اذیت سہی تھی اس نے اپنی دلہن کا دل توڑ کر، اس سے دور جا کر۔

"اگر ہم اپنا پورشن بن جانے دیتے۔" وہ دھیرے سے منمنائی۔

"محل بھی بنوالوں نا مینے۔ اس لکڑی پتھر کی سکون بھری جنت سے کم ہوگا۔"

"آپ کو میں بہت بری لگی تھی نا پہلی رات؟"

"ہوں۔ بالکل چڑیل۔" وہ ہنسا۔ "اور اب پوچھو نا پیاری کب لگیں؟" وہ اس کے ماتھے کی لٹ انگلی پہ باندھ رہا تھا۔

"کب؟"

"جب اسی گھر میں تم جامنی کپڑوں میں کھڑی تھیں۔ مجھے پہلی بار پتا چلا میری بیوی کی آنکھیں گہری سرمئی ہیں۔ اور وہ جس رنگ کے کپڑے پہنتی ہے، ان ہی کی جھلک اس کی آنکھوں میں پھیل جاتی ہے۔"

"اور آپ کی آنکھیں بہت اُداس رہتی ہیں۔" قربت کا احساس زبان کو گنگ کر رہا تھا۔

"اب نہیں لگیں گی۔" نورینہ کے منہ سے "کیوں" تک نہیں نکل پایا۔

اس کی آواز مدھم پڑنے لگی۔ آج ہی باتیں شروع ہوئی تھیں۔ اور کتنا کچھ کہنا تھا، سننا تھا، جاننا تھا۔ پر یہ جان کے دشمن، اُنہیں بھی تو ایسے قیمتی وقت سے خاموشی کے خوب صورت لمحے چُرانے ہوتے ہیں۔

"محبت کی اپنی زبان ہوتی ہے نور! اور اس دن وہ سارے رنگ میرے اندر اتر گئے سوال جواب سب دھرے رہ گئے۔ ہاں میں آج کھل کر اقرار کرتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

جویریہ مریم

چھوٹی چھوٹی غلطیاں

دادو کی پکار میرے کانوں میں پڑی تو میری جھنجلاہٹ مزید بڑھ گئی تھی۔ مجھے پہلے ہی موبائل نے الجھایا ہوا تھا۔ میں واٹس ایپ بنا رہی تھی کہ دادو کی پکار اور اوپر سے جو دعا دیتی تھیں وہ الگ مجھے جلائے رکھتی تھی۔

"دادو! ایک تو آپ کو مجھے جنت میں بھیجنے کی بہت جلدی ہے۔"

میں جل کے کہتی دادو کا دوپٹا دھونے کے لیے اٹھ گئی تھی۔ چھوٹے نے میرے موبائل کا صفایا کر دیا تھا نہ کوئی نمبر رہا نہ کوئی ایپ۔ مجھے اپنی فرینڈ ردا سے ضروری بات کرنی تھی مگر اب کیسے کرتی۔ نمبر تو مجھے اس کا یاد تھا۔ دادو کے کام سے فارغ ہو کر میں دوبارہ موبائل میں گھس گئی تھی۔ سب سے پہلے میں نے ردا کا نمبر سیو کیا اور اسے ڈھیروں، ڈھیر ایس ایم ایس کر ڈالے۔

لعنتیں، ملامتیں، جو کچھ ذہن میں آتا گیا میں لکھتی گئی۔ سینڈ کرتی گئی۔ چھ مہینے ہونے کو آئے تھے میں اور ردا مل نہیں پائے تھے۔ ہماری دوستی ہاسٹل میں ہوئی تھی۔ وہ دوسرے شہر میں رہتی تھی میں دوسرے میں۔ اس کی منگنی ہو گئی تھی اور اب ایک دوسری فرینڈ کے منہ سے میں یہ سن رہی تھی کہ دو ماہ بعد ردا کی شادی ہونے جا رہی تھی۔ بیس، پچیس دن سے میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ وہ کنجوس پیکیج ختم کر کے اب دوبارہ کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ شاید۔ کیونکہ کئی بار ایسا ہوا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اب بھی یہ ہی واقعہ پیش آیا ہوا تھا مگر آج پیکیج تو تھا۔ میرے ایس، ایم ایس کرنے کے کتنی دیر بعد اس کا جواب آیا تھا۔

"وعلیکم السلام! جی کون؟"

میرا دل چاہا اس کا سر پھاڑ دوں۔

"کمینی! پیکیج بھی تھا تمہارا..... پھر مجھے بتاتے موت آ رہی تھی تمہیں کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ دو ماہ بعد..... اس حنا کو بتا دیا۔ وہ تمہاری مجھ سے زیادہ سگی ہے کیا؟ میں سحر ہوں، سحر، سحر!" وہ آن لائن تھی مگر کتنی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ریپلائی کیا۔

"نہیں، نہیں..... تم بھی سگی ہو..... بس میں تمہیں بھی بتانے والی تھی۔" میں نے خوب کھری، کھری سنائیں وہ بہت مختصر بات کر رہی تھی۔ جیسے سوچ، سوچ کے بول رہی ہو۔

"کیا بات ہے ردا!..... کوئی پرابلم ہے کیا؟"

میں نے پوچھا تو وہ پھر خاموش ہو گئی۔ رات تک وقفے، وقفے سے ہماری بات ہوتی رہی۔

"کیا پریشانی ہے یار!..... شیئر کرو یار! ہم فرینڈز ہیں....." رات کو فارغ ہو کر میں بستر پر لیٹی تو ایس ایم ایس آیا۔

"یار!..... تم وعدہ کرو کہ غصہ کرنے کے بجائے میری پریشانی کو سمجھو گی، میں بہت پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کچھ بھی مجھے۔ ہر وقت پریشان رہتی ہوں۔" الجھا دینے والا ایس ایم ایس موصول ہوا تھا۔

"بتاؤ تو ہم فرینڈز ہیں یار۔"

"تم وعدہ کرو، کسی کو بھی نہیں بتاؤ گی مجھے اس پریشانی کا حل بتاؤ گی۔" میں اور پریشان ہو گئی آخر ایسی کیا بات ہے۔"

"بولو یار!..... میں نے پہلے کسی کو کوئی بات بتائی ہے جو اب بتاؤں گی۔"

"بات ہی ایسی ہے سحر! تم مجھے برا کہو گی۔"

"نہیں کہوں گی۔ مجھے بتاؤ ردا!" پھر خاموشی۔ خاموشی چند لمحوں بعد ہی ٹوٹ گئی تھی اور ایسی ٹوٹی تھی کہ میرے چاروں طرف شور ہی شور ہو گیا تھا۔

"سحر!..... میں پریگنینٹ ہو گئی ہوں۔"

"او میرے اللہ!..... کیا بکواس کر رہی ہو ردا!..... تم....."

میرے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ ایس ایم ایس لکھے نہیں جا رہے تھے۔ میں نے کال کی مگر کال اس نے اٹھائی نہیں

"سحر!..... غصہ کرنے کے بجائے مجھے مشورہ دو کہ اس مصیبت سے کیسے جان چھڑاؤں۔" میرے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"یہ تم نے کیا کر دیا ردا!..... تم ایسی تو نہیں تھیں۔ ہم سب فرینڈز کبھی غلط راستے پر نہیں چلیں۔ تم نے یہ کیا، کیا ہے ردا!....."

"میں پہلے ہی پریشان ہوں اور تم مجھے مزید پریشان کر رہی ہو۔ مجھے مشورہ دو کہ اب اس کا کیا کروں میں۔" وہ جیسے شرمندہ ہی نہیں تھی اور میری حالت وہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"میرا سر درد سے پھٹنے والا ہے۔ ردا! میں بہت تکلیف میں ہوں۔"

میں نے بھیگے گالوں کو بے دردی سے رگڑا تھا اور موبائل سائڈ پر پھینک دیا۔ مگر میسج ٹون بار، بار بج رہی تھی۔ اور میں اپنا دکھتا سر تھامے بیٹھی تھی۔ میں نے نا چاہتے ہوئے بھی موبائل پکڑ لیا تھا۔

"سحر! مجھے مشورہ چاہیے۔ بتاؤ اب کیا کروں۔ جلدی کرو۔"

میرے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔ "مجھے سوچنے دو۔ میری حالت بہت بری ہو رہی ہے۔"

اسے جیسے کوئی احساس ہی نہیں تھا وہ بس اپنی دھن میں تھی۔

"سحر! تم اپنی بیماری لے کر بیٹھ گئی ہو۔ اپنا سر درد بھگاؤ اور مجھے بتاؤ کہ کیا کروں۔"

"مجھے سوچنے دو ردا! میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم میرے سامنے ہو اور میں تھپڑ مار، مار کے تمہارا منہ لال کر دوں۔" مجھے بہت غصہ رہا تھا۔

"تم نے اپنی بکواس شروع کر دی ہے۔ میں کتنی پریشان ہوں اس کا کوئی احساس نہیں ہے تمہیں۔" وہ الٹا مجھ پر چڑھ دوڑی تھی۔

"بے شرم۔ شرم آنی چاہیے تجھے میں کیا سوچ کے بیٹھی ہوں پہلے سے حل۔ کہ تو پوچھے گی اور میں فٹ سے تجھے بتاؤں گی۔ حل تجھے یہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" میں نے بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھے تھے۔

"سحر!..... سب کچھ چھوڑو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب مشورہ دو مجھے۔" میں نے جیسے خون کے گھونٹ بھرے تھے۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ وہ دوسرا بے غیرت کون ہے تمہارے ساتھ، جس کا ذکر کبھی پہلے تم نے کیا ہی نہیں تھا۔ پھر میں کچھ سوچتی ہوں۔"

میں نے اٹھ کے ٹھنڈے پانی کا گلاس پیا تھا۔ حالانکہ موسم نارمل تھا اور میں ٹھنڈا پانی چھوڑ چکی تھی۔ مگر اس وقت تو جیسے اندر باہر آگ ہی آگ بھری ہوئی تھی۔

"کب سوچو گی۔ اور کتنا سوچو گی؟ کیا جب سوچو گی جب یہ پیدا ہو کر اسکول جانے لگے گا۔"

میری آنکھیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ ایسی بے باک تو کبھی نہیں تھی یہ ردا!.....

"جلدی بتاؤ....."

وہ ایس ایم ایس پہ ایس ایم ایس کر رہی تھی اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ اپنی سب سے اچھی فرینڈ کی بے

www.alifadab.com

راہ روی پہ دھاڑیں مار، مار کر روؤں اور مجھ سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو کہ تم رو کیوں رہی ہو۔ میں نے رونی ایموجی سینڈ کی اور موبائل سائلینٹ کر کے دور پھینک دیا۔

☆☆☆

رات قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔

کب رات نے دم توڑ دیا، صبح نے دھرتی کا وجود تھاما، مجھے کچھ پتا نہیں چلا تھا۔

آنکھیں رو، رو کے سوج گئی تھیں۔

میرے نزدیک دوستی بہت انمول رشتہ ہے۔ اور دوست کو غلط سے روکنا اور اچھائی کی طرف لانا میں اپنا فرض اولین سمجھتی ہوں۔ جیسے میں نہیں چاہتی کہ کوئی انگلی میری طرف اٹھے۔ ایسے ہی یہ نہیں چاہتی کہ میری دوست کی طرف بھی کوئی انگلی اٹھے۔

میرے اندر ڈھیروں، ڈھیر گھٹن اتر آئی تھی۔ روتے دل سے موبائل کو ہاتھ میں پکڑا۔

ردا کے نمبر سے ڈھیروں، ڈھیر میسجز آئے ہوئے تھے۔ میں نے کراہتے دل سے اوپن کیے اور میں تھم سی گئی تھی۔

ہنسی کے فواروں میں ڈوبے ہوئے تھے سارے میسجز.....

''او سحر کی بچی!.....تو بھی ناں۔ بے وقوف ہے قسم سے۔ پاگل!.....تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں کچھ ایسا بھی کر سکتی ہوں۔ اپنی دوست کو کیا صرف اتنا ہی جانا ہے تم نے؟ او.....موبائل دیکھ لے۔ میں مذاق کر رہی تھی یار!''

میرے اندر جیسے ڈھیروں، ڈھیر سکون اتر آیا تھا۔ مگر غصہ بھی آیا ردا! پہ۔ کمینی نے اتنا رلایا تھا مجھے۔

''ردا! میں تیرا سر توڑ دوں گی قسم سے۔ بھلا۔ ایسے بے ہودہ مذاق کون کرتا ہے! مجھے کچھ ہو جاتا تو؟؟؟.....میں ساری رات جاگ کے روئی ہوں.....'' اس کی ہنسی شروع ہو گئی تھی۔

''اسی لیے تو بتا دیا جلدی۔ کیونکہ میں جان گئی تھی کہ تو پریشان ہو گئی ہے۔ میں بس یہ دیکھنا چاہ رہی تھی کہ تو کیا ری ایکٹ کرتی ہے۔''

مجھے غصہ آ گیا تھا۔ ''لعنت ہے تجھ پر۔''

اچھا اچھا بات سن۔ میں ایک اور وجہ سے بھی پریشان ہوں کل سے۔'' اس نے میری لعنت کو نظر انداز کیا تھا۔

''وہ کیا پریشانی ہے اب۔'' میں پرسکون سی ہو کر لیٹ گئی تھی۔

''وہ پریشانی یہ ہے کہ میں کل سے، جب سے تمہارے ایس ایم ایس آنا شروع ہوئے ہیں یہ سوچ، سوچ کے پریشان ہوں کہ.....''

بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ ''اب بکو بھی'' میں جھنجلا گئی تھی۔

''اچھا چھوڑو۔ اپنی کوئی پک سینڈ کرو فریش پک۔

میں نے کئی تصاویر سینڈ کر دی تھیں۔

''کیا پکایا تھا رات؟''

کئی لمحوں بعد پوچھا تھا۔

''رات بھنڈی گوشت''

''اچھا پک بنا کے سینڈ کرو بھنڈی گوشت کی۔ میرے منہ میں پانی آ رہا ہے۔''

''ندیدی!'' میں مسکرائی تھی اور بھنڈی گوشت کی تصویر بنا کے اس کو سینڈ کر دی اور موبائل چارجنگ پہ لگا کے ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئی۔ معمول کے کام نمٹائے اور موبائل لے کر بیٹھی ہی تھی کہ دادو نے پکارا تھا۔

''سحر بیٹا!.....میرے سر میں تیل ڈال کے مالش تو کرنا ذرا، اللہ تجھے جنت نصیب کرے میری بچی!'' میں پیر پٹختی ہوئی اٹھی تھی۔

''دادو!۔ آپ نے مجھے آج کل میں، جنت میں پہنچا کے دم لینا ہے قسم سے۔''

''ارے جنت اتنی سستی تھوڑی ہے، پہلے اپنی کوتاہیوں کے بدلے میں، جہنم میں جلنا پڑے گا پھر جنت میں جائے گی، تو جو اس موئے موبائل میں گھس کے واہیات گانے سنتی رہتی ہے ناں.....اسی لیے تو تجھے دعائیں دیتی ہوں جنت کی۔ میری خدمت کیا کر تاکہ جنت میں جانے میں آسانی ہو جائے۔ میری دعائیں لیا کر۔'' دادی کی اپنی ہی منطق تھی۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ دادو کے سر میں تیل ڈال کر میں پھر موبائل سنبھال کے بیٹھ گئی۔

''ہاں اب بتا کیوں پریشان ہے۔''

میں نے ایس ایم ایس کیا تھا اور وہ بھی جیسے موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ فوراً شروع ہو گئی۔

''یار!.....میں کل سے سوچ، سوچ کے پریشان ہوں کہ تو آخر ہے کون اور میرا نمبر کہاں سے لیا ہے تو نے؟''

''ہیں؟'' میں الجھی تھی۔

''ہاں.....کیونکہ میں ردا نہیں بلکہ عون احمد ہوں۔''

ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتا ایس ایم ایس موصول ہوا تھا۔ اور میں جیسے پتھرا سی گئی تھی۔ یہ کیا۔ میں عالم بے یقینی میں ڈوبی ان میسجز کو دیکھ رہی تھی جو میں نے اپنی طرف سے ردا کو کیے تھے اور ردا کی طرف سے آئے ایس ایم ایس۔ اف میرے اللہ! میں نے جلدی سے نمبر دیکھا۔

اففف.....اف اللہ!.....ایک ہندسے کی غلطی تھی۔

''او میرے اللہ! میں شرم سے پانی، پانی ہوئی جا رہی تھی اور غصے سے آگ بگولہ بھی۔ مجھے یاد آیا کہ میں تو تصویریں بھی بھیج چکی ہوں۔ او اللہ!۔ میرے سر میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

''سوری!.....مجھ سے غلطی ہو گئی ایک ہندسے کی۔ آپ پلیز میری تصویریں ڈیلیٹ کر دیں۔ پلیز!!!!''

میں نے ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں سے ایس ایم ایس کیا تھا۔

''اچھا۔ کر دیتا ہوں بھئی۔ قسم سے کر دیں۔''

اس نے ڈیلیٹ ہوتی پکس کی ویڈیو بنا کے سینڈ کی تھی دوسرے موبائل سے۔ میرا دل تھوڑا سا مطمئن ہوا تھا۔ ایس ایم ایس پھر آئے تھے۔

''ہاں، بس بھنڈی گوشت کی نہیں کی۔ سوچ رہا ہوں کہ سالن آ گیا ہے۔ رونی لے آتا ہوں۔ ہاہاہاہاہا''

میں بے بسی سے موبائل اسکرین کو گھور رہی تھی۔

اچھا۔ بائے۔ پریشان نہ ہونا۔ میں تنگ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں خود پریشان ہو گیا تھا کہ کہیں میرا کوئی دوست یا رشتہ داروں میں سے کوئی لڑکی ہی تو مجھے الو نہیں بنا رہی بس اس لیے۔ ہاہاہا۔

آپ سچ میں پریشان ہو گئی تھیں۔ سوری! ویری سوری!۔ میرا نمبر بلاک کر سکتی ہو تم۔''

میرا ختم ہوتا سکون واپس لوٹ آیا تھا۔ اور میرا بھی ایک بھرپور قہقہہ نکل گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی غلطی سے میں کتنا پریشان ہو گئی تھی۔

ساری رات جاگ کے روتی رہی۔ مانو جہنم میں جلتی رہی۔ تو بڑی غلطی سے ہمیں کیا کچھ نہ جھیلنا پڑ سکتا ہے آپ اندازہ کر سکتے ہیں ہمیں ضرورت ہے کہ اپنے حواسوں کو قائم رکھیں اور چھوٹے سے چھوٹا کام بھی پورے دھیان اور توجہ سے کریں۔ تاکہ چھوٹی غلطیوں کے ساتھ بڑی غلطیوں سے بھی بچ سکیں۔

میں نے پورے دھیان سے ردا کا نمبر سیو کیا، پروفائل فوٹو غائب ہوتی تھی۔ اس کی آئی ڈی سے۔ اور اس نمبر پہ بھی نہیں تھی، کچھ اس لیے بھی مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے ردا کو بتایا تو وہ پہلے بے یقین رہ گئی۔ غصہ کیا اور پھر ہم دونوں ہی ہنس، ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

''سحر بیٹا!.....اتنا ہنسنے سے عقل جاتی رہتی ہے، زیادہ نہ ہنسا کر اللہ تجھے جنت نصیب کرے۔''

دادو نے بلند آواز میں کہا تو آج غصے کے بجائے مجھے اور ہنسی آ گئی تھی!

☆☆

www.alifadab.com

نوشین فیاض

محبت پانچواں موسم

تیسری اور آخری قسط

یہ کامران تھا۔

"یار اچھے بندے ہو۔ فون کر کر کے پاگل ہو گیا ہوں مگر تم نے بات کرنا گوارہ نہیں کیا۔" گاڑی میں بیٹھا بیٹھا وہ اس سے شکوہ کر رہا تھا۔ "اچھو چلو ایئر پورٹ چلنا ہے مجھے۔ تم بھی ذرا حلیہ سنوارو تو اکٹھے نکلتے ہیں۔"

اس کے پاس نہ کرنے کا بھی جواز نہیں تھا۔ گھر میں رک کر اس نے کرنا بھی کیا تھا۔ سو کامران کی نگرانی میں تیار ہو کر اس کی گاڑی میں ایئر پورٹ نکل گیا۔

"اب یہ بتاؤ تمہیں مسئلہ کیا ہے؟ اسے گھر نہیں بسانا تھا نہیں بسایا۔ تمہاری کون سی محبوبہ تھی۔ ایک ہلکے کردار کی لڑکی تمہاری زندگی سے نکل گئی تو سکون ہونا چاہئے یا اس طرح صفِ ماتم بچھا لینی چاہئے؟"

ہادی نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ میری شادی اسریٰ کے ساتھ ہوئی ہے اس کی فیملی کے ساتھ نہیں اور میں نے تمہاری طرح سب کے غلط کو درست کرنے، کہنے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ سچ کہوں تو تمہاری ہمت اور ظرف ہے ورنہ میرے جیسا بندہ تو فرسٹ ہینڈ شادی سے ہی انکار کر دیتا۔"

"بات محبت یا محبوبہ کی نہیں میرے خلوص کی ہے۔ جیسے تم کہہ رہے ہو میں نے بھی ایسی کسی لڑکی سے شادی کرنے کا نہیں سوچا تھا مگر جب ہو گئی تو میں نے دل میں کچھ بھی غلط نہ رکھا اور نہ آنے دیا۔ یار اسے اتنا لحاظ تو ہونا چاہئے تھا کہ میں نہ ہوتا تو دنیا اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی۔"

"دنیا اب جو سلوک اس کے ساتھ کرے گی اسے اندازہ ہو جائے گا۔ میں نے دو دن بعد ہی اسے وہاب کے پاس بھیج دیا تھا۔ اسریٰ نے کہا بھی تھا کہ عدت پوری کر لینے دیں مگر میں اس کا وجود بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مان لیا پہلے غلطی ہو گئی مگر تم سے شادی کے بعد اسے اپنا گھر بسانے پر توجہ دینی چاہئے تھی۔ تم نے کیا کم ذلت سہی ہے؟ سب کو پتا ہے ماہین تمہاری بیٹی نہیں۔ پھر بھی تم اس بچی کو لے لے کر اسپتالوں میں خوار ہوتے پھرے ہو۔

تم دیکھنا اب وقت کی چال۔ زندگی کی بساط پر اس کے لیے مات کی گیم بچھ چکی ہے۔ وقت قدر سکھا دیتا ہے ہر شے کی، اسے بھی تمہاری قدر ہو گی۔ بائی.. دیکھو میرے بھائی زندگی کسی کی بھی سیدھی لائن میں نہیں چلتی۔ اونچ نیچ سب کے ساتھ ہوتی ہے۔ تمہاری زندگی میں یہ سب ہونا تھا۔ یہ تمہارا مقدر تھا اور مقدر میں لکھے ہوئے پر اعتراض کرنا بنتا نہیں۔ دل دکھتا ہے، میں جانتا ہوں تمہارا دل دکھ رہا ہے مگر یہاں زندگی رک نہیں جاتی۔ اپنے آپ کو محسوس کرواؤ کہ جو زنجیر زبردستی تمہارے پیروں میں ڈالی گئی تھی وہ اتر گئی۔ اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس کرو۔ خود کو بتاؤ کہ تم نے کہیں بھی زیادتی نہیں کی۔"

www.paksociety.com

ونڈ اسکرین سے پار دیکھتے ہوئے کامران کہہ رہا تھا اور ہادی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موند کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے وقت کا پہیہ پیچھے گھومتا محسوس ہوا۔ قریباً پانچ سال پہلے جب وہ اس ناپسندیدہ رشتے میں بندھا تھا، اس سے پہلے۔ جب زندگی کے بارے میں کوئی واضح لائحہ عمل نہیں تھا۔ جب دل میں کوئی ملال نہیں تھا۔ اس سے بھی ذرا پیچھے ایک لڑکی تھی جس کی قربت دل کو سکون دیتی تھی، خوشی دیتی تھی۔ جو اس طرح گئی کہ دوبارہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ عمر، وہ دور، وہ دل.. کچھ بھی واپس نہیں ہوسکتا تھا۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔

☆☆☆

یہ کوئی چھ سات ماہ بعد کی بات ہے۔ وہ ایک آفیشل میٹنگ کے بعد گھر کے راستے میں تھا۔ رات کا وقت تھا اور اس گاڑی کی بھی سڑک پر چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہی تھی۔ حسب معمول اسے گھر جانے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ سڑک کے کنارے گاڑی کے باہر دو لڑکیاں کھڑی تھیں۔ ایک لڑکی کے کندھوں پر شال تھی۔ کندھوں پر شال لینے کا یہ کون سا موسم تھا مگر اس لڑکی کے کندھوں پر شال تھی اور یہ ویسی ہی شال تھی جیسی اس نے مرحہ کو دی تھی۔

اس نے سر جھٹکا۔ پتا نہیں کیوں بات بات پر اسے کبھی فاطمہ تو کبھی مرحہ یاد آ جاتی تھیں۔ ونڈ اسکرین کے پار گاڑیوں کی کی لائٹس جیسے آنکھوں میں چبھ رہی تھیں۔ تب اسے محسوس ہوا کوئی اسے آوازیں دے رہا ہے۔ اس نے ایک بار پھر سر کو جھٹکا مگر یہ اس کا واہمہ نہیں تھا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد بیک ویو مرر میں دیکھا وہ شال والی لڑکی بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔ شال کا ایک کونا اس نے ہاتھ میں دبوچ کر سینے سے لگا رکھا تھا جبکہ دوسرا زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ بھاگنے کے ساتھ ساتھ وہ اس کا نام بھی پکارتی جا رہی تھی۔ اس نے گاڑی روکی اور وقت کی رفتار مدہم ہوگئی۔ وہ لڑکی اس کی گاڑی تک پہنچ چکی تھی۔

''ہادی۔'' اس کا سانس ایسے ہی پھولا ہوا تھا جیسے اس دن جھیل کی طرف جاتے ہوئے پھولا ہوا تھا۔

''مرحہ'' زیرِ لب اس کے نام کی ادائیگی سے اسے اپنے حواسِ خمسہ پر اعتبار بحال ہوتا محسوس ہوا۔

''میں نے تمہیں دیکھا، آواز بھی دی مگر تم نے نہیں دیکھا۔'' اپنی سانس ہموار کرنے کی کوشش کرتے وہ اسے کہہ رہی تھی۔ ''ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے ہم مکینک کا انتظار کر رہے ہیں۔'' کتنا اشتیاق تھا اس کے لہجے میں۔

''آؤ بیٹھو گاڑی میں۔'' بلا آخر اس کو ہوش آ ہی گیا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''میں اپنے ادارے کی ریسرچ ٹیم کے ساتھ ایک سروے کے سلسلے میں آئی ہوئی ہوں۔ آج ہم واپس جا رہے ہیں اور تم سناؤ فاطمہ کیسی ہے۔ تمہاری بیٹی.. کیا نام تھا اس کا.. ماہین۔ ہاں ماہین.. وہ کیسی ہے؟'' ہادی اس کی اپ ٹو ڈیٹ انفارمیشن پر حیران ہوا تھا مگر اس کی انفارمیشن اتنی بھی اپ ٹو ڈیٹ نہیں تھی۔

''گھر چلو گی؟''

''ہاں بالکل۔'' وہ پرجوش ہو کر بولی۔

ہادی کو تھوڑی سی خوشی ہوئی کہ کم سے کم وقت کے تیز دھار آلے سے اس کی روح پر چرکے نہیں لگے تھے۔ وہ اسی طرح شوخ و چنچل تھی، اس کے لہجے میں وہی بہار موسموں کی نوید تھی بلکہ وہ تو سراپا بہار تھی۔ چہرے کے لاابالی پن نے ایک میچوریٹی اوڑھ لی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ہادی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''تم کچھ کھاؤ گی؟ مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔ میں کچھ کھانے کو دیکھتا ہوں۔''

اسے وہیں چھوڑ کر وہ باورچی خانے چلا گیا تو وہ بھی اس کے پیچھے اٹھ کر آ گئی۔ ''میں کچھ کھانے نہیں آئی ہادی۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ تھوڑا سا وقت ہے میرے پاس۔ پھر ہمیں ایئرپورٹ کے لیے نکلنا ہے اس لیے پلیز بیٹھ جاؤ۔''

وہ فریج سے فروزن فوڈ کے پیکٹ نکال نکال کر دیکھ رہا تھا۔ مرحہ کی بات پر اس نے پیکٹ واپس رکھ دیے۔ ''مگر مجھے بھوک لگی ہے۔'' اس نے آہستہ سے جیسے جرم کا اقرار کیا۔

''میں چلی جاؤں گی تو کھاتے رہنا۔ میں کون سا سدا کے لیے آئی ہوں۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

موبائل پر مسلسل فون آ رہا تھا۔ وہ بتائے آ گئی تھی تو باقی لوگ پریشان ہو رہے تھے۔ اس نے فون نکال کر دیکھا اور ہادی کے دھیان میں آئے بنا فون آف کر دیا۔

''صبح سے ہوٹل سے نکلے ہیں اس لیے فون چارج کرنے کا وقت نہیں ملا۔ کیا تمہارا فون استعمال کر سکتی ہوں؟ بس اطلاع دے دوں کہ میں ٹھیک ہوں اور ایئرپورٹ پہنچ جاؤں گی۔ تم چھوڑ آؤ گے نا مجھے؟''

ہادی نے ہاں میں سر ہلایا اور اپنا فون اس کے آگے کر دیا۔ مرحہ نے بیگ سے کارڈ نکال کر اس پر درج نمبر ڈائل کرنے کی اداکاری کی۔ نمبر تو اس نے زبانی ڈائل کیا تھا۔ بات کر کے اس نے فون ہادی کو واپس دے دیا۔

''اب بتاؤ فاطمہ کہاں ہے؟''

''وہ چلی گئی ہے۔''

''کہاں؟''

''شاید اپنے بھائی کے پاس''

''کیا مطلب؟''

''میں نے طلاق دے دی تھی اسے۔''

مرحہ کے ہاتھ ہونٹوں پر جا کر رک گئے اور اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

''نہیں ہوئی۔''

''اس کی سفیان سے شادی شاید اتنی ضروری نہیں تھی مگر مجھ سے نہیں ہونی چاہیے تھی۔ تم جانتی ہو وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ ماہین کی مجبوری نہ ہوتی تو وہ مجھ سے شادی ہی نہ کرتی۔'' مرحہ حیرت زدہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔

ہادی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ یہ پہلی بار تھا جب اس نے اپنا دل کھولا تھا اور آغاز سے لے کر ہر بات اس کے سامنے شیشے کی طرح واضح کر دی تھی۔ کیسے وہ اپنے گھر سے بے گھر ہو کر بابا جان کا دستِ نگر ہوا اور کیسے فاطمہ نے اس سے دشمنی پال لی۔ سفیان سے منگنی اور پھر سفیان کی حادثاتی موت کے بعد بابا جان کی درخواست پر فاطمہ سے شادی کرنا اور شادی کے بعد کی وہ ساری جدوجہد۔ اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔

''میں نے ماہین کو باپ کا پیار کیا مگر اس نے مجھے ماہین کا باپ بھی نہیں بننے دیا۔ میں کچھ ہوں ہی نہیں۔ کسی کے لیے کچھ نہیں۔ کسی کہانی کا ویسٹ کریکٹر۔'' وہ رو نہیں رہا تھا مگر اس کی آنکھوں سے نکلتا شفاف سیال اس کے گال بھگو رہا تھا۔ مرحہ صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''ایسا نہیں ہے ہادی! تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو؟ تم میری کہانی کا مرکزی کردار ہو۔ تم کہیں نہیں ملے مجھے مگر میں نے تمہیں خود سے الگ نہیں کیا۔ میں ہر سال آتی رہی ہوں پاکستان۔ اس کے باوجود کہ میرے علم کے مطابق تم فاطمہ سے محبت کی شادی کر چکے تھے۔ میں پھر بھی تمہاری ایک جھلک کے لیے، ایک ملاقات کے لیے آتی رہی ہوں۔'' وہ سارے راز کھولتی جا رہی تھی۔

''میں نے تم سے تمہارے تصور سے اتنی محبت کی ہے کہ جانے کتنی بار تمہارے دھوکے میں ایسے ہی

www.aliftadab.com

لوگوں کے پیچھے بھاگتی رہی ہوں۔ میں نے اتنی دعائیں کی ہیں کہ کاش تم ایک بار صرف ایک بار میرے سامنے آجاؤ اور میں تمہیں دیکھ لوں۔ صرف دیکھ لوں۔ تم ویسٹ کریکٹر نہیں ہو ہادی!"

اب ہادی حیران ہو رہا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم میری ساتھ چلو ہادی! زندگی کو نئے سرے سے شروع کرتے ہیں۔"

ہادی نے ایک دم اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑوائے تھے۔

"میرے دل میں محبت کے اس نفیس تاثر کو اس نے کرچی کرچی کر دیا ہے۔ میں ایک ہارا ہوا تھکا ہوا شخص ہوا۔ میں اس سفر میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ تم ایسی بات مت کہو۔"

"میں تمہارا حوصلہ بنوں گی ہادی! ہم دونوں ایک دوسرے کا حوصلہ بنیں گے سہارا بنیں گے۔ تم .. تم مجھے قبول کرلو۔" کتنا مشکل تھا اپنا آپ کسی کے سامنے اس طرح رکھنا مگر طلب کے جس مرحلے پر وہ پہنچ چکی تھی ہادی اسے کسی بھی قیمت پر ملتا۔ وہ لے لیتی۔

مگر ہادی اسے نہیں مل سکتا تھا۔ وہ کسی کو بھی نہیں مل سکتا تھا۔ مرحہ روتے ہوئے اس کے گھر سے نکلی تھی۔ ہادی تو ملا نہیں تھا وہ اپنی ذات کا اعتبار بھی کھو کر جا رہی تھی۔

☆☆☆

چوتھا موسم: سرما

ہوا کی سبک خرامی میں سرد موسموں کے گیت تھے۔ کہیں کہیں برف بھی پڑی تھی مگر اتنی زیادہ بھی نہیں کہ نظام زندگی معطل ہو جائے۔ باورچی خانے میں فضا نرم گرم تھی جس میں تازہ تازہ بیک بریڈ کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ میز پر اس بریڈ کے بے ترتیبی سے کٹے سلائس ایک پلیٹ میں تھے جب کہ پاس ہی باؤل میں سوپ رکھا ہوا تھا۔ فینی اور برہان لنچ کے لیے میز کے گرد خاموشی سے بیٹھے تھے۔ ان دونوں میں سے کسی نے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ دونوں مرحہ کے رویے میں شدت سے بدلاؤ محسوس کر رہے تھے مگر آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔

فینی فلاور شاپ میں تھیں اور برہان واک سے واپس آئے تھے۔ دونوں اظہارِ محبت کے پہلے لمحے کو جینے کے لیے لفظوں کی پالکی پر سوار ماضی کی طرف محوِ سفر تھے۔ وہ بھی واک سے واپس آئی تھی۔ جس وقت وہ برہان سے اندر جانے کے لیے راستہ مانگ رہی تھی عین اس لمحے وہ فینی سے محبت کا پہلا اظہار کرنے لگے تھے۔ مرحہ پتا نہیں کیوں اتنے غصے میں آگئی کہ ایک طرح زبردستی اندر گھستے اس نے زور سے ہاتھ مار کر دو تین بکے گرا دیے۔

"بس کر دیں آپ لوگ۔ خدا کا واسطہ ہے بس کر دیں اب اس تماشے کو۔ میں تنگ آگئی ہوں روز روز یہ ڈرامہ دیکھ کر۔"

اپنی اپنی جگہ دونوں ہی چور ہو گئے تھے۔ اس کے بعد وہ ناشتے کے لیے میز پر آنے کے بجائے تیار ہو کر ایڈنبرگ نکل گئی جہاں اسے فینی کی والدہ کے گھر کو کرائے پر دینے کے لیے اسٹیٹ ایجنٹ سے ملاقات کرنی تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس کی بات مان لینی چاہیے۔ ہم اب بوڑھے ہو گئے ہیں اور ہماری محبت کا وہ لمحہ کبھی کہیں ماضی میں ڈوب گیا ہے۔ اس طرح کرنے سے نہ جوانی لوٹ آئے گی نہ وہ وقت۔" برہان کھڑکی کی طرف نظر کیے کہہ رہے تھے۔

"تم جانتے ہو ایک بار مرحہ نے مجھ سے پوچھا تھا میرے لیے سب سے اہم کون ہے اور تم جانتے ہو میں نے کیا جواب دیا تھا؟" رک کر فینی نے ان کا چہرہ دیکھا۔ نم آنکھوں کے ساتھ وہ ہاں میں سر ہلا رہے تھے۔ اگر برہان نہیں تو کون جان سکتا تھا۔ "میں نے اسے بتایا میرے لیے برہان سب سے اہم ہے۔ اب

وقت آگیا ہے اس بات کو ثابت کرنے کا۔ ہم نے اسے زندگی کا ساتھی چننے کی مکمل آزادی دی، اس نے ہادی کا نام لیا ہم نے اسے پاکستان جانے دیا۔ وہاں جو بھی ہوا ہم نہیں جانتے مگر ہم اتنا جانتے ہیں وہ کوئی خوشگوار معاملہ تو ہرگز نہیں ہوگا اور نہ ہی ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔

اس نے ہر اس اچھے موقع کو ضائع کیا جو ہم نے اسے تراش کر دیا۔ وہ ہر سال پاکستان جاتی ہے، کبھی دو بار بھی جاتی ہے اور ہم جانتے ہیں وہ سارے کام جھوٹے ہیں جن کے بہانے سے وہ جاتی ہے۔ اس کے باوجود ہم اسے جانے دیتے ہیں۔ اس کی عمر دیکھو برہان۔ اس عمر میں میرے پاس وہ چھ سات سال کی تھی۔ میں اپنے والدین سے دور اس دوسرے شہر میں ایک فلاور شاپ پر کام کرتی تھی اور اس سے پہلے تھیٹر میں صفائی کا کام کرتی تھی۔ اسے اب اپنا سوچنا چاہیے۔ میں اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی وہ بھی اپنی خوشیوں کی قیمت پر۔ جب ہم اسے آزادی دے سکتے ہیں تو وہ ہمیں کیوں نہیں آزادی سے جینے دیتی؟ اسے جہاں جانا ہے جائے مگر ہم اپنا کچھ نہیں بدلیں گے۔ ہم اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔"

ان کی بات پر برہان کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ آئی۔ وہ روایتی مغربی ماؤں کی طرح سوچ رہی تھیں مگر وہ اپنی بیٹی کے بارے میں ایسا سوچ ہی نہیں سکتے تھے کجا کرنا۔

فلاور شاپ کی طرف مرکزی دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ یہ کوئی گاہک تو نہیں ہو سکتا تھا پھر بھی فینی کرسی سرکا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں آتی ہوں۔" انہیں میز پر چھوڑ کر وہ فلاور شاپ میں داخل ہوئیں۔ مرکزی دروازے پر نظریں جمائے وہ کوئی پچیس چھبیس سال کا جوان لڑکا تھا۔ سفید شرٹ پر اس نے سیاہ رنگ کا لانگ کوٹ پہن کر آگے کے بٹن کھلے رہنے دیے تھے۔ کوٹ کے اٹھے ہوئے کالر کی بدولت وہ اس کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھیں۔ شاپ کے دروازے میں کھڑے ہو کر انہوں نے اس لڑکے کو اشارہ کیا۔

"ہیلو۔"

"ہائے۔ مجھے مرحہ برہان شاہ سے ملنا ہے۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں وہ موجود ہیں یا نہیں؟" اس کے لہجے میں ٹھہراؤ اس کی عمر سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک غیر محسوس جھجک بھی تھی۔ وہ جھجک بھی اس کی عمر سے لگا نہیں کھاتی تھی۔ وہ ایک خوش شکل لڑکا تھا۔ اس کے ماتھے پر بال بڑے سلیقے سے جمے تھے۔

"مجھے افسوس ہے مرحہ تو نہیں ہے۔ وہ اپنی نانی کے پاس گئی ہے دوسرے شہر۔"

"اوہ.. تو کب تک واپسی متوقع ہے؟" اس کے لہجے میں ایک چنگاری کی آنچ کم ہوئی۔

"شام تک یا شاید کل شام تک۔ اس کی مرضی اور دفتر والوں کے صبر پر منحصر ہے۔" فینی نے مسکرا کر کہا۔ اس لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم اس کے دوست ہو؟" اسے وہ دوست سے کچھ آگے لگ رہا تھا۔ پھر بھی پتا نہیں فینی کیا کنفرم کرنا چاہ رہی تھیں۔ پھولوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے اس نے سرسری سا سوال کیا۔

"نہیں میں اس کا دوست نہیں ہوں۔" اس لڑکے نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ "اس کی قیمت؟" وہ ایک سرخ کلی پر ہاتھ رکھے پوچھ رہا تھا۔

فینی نے قیمت بتائی اور اس لڑکے نے ادائی کی اور وہ کلی فینی کی طرف بڑھا دی۔

"یہ آپ کے لیے.. میں یہیں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ شام کو دوبارہ چکر لگاتا ہوں۔"

"اس پھول کے لیے شکریہ۔ میں تمہارا نام جاننا چاہوں گی۔"

"پلیز اسے مت بتایئے گا میں آیا تھا۔" وہ جھجک رہا تھا۔

www.alfeadab.com

"نہیں بتاؤں گی۔" ان کا دل ایسے بے چین ہو رہا تھا جیسے کسی راز سے پردہ اٹھنے والا ہو۔

"میرا نام ہادی ہے۔"

فینی کو اپنی گھبراہٹ کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ غلط نہیں تھیں۔ "مرحہ کے دوست نہیں ہو مگر میرے دوست بن سکتے ہو بلکہ بن گئے ہو تو ایک کپ کافی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یا میرے شوہر کے ہاتھ کا بنا چاکلیٹ کیک؟ بتایا تو اس نے میرے لیے ہے مگر میں نہیں کھا سکتی۔ اس کی محبت میں بھی نہیں۔ تم میری مدد کرو گے؟"

ہادی کا جواب سنے بغیر وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر اندر چلی آئیں۔ ایک چھوٹے سے خوبصورت ہال سے ہوتے ہوئے وہ باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔ برہان ابھی بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ فینی کو ایک لڑکے کو ایسے بے تکلفی سے اندر لاتے دیکھ کر وہ ذرا سیدھا ہو کر بیٹھ گئے۔

"یہ ہادی ہے۔ میرا نیا دوست۔"

کرسی پر بیٹھا عمر رسیدہ قدرے بھاری وجود کا تھا اس کی کنپٹیوں سے بال سفید ہو رہے تھے جبکہ فینی اس عمر میں اتنی فٹ تھی کہ ان دونوں کو میاں بیوی خیال کرنا ایک لمحے کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔ ہادی نے برہان کا چونکنا محسوس نہیں کیا۔ جب تک فینی نے اس کے لیے کافی بنائی وہ اور برہان باتیں کرتے رہے۔

"یہ چکھو میرے شوہر نے بنایا ہے۔" برہان اس کے لہجے میں شرارت کی وجہ نہیں جان سکا جب کہ ہادی نے ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔

"کیسا ہے؟" برہان نے اشتیاق سے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا یہ کیسے بنتا ہے یا آپ نے کیسا بنایا ہے اس لیے میٹھے کو تھوڑا سا مٹی کر کے آپ کی ایفرٹ کو سلام پیش کرتا ہوں۔"

برہان ایک لمحے کے لیے اس کی بات پر حیران ہوا۔ پھر اس کا اور فینی کا مشترکہ قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔ انہیں یہ لڑکا پسند آیا تھا اور اگر وہ پاکستان مرحہ کے لیے آیا تھا تو انہیں امید تھی اب وہ کہیں نہیں جانے والا۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد فینی فلاور شاپ میں چلی گئیں اور برہان اسے بک شاپ میں لے آئے۔ ہادی کو یاد آیا اسے کتابوں سے کیسی محبت تھی۔ اتنا خوبصورت ماحول اور آرام دہ صوفے۔ وہ مسحور ہو کر ایک کے بعد ایک ریک دیکھتا چلا گیا۔ قدرتی ایک ریک میں اسے این فرینک کی ڈائری نظر آ گئی۔ یہ وہ آخری کتاب تھی جو وہ پڑھ رہا تھا مگر مکمل پڑھ نہیں پایا تھا۔

"کیا تمہیں کتابیں پسند ہیں؟"

"یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی پوچھے تمہیں سانس لینا، زندہ رہنا پسند ہے۔" وہ ہنسا۔

"تو یار تم تو میرے قبیلے سے نکل آئے ہو۔ اب صحیح رنگ جمے گا۔ میں تمہیں اپنی پسندیدہ کتابیں بتاؤں گا تم پڑھنا۔ یہاں ایک بڑا ذخیرہ کلاسک انگلش لٹریچر کا ہے کیونکہ مجھے وہ پرانا دور بہت فیسی نیٹ کرتا ہے۔" برہان کی گرم جوشی پر ہادی کو ہنسی آ رہی تھی اور وہ خوش بھی تھا کہ کم سے کم مرحہ کے والدین اسے مرحہ کے لیے ناپسند نہیں کریں گے۔

"ویسے تم یہ کتاب مت پڑھنا۔ کم سے کم اس جوانی کی عمر میں تو نہیں۔ جوانی خوشی کے گیت گانے کے لیے ملتی ہے نہ کہ ایسی افسردہ کر دینے والی کتابیں پڑھ کر اداس ہونے کے لیے۔" برہان نے اس کے ہاتھ سے پکڑ لے کتاب واپس رکھ دی۔

"تم یہاں سے کوئی بھی کتاب اٹھا کر پڑھ لو لیکن احتیاط کے ساتھ۔ مجھے یہی کتابیں بیچنی بھی ہیں۔" ہادی نے ایک اور کتاب اٹھائی اور اسے کھول کر بے خیالی میں اس پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ "زندگی اتنی بری بھی نہیں کہ اس سے بدگمان ہو کر بیچ راستے میں ہمت چھوڑ دی جائے۔" وہ سوچ رہا تھا اور برہان کو یہ کھویا کھویا لڑکا اتنا پسند آیا تھا کہ دل چاہ رہا تھا ابھی فون کر کے مرحہ کو واپس بلائے اور اس کا ماتھا چوم لے۔

☆☆☆

مرحہ اس رات واپس نہیں آئی تھی۔ وہ اگلی صبح پھر وہاں موجود تھا۔ فینی نے اس کی موجودگی میں اپنی ماں سے بات کی تو اس نے بتایا مرحہ کا ابھی واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں تو انہوں نے ہادی کو اپنی ماں کے گھر کا پتا تھما دیا۔

"گڈ لک۔" رخصت کرتے وقت برہان نے اسے گلے سے لگایا اور فینی نے کندھا تھپتھپا کر کہا۔

"لڑکا تو مجھے بہت اچھا لگا ہے لیکن ایک بات پریشان کر رہی ہے۔" فینی نے اندر مڑتے ہوئے کہا۔

"کون سی بات؟"

"اتنے سال تو ہو گئے جب مرحہ اس کے پاس گئی تھی۔ پھر یہ اس وقت کیوں نہیں آیا تھا؟ اور بالفرض اسے اپنے ماموؤں کو منانا تھا تو یہ مرحہ کو آس کے جگنو تھما سکتا تھا مگر تمہیں یاد ہے جو وہ واپس آئی تو اس کی کیا حالت تھی؟" باتوں باتوں میں ہادی نے والدین کی بچپن میں ہونے والی وفات کا بتا دیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اپنے ماموں کے ساتھ رہتا رہا ہے۔

"پھر ابھی جب چند ماہ پہلے پاکستان گئی تھی تو تب سے زیادہ سنجیدہ بلکہ یوں کہنا چاہیے چڑچڑی ہو گئی تھی۔ کیا بات ہو سکتی ہے بھلا؟"

"میرا خیال ہے جو بھی وجہ رہی ہو گی اب اس پر بات کرنا بے کار ہے۔ وہ اپنا کام کاروبار ختم کر کے یہاں آیا ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ یہاں سیٹل ہونے آیا ہے۔ اب یقیناً وہ مرحہ سے شادی کرے گا اور اگر وہ ایسا کر لیتا ہے تو باقی سب کچھ بے معنی ہو جاتا ہے۔"

"ہوں۔" فینی نے پرسوچ انداز میں کہا۔ ذہنی طور پر ابھی وہ وہیں پھنسی ہوئی تھیں۔ مرحہ نے ہادی کے نام کے علاوہ نہ پہلے کچھ بتایا تھا نہ بعد میں اور ہادی سے اس قسم کی کرید مناسب نہیں تھی وہ بھی مرحہ کی عدم موجودگی میں۔ انہیں اب ان کے واپس آنے کا انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

ایڈنبرگ میں سب سے رنگین وکٹوریہ اسٹریٹ

الف لیلہ
ہزار داستانیں

دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنھیں پڑھ کر بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں جنھیں بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہونگے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.aliteadeb.com

یکم دسمبر کا ایک یخ بستہ اور معمول کا مصروف دن تھا۔ ہلکی ہلکی برفباری ہو رہی تھی۔ بھیگی بھیگی بل کھاتی سڑک پر لوگوں کا ایک ریلا تھا جو بہتا ہوا ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا رہا تھا۔ سڑک کے طرفین میں زمانہ قدیم کی یاد دلاتی محل نما فلک بوس عمارتیں تھیں۔

ہادی کو لگ رہا تھا وہ کہیں پرانے زمانے میں آ گیا ہے۔ خوبصورت دکانوں کے آگے سے گزرتے ہوئے وہ رک رک کر چل رہا تھا۔ آخر کار وہ اسے ملنے والی تھی اور زندگی سے سب گلے دور ہونے والے تھے۔ بے وجہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل جا رہی تھی۔ دل میں ایک خوشی کا احساس بھرا ہوا تھا۔ کوٹ کی جیب میں پڑے ہوئے تے پر پہنچنے کی جلدی بھی تھی اور نہیں بھی تھی۔ ایک جگہ رنگ برنگی تکونی جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔

اس کے پاس کائی رنگ کے لانگ کوٹ میں سرخ بالوں والی لڑکی کوئی بھی ہو سکتی تھی کہ یہاں بہت سارے لوگوں کے بال سرخ تھے مگر وہ رک گیا۔ اس کے چہرے پر ایک بڑا سا سیاہ چشمہ تھا اور وہ ایک بوڑھے شخص کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ ہادی آہستہ آہستہ اس کے قریب ہوتا گیا۔ اس لڑکی نے بوڑھے سے کچھ کہا اور بھاگتی ہوئی آ کر ہادی کے گلے لگ گئی ”اوہ ہادی! بہت دیر کر دی تم نے آنے میں۔ یو لیزی بوائے۔“ ہادی اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھا لیکن لوگ اپنی دھن میں منزل کی طرف گامزن تھے۔ کسی نے رک کر مرحہ کا اس سے ایسے لپٹنا نہیں دیکھا تھا۔

”تو تمہیں پتا تھا میں آؤں گا؟“ نرمی سے اس نے اسے خود سے الگ کیا۔

”تو اور کیا۔ خوشی کے لیے تو ہر انسان کوشش کرتا ہے۔ تمہیں بھی تو زندگی کی خوشیاں ملنی چاہئیں۔“

”تم کون سا مجھے اپنے گھر کا پتا تھما کر آئی تھیں۔“ ہادی ہولے سے ہنسا۔

”تو وہ جو تمہارے فون سے میں نے جولیانہ کو کال کی تھی، تمہیں کیا لگتا ہے کیوں کی تھی؟“ اس کے ساتھ چلتے چلتے اس نے آگے کی طرف جھک کر کہا اور ہنسنے لگی۔

”ہاں میں بھی کہوں کہ وہ تو کبھی پاکستان آئی ہی نہیں تو تم نے کسے فون کر کے ایئرپورٹ پر پہنچنے کا کہا تھا۔“ وکٹوریہ اسٹریٹ کی رنگینی میں ان کی دھنک رنگ ہنسی کے رنگ بکھر گئے۔

”آئم ساری۔ ان دنوں میں بہت ڈپریس تھا اور.. تم بھی تو وقت کی بندوق لے کر بیٹھی تھی۔ میں ایسے کیسے فیصلہ لے سکتا تھا۔“

”میں ان لوگوں میں سے ہوں جو کہتے ہیں جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اب تم مزید مت سوچو۔ وہ درد کے موسم گزر گئے ہادی۔ اب تم دیکھنا ہم کیسے اس برف میں پھول کھلاتے ہیں۔“ اس نے ہاتھ پھیلا کر گرنے والی برف کو مٹھی میں بھرا۔ ”ویسے بہت اچھے وقت پر آئے ہو۔ میں چھٹیوں پر ہوں۔ بہت سارے دن ہم اکٹھے گزاریں گے۔ تم گھر چلو میں فینی اور ڈیڈا کو بتاتی ہوں۔“

”اوہوں۔ بعد میں بتاتی رہنا۔“ اس کا ہاتھ تھامے وہ اس بھیڑ کا حصہ بن گیا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ راستہ کہاں ختم ہو کیونکہ منزل تو اس کا ساتھ تھا جو وہ پا چکا۔

”تم ٹھہرے کہاں ہو؟“ اسے اچانک یاد آیا۔

”میں گلاسگو میں ایک ہوٹل میں ٹھہرا تھا..“

”لو کیا ضرورت پڑی ہے ہوٹل میں ٹھہرنے کی۔ گرینڈما نے یوں بھی گھر کرائے پر دینا ہے۔ تمہارے لیے لے لیتے ہیں۔ ایسا کرتے ہیں میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ تم اپنا سامان لے لینا اور میں تمہیں فینی اور ڈیڈا سے بھی ملوا دوں گی۔“

مرحہ نے اس کی پوری بات سنے بغیر جواب دیا۔ کتنے سال کی سزا کاٹ لی تھی اب وہ اسے نظر سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆

”مم.. ڈیڈا“ فلاور شاپ بند تھی اس لیے مرکزی دروازے کو چابی سے کھول کر مرحہ خوشی سے تقریباً چلاتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی۔ صوفے پر نیم دراز برہان نے مرحہ کے چہرے میں ایک لمحے کے لیے فینی کا عکس دیکھا۔ بے لوث محبت وہ جادو ہے جو مختلف رنگوں، نسلوں اور عمروں کے لوگوں پر ایک ہی طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ محبت پھول کھلا دیتی ہے۔ مرحہ کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جو چاندنی راتوں میں چاند کو مات کرتی تھی۔

”ڈیڈا۔“ وہ ان سے لپٹ گئی۔ ”آپ ٹھیک ہیں؟“ وہ فکرمند ہوئی۔ برہان تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

”ہمیشہ کی طرح سردی نے پکڑ لیا ہے۔“ فینی باورچی خانے سے سوپ کا پیالہ لے کر نکلتی ہوئی بولیں۔ تب ہی ان کی نظر پیچھے کھڑے ہادی پر پڑی۔ ”یہ تم کسی بھی شخص کو اندر کیسے اٹھا کر لا سکتی ہو؟“

مرحہ نے گڑبڑا کر پیچھے دیکھا۔ ہادی سپاٹ چہرہ لیے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فینی نے آج تک اس کے ساتھ آنے والے کسی شخص کے بارے میں ایسے بات نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پسند نہیں آتا تھا تب بھی اس کے جانے کے بعد بات کرتی تھی۔ آج کیا ہو گیا تھا۔ برہان کو پیالہ تھما کر وہ ہادی کے پاس آ گئیں۔

”کون ہو تم لڑکے؟“

”پرسوں میں کسی کا دوست تھا اور آج..“

”تمہیں پتا نہیں آگے سے جواب دینا بدتمیزی میں شمار ہوتا ہے؟“ فینی نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ مرحہ ہکا بکا کھڑی دیکھ رہی تھی۔

”مم یہ ہادی ہے۔“ وہ بولی تو اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

”یہ ہادی ہے؟“ برہان نے حیرت سے کہا۔ ”یہ“ پر انہوں نے اتنا زور دیا تھا جیسے مرحہ سے اس بات کی توقع نہ ہو اور مرحہ نے کوئی بہت ہی غلط انتخاب کر لیا ہو۔

”ویسے مجھے تم سے امید نہیں تھی۔ مجھے تو لگا کوئی ٹیٹوز اور رچینز والا لڑکا تمہیں پسند آئے گا۔“ برہان اس کے عقب میں آ کر کھڑے ہوئے اور اسے پہلو سے لگا کر مسکرا کر کہا تو مرحہ کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔

فینی نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔ ”ٹیٹوز والے لوگ اتنے برے ہوتے ہیں کہ تم ایسی مثال دے سکو؟“ وہ اپنا دایاں پیر آگے کیے ایک انداز سے کھڑی تھیں۔ ان کے ٹخنے کے پاس بٹلے کا ایک حاشیہ سا بنا ہوا تھا۔ یہ ان کا پہلا اور آخری ٹیٹو تھا جو ان نے محض بارہ سال کی عمر میں بنوایا تھا اور برہان بڑے اچھے سے جانتے تھے۔

”نن.. نہیں تو۔ نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ برہان نے مصنوعی لکنت سے کہا۔ فینی پیر پٹختی باورچی خانے میں چلی گئیں۔

”بس دو منٹ۔ تم لوگ بیٹھو۔“ دائیں آنکھ میچ کر انہوں نے کہا اور فینی کے پیچھے باورچی خانے میں چلے گئے۔

☆☆☆

اس رات کا کھانا برہان اور فینی نے بنایا تھا۔ مرحہ بھی گاہے گاہے مدد کرتی رہی تھی جبکہ ہادی باہر بیٹھا ان کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ پرتکلف ضیافت میں برہان کا خاص چاکلیٹ کیک تو شامل تھا ہی اور اب کی بار انہوں نے کہہ دیا تھا ”یہ اسپیشلی ہادی کے لیے ہے۔“ اور پہلی بار ایسا ہوا کہ ان کی منت ترلے کے بغیر نہ صرف فینی نے کھایا بلکہ سراہا

www.alfaadab.com

تھی۔

"تم مجھے پہلے بھی بتا سکتی تھیں تمہیں اس میں مٹھاس سے مسئلہ ہے۔" فینی کو کیک کھاتے دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوئی تھی۔

"کبھی ذہن میں ہی نہیں آیا۔" فینی نے سچائی کے ساتھ اعتراف کیا۔

کھانے کے بعد برہان نے واشکن پر اپنی پسندیدہ دھن سنائی اور فینی انہیں دیکھ دیکھ کر نہارتی رہیں۔ مرحہ نے پہلی بار زندگی کی تمام تر خوب صورتی کو محسوس کیا تھا۔ سب مکمل اور پرفیکٹ تھا۔ اسے اب برہان کا فینی کے لیے پاگل پن اور فینی کا ان پر جان دینا سمجھ میں آتا تھا۔

"جب تم پہلی بار ہادی کے لیے پاکستان گئی تھی تو وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا تھا؟" سونے کے لیے ہادی کا بستر لگاتے وقت فینی نے مرحہ سے پوچھا۔

"اس کے ماموں نے اپنی بیٹی سے زبردستی اس کی شادی کر دی تھی۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ ہادی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ لڑکی طلاق لے کر چلی گئی ہے۔"

فینی اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

"آپ فکر مت کریں پلیز۔" اس نے فینی کا گال چوم کر کہا۔

اس کے کہنے سے کیا ہونا تھا۔ فینی کا دل اسی بات میں اٹکا ہوا تھا۔ رات کو سونے سے پہلے فینی نے برہان سے اس بات کا ذکر کیا۔

"اسے پہلے بتانا چاہئے تھا۔"

"ہادی دیکھنے میں تو ٹھیک لگتا ہے لیکن اپنی کہانی میں ہر شخص مظلوم ہوتا ہے۔ جانے کیا حالات رہے ہوں۔" وہ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھی جانے کیا کیا سوچ رہی تھیں۔

"میں مرحہ سے بات کروں گا تم فکر مت کرو۔ یوں بھی اب وہ بچی تو رہی نہیں۔"

☆☆☆

ہر سال کی طرح وہ سالانہ چھٹیاں منانے ایڈنبرگ پہنچ چکے تھے۔ گھر کی طرف جاتے راستوں پر برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ برفباری کے دوران اتنی سردی نہیں ہوتی تھی جتنی برفباری کے بعد سو اس وقت سال کا سب سے کم ترین درجہ حرارت چل رہا تھا۔ برہان کو ابھی تک ان موسموں کی عادت نہیں ہوئی تھی۔ خود ہادی کا چھینک چھینک کر برا حال ہو رہا تھا اور فینی ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔ "ایک برہان کیا کم تھا جو تم بھی ہادی..؟"

"میں جان بوجھ کر نہیں کر رہا۔" ہادی نے جواب دیا۔

"میں بھی جان بوجھ کر نہیں کرتا۔" برہان کی بات پر سب ہنسنے لگے۔

"ابھی تو میں نے تمہیں اپنا فیورٹ آئس رنک دکھانا تھا اور اتنی ساری جگہیں ہیں جنہیں میں جانے کتنی بار تمہیں خیالوں میں گھما چکی ہوں۔" مرحہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں ابھی بھی تیار ہوں۔"

"میں بھی تیار ہوں۔" مرحہ نے آہستہ سے کہا۔ ہادی نے اس کا گلنار چہرہ دیکھا۔ وہ جیسے کسی اور شے کے لیے تیار ہونے کا کہہ رہی تھی۔

"میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

مرحہ نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے بات کرنے سے روک دیا۔

گھر پہنچ کر انہیں بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ موسم بے انتہا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ اگلے دن بھی موسم اسی طرح سرد تھا مگر مرحہ کی جان کو چین نہیں تھا۔ وہ اسے شہر کے ویسٹ برج کے نیچے بلیئر اسٹریٹ انڈر گراؤنڈ والٹ میں لے آئی۔ زرد زرد روشنیوں میں دورِ قدیم کے یہ راستے بھول بھلیوں جیسے تھے۔ محرابی غلام گردشوں میں چکر کاٹتے وہ اسے مکمل سنسان گوشے میں لے آئی۔

"پرسوں گاڑی میں تم کچھ کہہ رہے تھے۔" وہ نظریں اس کے چہرے پر جمائے بڑے شوق سے

پوچھ رہی تھی۔ ہادی جانتا تھا وہ کیا سننا چاہتی ہے۔

"تو تم وہ سوال سننے کے لیے مجھے یہاں تک لائی ہو؟" وہ شرارت سے ہنسا۔

"میرے بس میں ہوتا تو وینس میں کسی کشتی میں بیٹھ کر تم سے اس سوال کا پوچھتی، یا پھر اٹلی میں لو اسٹیئرز پر بنے سرخ دل کو چھو کر پوچھتی یا پھر پولینڈ میں بیلرینا فاؤنٹینز کے پاس بیٹھ کر یا مصر میں دیو قامت اہراموں کے سامنے.. مگر یہ سب سے نزدیک ہے۔" اس نے شوخی سے جواب دیا۔

"اگر میں ملتان میں ہوتا تو تمہیں وہاں سفید گنبد کے نیچے دائروی ستونوں کے پاس لے جا کر پوچھتا شادی کرو گی مجھ سے؟"

"کب؟"

"آج ہی کر لیتے ہیں۔"

"مکرو گے تو نہیں؟"

"مکرنے والی عمر سے نکل چکا میں۔" ہنستے ہوئے ہادی کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی ہے۔

"تو پھر ڈیڈا سے بات کرو۔ ہم اسی ویک شادی کریں گے۔"

☆☆☆

برہان مرحہ کے ساتھ بالکونی میں کھڑے تھے۔ آسمان پر اندھیرا ہی اندھیرا تھا اس کے باوجود زمینی روشنیوں کے باعث جہاں تک نظر جا رہی تھی قدیم محلوں کے لمبے لمبے سائے ایسے لگ رہے جیسے کتنے سارے دیو شہر کو نرغے میں لیے کھڑے ہوں۔ مرحہ کو اس معاملے میں فینی بہت پسند تھیں۔ جتنی دیر برہان بات شروع کرنے میں لگاتے وہ بنا کسی تمہید کے بات شروع کر کے ختم کر دیتیں۔ کچھ دیر تو مرحہ ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر خود ہی بول پڑی۔

"آپ نے کوئی بات کرنی ہے مجھ سے؟"

"ہوں؟ ہاں۔ بات کرنی ہے۔"

"کیا؟"

"ہادی نے مجھ سے بات کی ہے یو تو تمہاری اور اس کی شادی کی.. لڑکا اچھا ہے۔ مجھے اور فینی کو پسند ہے لیکن فینی بتا رہی تھی اس کی شادی ہوئی تھی پہلے۔"

"ہوئی تو تھی لیکن وہ زبردستی کی شادی تھی اور اب ختم ہو چکی ہے۔ فاطمہ نے خود طلاق لی ہے اس سے۔ وہ اپنے کسی دوسرے کزن کو پسند کرتی تھی۔" بات کو توڑ موڑ کر بتاتے مرحہ کو ذرا بھی افسوس نہیں ہوا تھا۔ اسے احساس تھا فاطمہ کے بارے میں جو وہ نہیں بتا رہی وہ زیادہ برا ہے۔

"سویٹی.. ایک بات کہوں تم سے۔ تم جانتی ہو ہمیں کتنا انتظار تھا تمہاری شادی کا اور جب تم نے ہادی نام کے کسی لڑکے کا ذکر کیا تب بھی فینی یا میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ تم یہاں تھیں اور ہادی تم سے ملنے گھر آیا تھا۔ میری عمر اتنی ہو چکی کہ میں ایک ملاقات میں کسی کے بارے میں جو پرسیو کرتا ہوں، وقت اسے ایک لمبے عرصے تک ٹھیک ثابت کرتا رہتا ہے۔

میں نے ہادی کو ٹٹول لیا تھا وہ کھرا لڑکا ہے۔ اس لیے یہ بات تم دل سے نکال دینا کہ ہمیں وہ ناپسند ہے یا تمہاری پسند پر اعتبار نہیں مگر میں تمہیں ایک بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ دوسری شادی چاہے عورت کی ہو یا مرد کی، انہیں اپنی پہلی زندگی کے ٹراما اور تجربات سے نکلنے میں وقت لگتا ہے۔ کبھی کبھار لوگ ساری زندگی ماضی اور حال کے درمیان سینڈوچ بن کر گزار دیتے ہیں۔

تم چھ سات سال پہلے جس ہادی سے مل کر اس کی محبت میں مبتلا ہوئی تھیں.. یہ وہ ہادی نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ پچھلی زندگی کا تلخ تجربہ ہو گا جو اسے جانے کب تک ہانٹ کرتا پھرے گا۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ تم ہادی کے اس ورژن کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار اچھی طرح میری باتوں کو سوچ لینا۔"

www.alifadab.com

دروازہ کھلنے کی آواز پر دونوں جانتے تھے فینی آئی ہیں۔ برہان نے اسے پہلو سے لگایا۔ ”گو مائی لٹل اینجل۔“

”گڈ نائٹ ڈیڈا۔“

مرحہ نے ان کا گال چوما اور کمرے میں آ کر فینی سے لپٹ گئی۔ ”گڈ نائٹ مم۔“

”گڈ نائٹ۔“

دروازہ بند کر کے باہر آنے تک وہ برہان کی باتوں کو سرے سے بھلا چکی تھی۔ ہادی جیسے شخص کے ساتھ اپنے جنت جیسے گھر میں زندگی گزارنے سے اچھی بات کیا ہو سکتی تھی اور اس میں سوچنے والی کوئی بات تو سرے سے ہی نہیں تھی۔ اس لیے اگلے دن جب برہان نے اس سے پوچھا تو اس نے مدبرانہ انداز میں سر ہلا کر اس بات کی یقین دہانی کروائی کہ وہ سارے پہلو نظر میں رکھتے ہوئے اس رشتے کے لیے راضی ہے۔

☆☆☆

لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی کے مصداق جب وہ دونوں راضی تھے تو دیر کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں بنتی تھی۔ شادی کے لیے فینی کی ماں نے اپنا سفید جوڑا نکال کر دیا تھا۔

یہ انہوں نے اپنی شادی پر پہنا تھا۔ ساری زندگی اچھی گزر گئی اور عورتیں کہیں بھی ہوں تو ہم پرستی میں مردان کی برابری نہیں کر سکتے انہوں نے نیک شگون کے طور پر اپنی شادی کا یہ جوڑا مرحہ کو پہننے کے لیے دیا تھا اگرچہ فینی کے بعد مرحہ کی ایک پاکستانی لڑکے سے شادی پر زیادہ خوشی نہیں تھی لیکن اپنی گرینڈ ڈاٹر کو وہ خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔ موتیوں سے مزین جالی دار یہ لباس کہیں سے بھی پرانا نہیں لگ رہا تھا اور مرحہ نے ہنسی خوشی قبول کر لیا تھا۔ اس لباس کو اپنے سائز کے مطابق فٹ کروانے کے لیے ٹیلر کو دینا تھا اور اپنی پسند کا جوتا لینا تھا اس کے لیے مرحہ ہادی کے ساتھ گئی تھی۔ ہادی کو گھما کر رکھ دیا تھا اس کے ایک جوتے نے۔

”میری شادی ہے ہادی۔ ایسے ہی کچھ بھی پہن کر شادی نہیں کر سکتی۔“ ہادی کی تھکاوٹ سے زیادہ اکتاہٹ اسے مزہ دے رہی تھی۔

”تو یار تمہارا جوتا کون سا کسی نے وہ تمہارا لمبا سا فراک اٹھا کر دیکھنا ہے۔“

”وٹ ایور۔“ کہہ کر وہ دوبارہ جوتے ٹرائی کرنے میں مشغول ہو گئی۔ بہت مشکل سے اسے جوتا پسند آیا تھا۔ جوتا لینے کے دوران اس نے جانے کیا کیا خرید ڈالا تھا۔ شاپنگ کے بعد وکٹوریہ اسٹریٹ کے ایک مشہور انٹرنیشنل ریستوران میں کھانا کھا کر وہ باہر نکلے تو کچھ سوچ کر ہادی نے کامران کو میسیجز پر کال کی۔

”کہاں گم ہو یار؟ کتنے دن سے کوئی خیر خبر نہیں۔ اللہ نے مجھے بیٹے سے نوازا ہے تمہیں اطلاع کرنے کی اتنی کوشش کی مگر تم تو کوہ قاف منتقل ہو گئے ہو۔“ وہ خوشی خوشی بتا رہا تھا۔

”چلو پھر کیمرہ آن کرو کوہ قاف سے براہِ راست مبارک قبول کرو۔“ اس نے ہنستے ہوئے کیمرہ آن کیا اور کامران کو بھی کیمرہ آن کرنے کا کہا۔

”اوئے یہ کہاں بیٹھا ہے تو؟“ پس منظر میں وکٹورین اسٹائل عمارتیں دیکھ کر وہ جیسے چیخ پڑا تھا۔

”بتایا تو ہے کوہ قاف اور یہ رہی میری پری۔“ کیمرہ اس نے مرحہ کی طرف موڑا۔ وہ عقب میں اس سے کچھ دور کھڑی اپنے وہ شاپنگ بیگز سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی جو پہلے ہادی نے اٹھا رکھے تھے۔ ”میں شادی کر رہا ہوں کامران۔“

☆☆☆

شادی کے لیے مرحہ نے جولیانہ کو بھی اطلاع کر دی تھی مگر اسے یقین تھا وہ نہیں آئے گی۔ اس کے باوجود جولیانہ ایک دن پہلے اپنے دونوں بچوں سمیت بڑی مشکل سے آ ہی گئی تھی۔ ”تم نے تو مجھے حیران کر دیا۔“ اس نے ہادی سے کہا۔ ”اتنی جلدی جلدی سب کر لیا اور تم مرحہ کی بچی۔“ وہ مرحہ کی جانب

مڑی۔ ”اب بتاؤ دسمبر کون سا موسم ہوتا ہے شادی کرنے کا؟“

مرحہ ہنسی۔ ”یہ میں بعد میں بتاؤں گی لیکن ابھی صرف اتنا کہوں گی میری وہ وجہ نہیں ہے جو تمہاری اور کارمن کی تھی۔“

”کیا یہ لڑکا مکر جاتا؟“ وہ اس کے کان کے پاس آ کر سرگوشی میں بولی۔

”ایشیائی لڑکے ایسے نہیں ہوتے اور یوں بھی مکرنے کے لیے تو وہ اتنی دور نہیں آیا ہوگا ناں؟“

”یہ تو ہے۔ ویسے سمجھ میں نہیں آ رہا تم نے میری کرسمس خراب کی ہے یا زیادہ اچھی کر دی ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہارے لیے دعا کی ہے۔“

”شکریہ! کارمن کہاں ہے؟“

”اس بار چھٹیاں ہم اس کے ماں باپ کے ساتھ گزارنے والے تھے۔ مجھے یہاں آنا تھا اس لیے اسے وہاں بھیج دیا۔ میں اب تمہاری شادی کے بعد جاؤں گی۔“

مرحہ نے اسے گلے سے لگا کر بھینچ لیا۔ تو دوستی یہ تھی۔

”شادی، شوہر، بچے اور ذمہ داریاں اپنی جگہ اور تم سے دوستی اور محبت اپنی جگہ۔ بہت جلد تم بھی یہ فلسفہ سمجھ جاؤ گی۔“

”میں بہت کچھ نئے سرے سے سیکھ رہی ہوں۔“ اس نے سچ کہا تھا۔ بدلتے رشتے اور ایک نئے تعلق کی تھرل، اسے تو ہوائیں اور سارے مناظر بھی نئے نئے اور بدلے ہوئے لگ رہے تھے۔

اگلی شام جولیانہ نے اسے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔ ”میں نے ایشین برائیڈز سرچ کیں تو میرا تو دماغ ہی گھوم کر رہ گیا۔ کتنا میک اپ کرتی ہیں یہ عورتیں اور اس پر اتنے بھاری بھاری جوڑے اور باقی کی کسر زیورات پوری کر دیتے ہیں۔ میں تو مر کر دوبارہ بھی دنیا میں آ جاؤں تو اس چیز کے لیے خود کو تیار نہیں کر سکتی۔“

سفید لباس میں وہ ایک آسمانی پری دکھائی دے رہی تھی۔ گلے میں چین لاکٹ، لاکٹ سے میچنگ چھوٹے چھوٹے ٹاپس اور دائیں بازو میں نازک سا بریسلٹ پہنے ہادی کی دلہن بڑے فراٹے سے ایشین برائیڈز کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔

”اچھا ویسے مجھے بہت فیسی نیٹ کرتے ہیں ان کے ہیوی ڈریسز اور زیورات۔ یہاں تک کہ میک اپ بھی بہت یونیک ہوتا ہے۔“ تیاری کو فائنل ٹچ دیتی جولیانہ مہارت سے ہاتھ چلاتی کہہ رہی تھی۔

”تو تم اپنی شادی پر وہ سب کر لیتیں۔ کس نے روکا تھا؟“

”ہر علاقے کا اپنا ایک کلچر ہوتا ہے اور لباس بھی کلچر کا حصہ ہیں، اس پر مذہب بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ میرا اور میرے شوہر کا دور دور تک ایسے کسی سسٹم سے واسطہ نہیں تو میں کیسے کر لیتی؟ یوں بھی تمہاری شادی تو ایشیائی لڑکے سے ہو رہی ہے اگر تم اپنی شادی کا ایسا تھیم رکھتیں تو میں تمہیں یقین دلا سکتی ہوں کام سے بھرے لہنگے کے ساتھ تم سے زیادہ میک اپ اور زیورات میں نے لادے ہوتے۔“ اس کی بات پر مرحہ ہنسنے لگی۔

اس رات جب وہ اس کے کمرے میں موجود تھی تو ہادی کو وہ وقت یاد آیا جب ایک بار فاطمہ اس کے کمرے میں دلہن بن بیٹھی تھی اور اس نے سوچا تھا اگر فاطمہ کی جگہ.. مرحہ وہ خواہش تھی جو زبان پر نہیں آئی مگر دل میں ہمیشہ رہی اور آج قدرت نے وہ خواہش پوری کر دی تھی۔

برہان اور فینی اپنے جگہ مطمئن تھے کہ زندگی نے انہیں سب کچھ دیا تھا بس یہ ایک خواہش ادھوری تھی اور آج یہ بھی پوری ہوئی۔

☆☆☆

پانچواں موسم: محبت

کرسمس کی رات پورا شہر دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ مرحہ ہادی کو لے کر پہلے جارج اسٹریٹ آئس رنک گئی۔ وہاں رنگ و بو کا ایک طوفان آیا ہوا تھا۔ دوکانوں کے آگے جیسے لائٹس کے ساتھ حد

www.allfatab.com

بندی کی ہوئی تھی۔ کرسمس ٹریز بھی جگمگاتے نظر آ رہے تھے اور آئس رنک پر شوقین مزاجوں کا ہجوم تھا۔

"یہ میرا فیورٹ اسپاٹ ہے لیکن یہاں اتنا رش ہے کہ میں اسکیٹنگ انجوائے نہیں کر سکتی اس لیے پرنس اسٹریٹ چلتے ہیں۔"

ہادی بے دام غلام کی طرح اس کے ساتھ ساتھ پھر رہا تھا۔ اس نے نکلنے سے پہلے بارہا اسے کہا تھا وہ اسکیٹنگ نہیں جانتا اور ہر بار مرحہ نے یہی جواب دیا کہ کیا ہوا؟ آنکھیں تو ہیں تم دیکھ کر انجوائے کر لینا۔

ایسٹ پرنس اسٹریٹ گارڈن بھی رش کم نہیں تھا مگر یہاں ایک کھلے پن کا احساس تھا۔ مرحہ اپنے سفید اسکیٹس میں ہاتھ ہلاتی رنک پر اسکیٹنگ کرتی دور ہو گئی تو وہ سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"بہت بور ہو تم ہادی! میری خوشی کے لیے وہاں رک جاتے۔"

"ویسے یہاں بھی تمہاری خوشی کے لیے ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "کتنا تو رش ہے وہاں۔ یہاں تھوڑا اسکون ہے۔"

تب ہی اس کا فون بجنے لگا۔ کامران فون کر رہا تھا۔

"کیمرہ آن کر سکتے ہو؟"

"ہاں ایک منٹ۔" اس نے کیمرا آن کیا۔

"واہ واہ نیا جوڑا انجوائے منٹ کے لیے نکلا ہوا ہے۔ میں نے ڈسٹرب کر دیا۔"

"نہیں تم کہو کیسے ہو اور چھوٹی دنیا کیسی ہے؟"

"سب فٹ فاٹ۔ یہ دیکھو۔" اس نے کیمرے کا زاویہ گود میں سوئے ننھے ازلان کی طرف سیٹ کیا۔ "بس میری مسز تمہیں شادی کی مبارک دینا چاہتی ہے۔" کہتے کہتے اسریٰ نے فوراً فون اس سے فون پکڑ لیا۔ فاطمہ کو طلاق دینے کے بعد آج پہلی بار ان کی بات ہو رہی تھی۔

"شادی کی بہت بہت مبارک ہو ہادی!"

مرحہ ہادی کے پاس سے اٹھ کر تھوڑا فاصلے پر چلی گئی۔ ہادی نے نوٹس تو کیا لیکن کال کے دوران کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

"شکریہ۔ آپ کو بھی بیٹے کی مبارک ہو۔"

"تم بنا بتائے اتنی دور چلے گئے۔ مجھے تو کامران نے بتایا۔ سچ کہوں تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔"

"کچھ فیصلے ہم نہیں کرتے ہماری قسمت میں لکھے ہوتے ہیں۔"

"یہ تو ہے۔ میں تمہارے لیے خوش ہوں۔ اچھا چلو اب تم لوگ باہر ہوا انجوائے کرو۔ کسی وقت فرصت میں کال کریں گے۔"

فون بند کر کے ہادی مرحہ کے پاس آیا۔ کتنی ہی دیر نہ مرحہ نے بات کی نہ ہادی نے۔ کچھ دیر بعد سیاہ مجسموں کے آسمانی لبادوں والے فاؤنٹین کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ سنہری رنگ کے سروں والی عورتوں کے ہونٹوں سے پانی بہہ رہا تھا اور کنارے برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"میں جب پہلی بار تمہیں ملنے واپس گئی تو اسریٰ ملی مجھے۔ تمہاری اموجان کے انتقال کے کچھ دن بعد کی بات ہے۔ اسریٰ نے مجھ سے کہا تم اور فاطمہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور تمہاری منگنی بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اس نے بتایا کہ میرے یہاں آنے کے تھوڑے دن بعد تمہاری شادی تھی۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہادی! میں ایئرپورٹ سے سیدھا تم سے ملنے گئی تھی اور اس سب کے بعد تو واپس آنے کے بھی قابل نہیں رہی تھی۔ وہ مجھے بتا دیتی یہ سب مجبوری میں ہوا یا کچھ بھی۔

مگر اس نے یہ کہہ کر اس جھیل پر تمہارے ساتھ گزرے سکون کے سارے لمحے جھوٹ کر دیے تھے۔ انہیں فریب بنا دیا تھا۔ تم سوچ نہیں سکتے میں کس مشکل سے وہاں سے نکلی اور پھر جھیل پر بیٹھی روتی رہی۔ وہ جھیل میرے آنسوؤں کی گواہ ہے ہادی۔ تم اس سے پوچھنا وہ تمہیں بتائے گی۔"

"اس نے بتایا تھا مجھے مگر مجھے بہت دیر میں سمجھ میں آیا۔" ہادی کو اموجان کے انتقال کے بعد جھیل پر اپنا ایک دورہ یاد آ گیا۔ وہاں تازہ تازہ پھول ایک جگہ اکٹھے کیے ہوئے پڑے تھے۔ نہیں رکھے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا تھا جھیل دریافت کر لی گئی ہے۔ کوئی اور ہے جو اب اس جھیل سے اپنا سکون کشید کرے گا۔ پھر جب جب وہ وہاں گیا وہ اسے وحشت زدہ ہی ملی سوائے ایک دو بار کے۔

"میرے پاس کچھ پھول پڑے ہیں کسی کتاب میں جو کوئی اکٹھے کر کے میری نشست پر چھوڑ آیا تھا۔"

"ہادی میں نے.. وہ میں نے رکھے تھے۔ ہر بار رکھ کر آتی رہی ہوں۔" وہ رونے لگی تھی۔

"میں ہوں یہاں سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب کیوں رونا ہے۔"

"مجھے اسریٰ نہیں پسند۔ اب وہ کال کرے تو اس سے بات مت کرنا۔ ٹھیک ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی اور ہادی نے ایسے سر ہلایا جیسے کسی بچے کو تسلی دینے کے لیے اس کی بات سنے بغیر ہاں میں ہاں ملا دی جاتی ہے۔

☆☆☆

چھٹیاں گزار کر وہ سب گلاسگو چلے آئے تھے۔ مرحہ کی جاب شروع ہو گئی تھی۔ فینی اپنی فلاور شاپ پر بیٹھی رہتیں۔ عمر کا ایک بڑا حصہ گزارنے کے بعد بھی انہیں کتابوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہوا تھا۔ برہان کی صحبت نے اس معاملے میں اس پر ذرا اثر نہیں کیا تھا۔ برہان نے گزرے سالوں میں اپنی بک شاپ کا کام بہت پھیلا لیا تھا۔ ایک ہال نما کمرے سے شروع ہونے والی بک شاپ نے مکان کے عقبی حصے پر مکمل طور پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔

اس روز ہادی اسٹیٹ ایجنٹ سے ملنے گیا۔ اس کے پاس جو پیسے تھے وہ ان سے کوئی کام کاروبار شروع کرنا چاہتا تو کر لیتا لیکن کاروبار سے پہلے گھر کی ضرورت تھی۔ وہ فی الحال نوکری کر سکتا تھا مگر ساری زندگی دوسروں کے گھر تو گزار نہیں سکتا تھا۔ قدرتی طور پر اس کے بجٹ میں ایک پرانا بنا ہوا گھر مل رہا تھا۔ گھر اسے پسند بھی آیا تھا۔ اس گھر کا پلس پوائنٹ یہ تھا کہ یہ ایبے ڈرائیو سے زیادہ دور نہیں تھا۔ مرحہ کو ساتھ لے جا کر گھر پسند کروانے کی دیر تھی اس کے بعد گھر ان کا ہوتا۔ مرحہ اسے واپس جاتے ہوئے راستے میں ہی مل گئی۔

"تو آج میرے بغیر سیر ہو رہی ہے۔" مرحہ نے گاڑی اس کے قریب روک کر کہا۔

"تمہارے بغیر تو اب کچھ بھی ہو نہیں سکتا۔ گیس کرو کہاں سے آ رہا ہوں۔" دروازہ کھول کر وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں گرم جوشی نے مرحہ کو سوچ میں ڈال دیا۔

"کہاں سے؟ آئم ناٹ گڈ ایٹ گیسنگ گیمز۔"

"میں ابھی ابھی اسٹیٹ ایجنٹ سے مل کر آ رہا ہوں۔ اپنے گھر کے لیے۔" اس نے خوشی خوشی بتایا اور اسے امید تھی وہ بھی اسی طرح خوش ہو گی مگر مرحہ نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔ "واٹ؟"

"میں نے فائنل نہیں کیا اگر تمہیں پسند آیا تو ہی فائنل کریں گے اور ہے بھی یہاں.."

"ہادی ہمیں گھر کی کیا ضرورت ہے؟ ہم یہاں رہ تو رہے ہیں۔"

"وہ ہمارا نہیں تمہارے پیرنٹس کا گھر ہے۔"

"کیا انہوں نے تم سے کچھ کہا؟"

"نہیں مگر.."

"فار گاڈ سیک ہادی! اچھا بھلا سب چل رہا ہے چلنے دو۔" مرحہ نے سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

"مجھے تمہاری ضد کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ہمیں آج یا کل اپنے گھر شفٹ ہونا ہی ہے تو پھر دیر کس بات کی؟"

"مم اور ڈیڈ کے پاس میرے علاوہ کون ہے؟ ان کا جو بھی ہے ہمارا ہی تو ہے۔ پھر کیوں بلاوجہ کی

www.aitfatab.com

جھوٹی انا اور اکڑ دکھائی؟" اس نے گھر کے سامنے گاڑی ایک طرف لگائی۔

مرحہ کی بات پر ہادی کو کرنٹ لگا تھا۔ "تو تمہیں لگتا ہے میں جھوٹی اکڑ دکھا رہا ہوں؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ جو تم کہہ رہے ہو یہ ریئلسٹک نہیں ہے۔ میں بس یہ کہہ رہی ہوں۔"

گھر کے باہر گاڑی میں بیٹھے بحث طول پکڑتی جا رہی تھی۔

"ہمارا اپنے گھر میں منتقل ہونا ریئلسٹک نہیں ہے؟ کیا میں تمہیں گھر نہیں دے سکتا؟" ہادی اس کی طرف منہ موڑے پوچھ رہا تھا۔

"اوکے.. بی اوبیسٹ۔ تم مجھے اس گھر جیسی سہولتیں دینے کی پوزیشن میں نہیں ہو، یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ سارے پیسے اگر تم گھر پر لگا دو گے تو ہم کھائیں گے کیا؟ یقیناً اگر تم اپنی بیوی کے والدین کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے تو تمہاری مشرقی انا تمہاری بیوی کی کمائی کھانے کی اجازت بھی نہیں دے گی۔ ایم آئی رائٹ مسٹر ہادی؟"

اپنے اندر اٹھتے غصے کو ہادی نے بڑی مشکل قابو کیا تھا۔ "میں وہ گھر خرید رہا ہوں۔ جو میں کھاؤں گا تمہیں بھی کھلا دوں گا جو یقیناً تمہارے والدین کے گھر جیسا اچھا تو نہیں ہوگا۔ اب اگر میرے ساتھ رہنا ہو تو میرے ساتھ چلنا ورنہ جو چاہے کرتی پھرو۔"

فون پر آتی کامران کی کال ریسیو کر کے اس نے فون کان سے لگایا اور مرحہ کا جواب سنے بغیر گاڑی سے نکل کر تیزی سے فلاور شاپ میں گھس گیا۔ یہ بھی شکر تھا کہ فینی اس وقت بک شاپ میں تھیں۔

☆☆☆

فینی کے سر میں درد تھا سو وہ کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ مرحہ ابھی جاب سے واپس نہیں آئی تھی۔ برہان رات کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ تقریباً سب تیار ہو چکا تھا۔ میز لگ چکی تھی۔ وہ اوون سے پائی نکال رہے تھے جب فینی باورچی خانے میں داخل ہوئیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"بہتر۔ مرحہ نہیں آئی ابھی؟"

"آتی ہی ہوگی۔" برہان نے پائی نکال کر شیلف پر رکھی اور گلوز اتار کر اسٹینڈ میں پھینکا۔ فینی نے ابرو اچکا کر دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ برہان کی بے ترتیبی والی عادت آج تک نہیں بدلی تھی اور نہ ہی وہ عادی ہوئی تھیں۔

"یہ مرحہ اور ہادی کے درمیان کیا چل رہا ہے؟" شیشے کے گلاس میں پانی ڈال کر فینی نے لبوں سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں میں سرخی تھی اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔

ہاتھ تولیے سے صاف کرتے وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ "مجھے بھی بہت عجیب لگ رہا ہے جب سے اس نے گھر لیا ہے کوئی ایک آدھ چکر ہی لگایا ہے وہ بھی مرحہ کی غیر موجودگی میں اور مرحہ بھی کام پہ جاتی ہے اور سیدھا گھر آ جاتی ہے۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے کیا بات ہے؟"

"شاید گھر کو لے کر کوئی مسئلہ ہو یا پتا نہیں۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"میں کرتا ہوں بات ان سے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں خود کرنے دو سب ورنہ اڑان کے قابل نہیں رہیں گے۔" فینی نے ان کی بات سرے سے رد کر دی تھی۔ "ان کا نیا نیا رشتہ ہے۔ وقت لگے گا ابھی گرہیں کھول کر ایک دوسرے کے قریب جاتے۔"

"بس نئی جنریشن کا یہی تو رونا ہے ذرا سی دل لگی کو، پسندیدگی کو محبت سمجھ بیٹھتے ہیں اور جب محبت کا وقت آتا ہے تو ٹائیں ٹائیں فش۔"

"یہ ویسے ساری نئی جنریشنز کا رونا ہوتا ہے۔ اپنی جنریشن کا، اپنا بھول گئے؟"

فینی کی بات پر برہان جھینپ کر رہ گئے۔

"اولڈ مین! دنیا میں سب سے آسان کام تنقید

کرنا ہے پھر چاہے وہ انفرادی طور پر کی جائے یا اجتماعی طور پر۔ ہر جنریشن اپنے اصول خود وضع کرتی ہے۔ ہم نے بھی کیے تھے اب ان کا وقت ہے اس لیے تنقید نہیں بلکہ ان کا حوصلہ بڑھاؤ۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے کم سے کم زندگی گزارنے کے لیے حوصلہ تو دے سکتے ہیں۔"

"سب کچھ ٹھیک کہا ہوگا تم نے، میں بنا سمجھے بھی اتفاق کرتا ہوں مگر یہ اولڈ مین کسے کہا ہے؟" برہان کے کھانے کی طرف بڑھتے ہاتھ وہیں رکے ہوئے تھے۔ فینی نے مختصر قہقہہ لگایا اور کرسی کھینچ کر اس کے برابر کرتے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

دروازے سے اندر راہداری میں کھڑی مرحہ نے ان کی محبت کا مظاہرہ ہی دیکھا تھا۔ دل دکھ سے بھر گیا۔ "ہیٹ یو ہادی" اس نے تصور میں اسے مخاطب کہا۔

☆☆☆

گھر لینے کے بعد ہادی اس کی سیٹنگ میں جت گیا تھا۔ فینی اور برہان نے اسے کتنی بار کہا تھا کہ وہ کم سے کم کھانے کے وقت تو آ جایا کرے مگر پچھلے کچھ دنوں میں مرحہ کے ساتھ پے در پے بحثیں ہوتی رہی تھیں اس کے بعد اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا وہاں جانے کا۔

کارپینٹر کو بلوا کر اس نے مرکزی دروازے کی مرمت کروائی اور کشادہ لان کے گرد باڑ لگوائی۔ بہار موسم آنے والا تھا اس کی مناسبت سے اس نے لان میں پودے لگائے تھے۔ پینٹ کا سارا کام اس نے خود کیا تھا۔ اندر بھرے غصے کو باہر نکالنے کے لیے اسے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ملا تھا کہ وہ خود کو جسمانی طور پر مصروف کر لے، اتنا تھکا لے کہ ذہن کچھ سوچنے کے قابل ہی نہ رہے۔ یہی اگر مرحہ ساتھ ہوتی تو یہ سارے کام کتنی خوشی خوشی کیے جا سکتے تھے۔

زندگی کبھی بھی بہتر نہیں ہوتی۔ اسے بہتر بنانا پڑتا ہے اور وہ اسے بہتر بنانے پر کام کر رہا تھا مگر مرحہ پتا نہیں کیا کر رہی تھی۔ وہ ایک بار بھی گھر دیکھنے نہیں آئی تھی۔ کافی دن ہو گئے تھے اب تو اسے وہاں گئے ہوئے بھی۔ پتا نہیں برہان اور فینی کیا سوچتے ہوں گے۔ جب مرحہ کو پروا نہیں تو اسے کیا ضرورت پڑی تھی ان کی فکر میں گھلنے کی۔ پتھر کی نیم پلیٹ پر "مرحہ اور ہادی کی جنت" کے الفاظ کھدے ہوئے تھے۔ یہ بننے کے لیے دیتے ہوئے اسے یقین تھا کہ جب تک یہ بن کر آئے گی تب تک مرحہ یقیناً آ چکی ہو گی۔

غصے میں اس نے وہ نیم پلیٹ اٹھا کر زمین پر دے ماری۔ تو یہ تھا ہادی کا خواب؟ گھر بار چھوڑ کر یہاں پردیس میں نئے موسموں کے ساتھ دوستی کرنے، راستوں سے مانوس ہوتے اس نے ایک بار بھی اس طرح کی زندگی کا نہیں سوچا تھا۔ بڑی شدت سے دل کیا کہ وہ پاکستان چلا جائے مگر پاکستان میں کون تھا جس کے پاس وہ جاتا؟ چیزوں کو ٹھوکریں مارتا وہ بے بسی سے اندر کاؤچ پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس کا فون بج رہا تھا۔ کافی دیر نظر انداز کرنے کے بعد اس نے دیکھا۔ برہان کا فون تھا۔

"میں باہر کھڑا ہوں۔"

ٹی شرٹ سے گرد جھاڑ کر اس نے ہاتھ سے بالوں کو سنوارا اور دروازہ کھولنے چلا گیا۔

"تم نے تو اس کی شکل ہی بدل ڈالی لڑکے۔" برہان کے لہجے میں ستائش تھی۔ وہ روش چھوڑ کر لان میں آ گئے۔ "مجھے بہت پسند ہیں کھلی جگہیں اور یہ پیڑ پودے مگر میرے گھر میں ایسی کوئی سہولت موجود نہیں۔" وہ ہنسے۔

"تمہیں کم سے کم مرحہ کو ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔"

ایک بار تو ہادی کا دل چاہا کہ وہ کہہ دے آپ کی لاڈلی اپنی مرضی سے نہیں آ رہی مگر اس کی وضع داری آڑے آ گئی۔ "اسے اس سب کی عادت نہیں ہے تو یونہی پریشان ہوگی۔ بس اسی لیے۔"

"تو کیا تمہیں اس سب کی پہلے سے پریکٹس

www.aliftadab.com

ہے؟" لان سے گزر کر وہ روش پر چلنے لگے۔

"نہیں لیکن اسے جاب پر جانا ہوتا ہے۔ میں نے کیا کرنا ہے؟ گھر میں پڑا رہوں گا۔"

برہان نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تو تم جاب کیوں نہیں کر لیتے؟"

"جی یہ کام ختم ہو جائے تو کرتا ہوں کچھ۔"

"تم ایسا کرو میرے پاس آ جاؤ۔ مجھ سے آج کل کام سنبھالا نہیں جا رہا۔ کتابیں موجود ہوتی ہیں مگر گاہک کے پوچھنے پر یاد نہیں آتا کہ یہ کتاب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کہاں ہے۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔" ان کے ہنسنے میں بھی ایک تھکن تھی۔ کہتے کہتے برہان کی نظر پتھر کی اس ٹوٹی نیم پلیٹ پر پڑی مگر اس نے نظر انداز کر دیا۔ "میں اپنے کام کا گھرا بندہ ہوں تنخواہ کے معاملے میں تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔"

ہادی مسکرا کر رہ گیا۔

"تو پھر تم کب سے آ رہے ہو؟"

"جی؟" وہ گڑبڑا گیا۔

"جاب پر کب سے آ رہے ہو؟ میں تو کہتا ہوں کل سے آ جاؤ۔"

ہادی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ انہیں کیسے ٹالے۔ "اصل میں.."

"دیکھو ہادی! میں آج مر جاؤں یہ دوکان ختم ہو جائے گی۔ فینی اسے چاہ کر بھی چلا نہیں سکے گی، اس میں کنس نہیں اور مرحہ کو دلچسپی نہیں۔ تم سب سنبھال سکتے ہو۔ اپنی صحت کے پیشِ نظر میں نے ریٹائرمنٹ کے بعد کوئی جاب نہیں کی، میں کر ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر جب ابو نے مجھے اپنی جمع پونجی تھمائی تو میرے ذہن میں بس ایک مصروفیت تھی۔ اب یہ کام بن گئی ہے۔ مجھ سے کام نہیں ہوتا۔ اب صبح تم آ رہے ہو۔ ٹھیک ہے؟"

"جی ٹھیک۔"

"اور گھر کب آ رہے ہو؟"

"میں.. کچھ کہہ نہیں سکتا۔ تھوڑا اور کام ہے۔"

"کام تو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ تم آج رات چلے آؤ کھانا ساتھ کھاتے ہیں۔"

برہان جو ہادی اور مرحہ کے درمیان بڑھتی خلیج نہ دیکھ سکتے تھے۔ ہادی کے آنے سے پہلے انہوں نے مرحہ کو بلا کر ڈھکے چھپے الفاظ میں اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ اس کا گھر وہی ہے جہاں ہادی ہے اور اسے ہادی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اس رات کھانے کے بعد برہان کی باتوں سے دلبرداشتہ مرحہ اپنا مختصر سامان اٹھا کر ہادی کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

"مجھے اس کے بیوقوف ہونے میں کبھی کوئی شک نہیں رہا مگر تم مجھے پہلے دن سے سمجھ دار لگے تھے۔ زندگی انگوروں کی طرح ہے اس سے اپنے حصے کی خوشیاں خود کشید کرنی پڑتی ہیں۔ دوسروں کے انتظار میں رہو گے تو سارے انگور گل سڑ جائیں گے۔ سمجھ گئے؟" نکلتے ہوئے برہان نے آہستہ سے ہادی کے کان میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔

☆☆☆

یہ گھر اتنا بھی برا نہیں تھا جتنا اس نے سوچا تھا۔ ایڈنبرگ میں گرینڈما کے گھر میں بھی لان نہیں تھا نہ ہی ان کے اپنے گھر میں تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے پیرنٹس کے گھر میں۔ اس کا گھر تو یہ تھا جہاں ہادی تھا۔ تازہ تازہ سفید روغن کی مہک نے ان کا استقبال کیا۔

"سوری مجھے نہیں پتا تھا واپسی پر تم میرے ساتھ آؤ گی۔" ہادی نے کاؤچ سے کپڑے سمیٹ کر ایک طرف کیے۔ میز پر برتنوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ ہادی گھر کی سیٹنگ میں مصروف رہا ورنہ یہ سب اتنا بکھرا ہوا نہ ہوتا۔ مرحہ بیٹھ گئی اور ہادی نے برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں رکھے۔ مرحہ اس کے پیچھے آ گئی۔ وہ سنک کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔

"آئم سوری ہادی۔" اس کی پشت سے سر ٹکائے وہ کہہ رہی تھی اور ساری پریشانیاں کافور ہو گئی تھیں۔ دل ایسے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا جیسے تتلی کا

"اس گھر کے لیے تھینک یو، میری زندگی میں آنے کے لیے تھینک یو۔"

"سب کہہ دینا بس یہ مت کہنا جو میں سننا چاہتا ہوں۔"

"اب تم کیا سننا چاہتے ہو یہ تمہیں پتا ہوگا۔"

"آئی لو یو، اور کیا۔"

"آئی لو یو ٹو، اور کیا۔" مرحہ نے اسی کے لہجے میں کہا تو وہ اس کی شرارت سمجھ گیا۔

"ویسے تم نے تو کوئی خوش خبری سنائی نہیں تو میں ہی تمہیں کوئی خوشخبری سنا دیتا ہوں۔" اس کے کندھوں کے گرد بازو لپیٹے وہ اسے ساتھ لے کر باورچی خانے سے باہر نکل آیا۔

"لیکن تم کیسے پریگنینٹ ہو سکتے ہو؟" روانی میں اس کے منہ سے نکل گیا اور پھر وہ بڑا پچھتائی۔

"نہیں میری خوش خبری اس لیول کی نہیں ہے۔ مجھے جاب مل گئی ہے اور دوسری خوش خبری تم مجھے دو گی۔" بیڈروم کا دروازہ کھولے وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ مرحہ آہستہ سے اس کی بانہوں کے گھیرے سے نکلی۔

"ابھی تو سوچنا بھی مت۔ ابھی میری ایج ہی کیا ہے۔"

اس کے لہجے کی سنجیدگی دیکھ کر ہادی جانتا تھا یہ بحث طویل ہو جائے گی اور اس کا انجام بھی کچھ اچھا نہیں ہوگا۔ اس لیے وقتی طور پر اس نے اس موضوع کو موقوف کر دیا۔ اپنے گھر میں ان کی پہلی رات تھی اور اسے وہ بلاوجہ کی تلخی میں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اگلی صبح مرحہ جاب پر چلی گئی اور خود کو مصروف رکھنے کے لیے خود ساختہ کاموں کو چھوڑ کر وہ بھی بک شاپ پر چلا گیا۔ اس کا کھلا کھلا موڈ برہان کو یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ ان کی ترکیب کارگر رہی تھی۔

☆☆☆

بک شاپ سے واپسی پر وہ فینی سے مرحہ کے لیے پھول لے کر آیا تھا۔ فینی نے اسے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی لیکن وہ اپنے گھر میں مرحہ کے ساتھ کھانا کھانا چاہتا تھا۔ پاستا بریڈز اور سالسز وغیرہ خریدتے اسے وہ وقت یاد آ گیا جب وہ اسی طرح فاطمہ کے لیے خریداری کرتا تھا کہ اسے بازار نہ جانا پڑے۔ مرحہ آتے وقت اس سے بھی زیادہ چیزیں خرید کر لے آئی تھی۔

"اوہ مائی گڈنیس۔ مجھے نہیں پتا تھا تم بھی یہ سب لے آؤ گے۔" شیلف پر پڑی چیزیں دیکھ کر وہ ہنسنے لگی۔

"اچھا ہے اب کچھ دن بے فکری سے کھائیں گے۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"مل کر کھانا بنائیں؟" مرحہ کو برہان اور فینی کا مل کر کام کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

"مجھے اتنا کچھ اچھا بنانا نہیں آتا اور تم بھی دیکھ لو اگر نہیں بنانا تو کوئی بات نہیں۔ باہر کہیں چلتے ہیں۔"

"نہیں بنا لیتے ہیں اور مل کر کریں گے تو کچھ نہ کچھ تو بنا ہی لیں گے۔"

ناکافی برتن اور ناکافی مصالحہ جات۔ میز پر کھانے رکھے پہلے تو مرحہ دیکھتی رہی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اتنا ہنسی کے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

"کیا ہوا؟"

"ہونا کیا ہے۔ یہ سوچ رہی ہوں اپنے گھر میں یہ پہلا کھانا ہے جو ہم نے مل کر بنایا ہے اور کیا بنایا ہے؟ سب اتنا عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"بچے کا پہلا قدم کبھی بھی ہموار نہیں پڑتا۔ ہم نے شروعات کر ہی ہے ناں اب ان شاء اللہ آہستہ آہستہ سب ہو جائے گا۔"

کھانے کے برتن باورچی خانے میں رکھ کر مرحہ باہر نکلی تو ہادی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ "یہ لڑکی اس کی زندگی کا وہ خواب تھا جسے دیکھنے کی اس نے جرأت بھی نہیں کی تھی لیکن قدرت نے کیسے اس کا ساتھ مہیا کر دیا تھا۔ فینی کی شاپ سے لیا پھول اس نے مرحہ کے جوڑے میں لگا دیا۔ باہر بارش ہو رہی

www.atifadab.com

تھی۔ مرحہ نے سرمئی رنگ کی ہلکی سی شرٹ اور سفید ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔ ہادی سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ ہی ٹراؤزر پہنے ہوئے تھا۔

"تم نے دیکھا یہاں کتنی بارشیں ہوتی ہیں اور تم کہتے تھے تمہارے ملک میں بارش ہوتی ہے۔"

"میں جھوٹ کہتا تھا۔ سوری۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"کمرے میں ایک کھڑکی ہونی چاہیے تھی تا کہ سوتے وقت ہم بارش کی آواز سن سکیں۔"

گھر کے لیے یہ اس نے پہلی خواہش کی تھی۔

"کھڑکی بھی بن جائے گی۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ تب تک ہم یہاں باہر سوتے ہیں ہال میں۔"

"اب اتنی بھی جلدی نہیں مجھے۔" وہ ہنسی۔

☆☆☆

رات کا پہلا پہر تھا اور ہادی کے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ کال سائلنٹ کر کے آہستگی سے بستر چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا۔

"ہاں کامران بولو۔"

"تم سو رہے تھے؟ اوہ یار سوری۔ میں اصل میں ٹائم کیلکولیٹ کرنا بھول گیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم کہو سب خیریت ہے گھر میں؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں خیریت ہے بس یہ بتانا تھا کہ کسی نے ماہین کو آنکھیں ڈونیٹ کی ہیں اس لیے اب اس کا آپریشن ہے۔"

مرحہ کی آنکھ کھلی تو باہر سے ہادی کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ سلیپر پہن کر وہ بھی اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔

"زبردست . . مجھے کنفرم کرو کب ہے آپریشن۔ میں آ جاؤں گا۔"

"ہاں ضرور۔ تم اب ریسٹ کرو۔ کرتے ہیں پھر بات۔"

"تھینک یو کامی۔"

"کس بات کا تھینک یو یار۔"

"میں جانتا ہوں تم اسے پسند نہیں کرتے اس کے باوجود اس کی بیٹی کے علاج کے لیے تم نے اتنی مدد کی۔"

"دیکھو یار وہ میرے لیے تمہاری بیٹی ہے اور تمہارے دیے پیسوں سے اس کا علاج کروانا کون سی بڑی بات ہے۔" رات کے سناٹے میں ایئر پیس سے نکلنے والی آواز ہادی سے کچھ فاصلے پر کھڑی مرحہ کو بھی بآسانی سنائی دے رہی تھی۔

"پھر بھی کسی ایسے کے لیے وقت نکالنا جسے آپ ناپسند کرتے ہوں، بہت بات ہے۔"

"واپس آؤ گے تو کر لیں گے یہ شکریہ وغیرہ جاؤ جا کر سو جاؤ ابھی۔ میں بھی کھانا کھا لوں۔"

فون بند کر کے وہ واپس پلٹا تو مرحہ شاک کی حالت میں کھڑی تھی۔ "تم پاکستان نہیں جا رہے ہو۔ ہے ناں؟"

"ابھی نہیں جا رہا لیکن . . جانا ہے۔"

"کیوں ہادی؟ اب کیا رہ گیا ہے وہاں؟"

"ماہین کی آنکھوں کا آپریشن ہے۔ اس کے لیے۔"

"تو تم پیسے بھیجتے تو ہو نا نہیں اور ہمیں اس سے کیا وہاں کوئی جیے یا مرے۔"

"وہ کوئی نہیں میری بیٹی ہے۔"

"اوہ ہادی ڈونٹ ڈو دس ٹو می۔ وہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔" مرحہ نے طنزیہ لہجے میں کہہ کر ہادی کو آگ لگا دی تھی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ وہ میری بیٹی ہے۔ میں نے کبھی نہیں سمجھا کہ وہ میری بیٹی نہیں ہے۔"

"وہی بیٹی جسے تم کچھ دیر پہلے اس کی بیٹی اس کی بیٹی کہہ رہے تھے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ فاطمہ کو دیکھنے جا رہے ہو تمہاری جدائی میں وہ کس حال میں ہے۔"

"الف . . مجھے اس طرح کی اوچھی حرکتیں

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں رہ کر بھی جانتا ہوں وہ کس حال میں ہے۔ اس سے آگے مجھے کچھ نہیں سننا۔" انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتے وہ واپس کمرے میں آ گیا۔ مرحہ بھی کمرے میں آ گئی۔ اس کو غصے میں دیکھ کر مرحہ نے ٹون بدلی۔ "دیکھو جب تک تمہاری اور فاطمہ کی شادی رہی تم نے اسے بیٹی کی طرح سمجھا، اب وہ شادی ختم ہو گئی ہے اور تمہاری ذمہ داری بھی۔ پھر کیوں جانا ہے؟"

"یہ زندگی ہے۔ میں کسی ڈرامے میں اس کے باپ کر کردار نہیں ادا کر رہا تھا کہ رول بدلتے ہی میں اس محبت سے دستبردار ہو جاؤں جو میں اس سے کرتا رہا ہوں۔ وہ پہلے بھی میری بیٹی تھی اور اب بھی ہے۔ اینڈ آف ڈسکشن۔"

"ناٹ اینڈ.. وہ فاطمہ کی ناجائز بیٹی.."

"ایک لفظ بھی مت کہنا۔ سمجھیں تم۔" وہ غرایا۔

"اگر تم پاکستان گئے تو ایک بات اپنے ذہن میں رکھنا میں واپسی پر تمہیں نہیں ملوں گی۔" غصے میں کہہ کر بستر پر دراز ہو کر اس نے رخ موڑ لیا۔

☆☆☆

اگلے دن اس کے جاب سے واپس آنے سے پہلے ہادی پاکستان چلا گیا تھا۔ مرحہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ چلا گیا ہے۔ غصے میں اس نے شیلف پر پڑے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے گلدان اٹھا کر نیچے پھینک دیے۔ اپنا مختصر سامان سمیٹا اور ایسے ڈرائیو چلی گئی۔ فینی اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔ ابھی رات وہ گئی تھی اور آج پھر واپس آ گئی تھی۔ برہان بھی شاپ بند کر کے آئے تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ہادی کہاں ہے؟ جاب کا دوسرا دن اور اس نے چھٹی کر لی۔ ٹھیک ہے اس کی شادی نئی نئی ہے مگر کام اس طرح ہوتے ہیں کیا؟" برہان نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"وہ آپ کے پاس جاب کر رہا تھا؟" مرحہ نے ان کی طرف رخ موڑ کر پوچھا۔

"تھا کا کیا مطلب ہے؟ اب نہیں کر رہا کیا؟" جھجکتے ہوئے بتایا۔

"وہ.. پاکستان واپس چلا گیا ہے۔" اس نے

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے سب؟" برہان کو ایک دم پریشانی نے آن گھیرا۔ فینی بھی ان کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

"اس کی بیٹی کی آنکھوں کا آپریشن ہوا ہے۔"

"ہادی کی بیٹی بھی ہے؟" دونوں نے حیران ہو کر یک زبان پوچھا۔

"نہیں. اس کی نہیں ہے۔"

ہادی نے جو اسے بتایا تھا اور اس نے جو باتیں فاطمہ کے بارے میں پہلے روک لی تھیں وہ ساری بتا دی تھیں۔

☆☆☆

ہادی کے منع کرنے کے باوجود کامران اسے لینے ایئر پورٹ آ گیا تھا۔ وہیں سے سیدھا اسپتال چلے گئے۔ نیم وا دروازے سے فاطمہ دکھائی دے رہی تھی۔ گزرے سال سوا سال نے اس کا روپ کھا لیا تھا۔ موٹی تو وہ پہلے بھی نہیں تھی لیکن اب اتنی دبلی ہو چکی تھی جیسے کئی دن سے کچھ کھایا نہ ہو۔ چہرے پر تفکر کی گہری لکیریں لیے وہ ماہین کے بیڈ کے پاس بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہادی کھلے دروازے میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے سے پہلے وہ نظریں چرا گیا۔ فاطمہ نے اسے دیکھا اور دوپٹہ ٹھیک کر کے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ماہی . . بتاؤ کون آیا ہے۔ سم ون ویری اسپیشل۔"

"پاپا۔" اس نے بلا تامل جواب دیا۔ ہادی نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کہاں چلے گئے تھے؟ ماما کہہ رہی تھیں آپ بہت دور رہتے ہیں اور اب کبھی واپس نہیں آئیں گے۔" اس کی بات پر فاطمہ نے شرمندگی سے منہ پھیر لیا۔

www.alfaqab.com

"آپ کو پتا ہے ڈاکٹر انکل کہہ رہے ہیں اب میں آپ کو دیکھ سکوں گی۔ اب تو نہیں جائیں گے؟" بات کرتے کرتے اسے پھر یاد آ گیا۔

"اب جہاں بھی گیا آپ کو لے کر جاؤں گا۔" اس نے پہلو سے لگا کر اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ فاطمہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

اس شخص کے ساتھ تعلق کو اس نے کچھ سمجھا نہیں تھا لیکن گزرے وقت نے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ وہاب نے بمشکل اسے عدت پوری ہونے تک رکھا اور پھر معذرت کر لی۔ اس نے سوچا تھا عدت پوری ہو جائے تو شعیب سے شادی کر لے گی اور اس نے بھی یہی کہا تھا لیکن وہ ماہین کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"جس کی بیٹی ہے اسے کہو سنبھالے اسے۔ میں اپنے گھر میں اس کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔"

تب اسے احساس ہوا کہ ہادی کا دل کتنا بڑا تھا۔ شعیب کو تو ابھی یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ کسی گناہ کی پیداوار ہے جب کہ ہادی سے تو کچھ چھپا نہیں تھا۔ اس بات پر شعیب نے راستہ الگ کر لیا تھا۔ اتنے سالوں کا تعلق وہ ایسے توڑ گیا جیسے تھا ہی نہیں۔ وہ عزت کے مفہوم سے آشنا تھی ہی نہیں۔ وہ ہادی کے ساتھ عزت کے مقام پر تھی مگر وہ نہ ہادی سے محبت کر سکی نہ اسے عزت دے سکی۔

وہاب کے گھر سے نکلی تو کہاں جاتی؟ کامران نے پہلے ہی دوٹوک الفاظ میں اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے کسی نرمی کی توقع نہ رکھے۔ یہ تو اسریٰ کا بھلا ہوا جس نے منت ترلے کر کے کامران کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اسے سرونٹ کوارٹر میں رہنے دے۔ یہ جو آپریشن ہوا تھا یہ بھی ہادی ہی کے پیسوں سے ہوا تھا۔ اب بھی وہ ایک فون کال پر چلا آیا تھا۔ زندگی نے اسے موقع دیا تھا اپنی غلطی سدھارنے کا مگر اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی بہت دیر سے کھلی۔ وہ کتنی ہی دیر باہر کھڑی روتی رہی۔

اسریٰ گھر میں بچوں کے پاس تھی۔ وہ اسپتال رکنا چاہتا تھا لیکن کامران اسے لے کر گھر آ گیا۔ اسریٰ بچوں کو سلا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

"ہادی مجھے یقین نہیں تھا تم آؤ گے اور میں تمہیں کبھی دوبارہ روبرو دیکھ سکوں گی۔" ہ

"میں ملک سے گیا تھا دنیا سے نہیں۔"

"اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کرتے ہو۔ مرحہ کیسی ہے؟"

"بعد میں یہ سارے سوال جواب ہو جائیں گے ابھی کھانے کا انتظام ہو جائے تو بڑی مہربانی۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے اسریٰ کھانا گرم کرنے چلی گئی۔ وہ لوگ تروتازہ ہو کر آئے تو کھانا لگ چکا تھا۔ اسریٰ نے بڑا پر تکلف انتظام کیا ہوا تھا۔

"آپ کو واقعی لگ رہا ہے میں یہاں آخری بار کھانا کھا رہا ہوں؟ کچھ اہتمام اگلی بار کے لیے بھی چھوڑ دینا تھا۔"

"ابھی تو میٹھا باقی ہے۔" کامران نے کہا تو اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"میرے بھائی مجھے کھانا روز ملتا ہے اس لیے یہ میٹھا اسے مبارک جسے کبھی کبھی ملتا ہے۔ تم میٹھا کھاؤ مجھے بس ایک کپ چائے چاہیے۔"

ہادی کی بات پر کامران نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر سر ہلا کر دوبارہ کھانے میں مشغول ہو گیا۔

"میں ماہین کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں۔" اسریٰ چائے بنانے گئی تو اس نے کامران سے کہا۔ "مجھے بتاؤ پراسس ہونے میں بھی وقت لگے گا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو ہادی؟ تمہاری وہ انگریز بیوی برداشت کر لے گی اسے؟"

"کر لے گی یار۔ نہ بھی کرے تو اس کی مرضی ہے۔"

"ہادی" کامران نے انگلی اٹھا کر اسے سنجیدگی سے متنبہ کیا۔ "زندگی کھیل مذاق نہیں ہے۔ فاطمہ اور

اس کے ساتھ گزرے وقت سے کچھ سیکھو۔ باپ سگا ہو تب بھی عدالت بچے کی کسٹڈی باپ کو نہیں دیتی۔"

"کاغذات میں میں ہی اس کا باپ ہوں۔"

"میں اس کی ولدیت پر سوال نہیں اٹھا رہا۔ پہلے میری پوری بات سنو۔ بچے کے لیے ماں اس قدر اہم ہوتی ہے کہ عدالت بھی اتنے چھوٹے بچے کو باپ کی سرپرستی میں نہیں دیتی۔ تمہاری بیوی اس کی ماں نہیں بن سکے گی اور تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ یہاں فاطمہ ہے۔ وہ بہت بدل گئی ہے کچھ وقت میں ہی۔ ماہین سے لاڈ کرتی ہے پیار کرتی ہے، وہ تم اپنی بیوی سے زبردستی نہیں کروا سکو گے۔ دوسرا اپنے گھر پر توجہ دو۔ اللہ کی ذات تمہیں اولاد کی نعمت دے اور اس بچی کے بھی مقدر بھی اچھے کرے۔ تم اس کا خرچ بھیجتے ہو یہی کافی ہے۔"

اسریٰ کے آنے پر یہ بحث اختتام پذیر ہو گئی۔

☆☆☆

ہادی کو گئے کتنے دن ہو گئے تھے۔ مرحہ کی طبیعت بہت بیزار تھی۔ پتا نہیں اسے غصہ تھا یا اپنی ذات کا مان ٹوٹنے کا دکھ کہ بخار نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ اس نے کیسے رو رو کر ہادی کو بتایا تھا وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ کرتی ہوں گی لڑکیاں یونہی مگر یہ مرحہ تھی۔ مرحہ تو شہزادی تھی اپنے ڈیڈا کی، فینی کی لاڈلی دوست تھی مگر ہادی نے اس کی قدر نہیں کی تھی۔ یہ احساس دن رات کچوکے لگاتا رہتا اور وہ بخار میں تپتی روتی رہتی۔ جاب پر بھی نہیں جایا جا رہا تھا۔ برہان نے کتنی بار اسے کمرے سے نکالنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ ناشتے کے لیے وہ نیچے نہیں گئی تھی تو اب فینی اس کے لیے سوپ بنا کر لائی تھیں۔

"طبیعت کیسی ہے؟"

"پتا نہیں کیسی ہے۔" اس نے اسی بیزاری سے جواب دیا جس نے اسے پچھلے دنوں سے جکڑ رکھا تھا۔

"باہر موسم بہت اچھا ہے۔ باہر چل کر بیٹھیں؟" فینی کا اشارہ بالکونی کی طرف تھا۔

"ابھی بارش آ جائے گی تو پھر اندر آنا پڑے گا۔ ایک تو کتنی بارشیں ہوتی ہیں یہاں۔" آج تو پتا نہیں کیوں بار بار رونا آ رہا تھا۔ اب بھی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ہادی سے بات ہوئی؟"

"نہیں.. اب وہ بات کرے بھی تو مجھے نہیں کرنی۔ محبت کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں اس کے پیروں میں بچھ جاؤں۔ وہ جب چاہے آئے جائے جو مرضی کرے اور.."

"تم ہمیشہ برہان سے کہانی سنتی ہوں۔ آج میں تمہیں کہانی سناؤں؟" سوپ میں بریڈ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ڈالتے فینی نے اس کی بات کاٹی۔

"کون سی کہانی؟"

ٹرے اس کے آگے سرکا کر فینی نے اٹھ کر پردہ سرکایا اور دروازہ کھول دیا۔ ہوا کا سرد جھونکا اس پر کپکپی طاری کر گیا۔

"اسے بند رہنے دیں پلیز۔"

"کافی سال پہلے کی بات ہے ایک لڑکی کو چرچ آتے جاتے ایک لڑکے سے محبت ہو گئی۔ وہ لڑکا ملٹری میں تھا۔ شکل و صورت کا بھی اچھا تھا۔ پڑھا لکھا اور شریف.. ضرورت سے زیادہ شریف۔"

دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے اپنی کہانی کا آغاز کیا۔ "وہ لڑکا اس لڑکی کو پسند کرتا تھا، وہ لڑکی خوبصورت تھی، تعلیم یافتہ اور ایک اچھے عہدے پر تھی۔ وہ دونوں ملنے لگے اور ملتے ملاتے ساری حدیں پار کر گئے۔ وہ اس لڑکے سے شادی کا کہتی رہی اور اس دوران اس نے ایک بچی کو جنم دیا۔ لڑکے کے باپ نے اسے اپنی پراپرٹی میں سے حصہ دینے سے انکار کر دیا جب تک کہ وہ اس کی مرضی کی لڑکی سے شادی نہیں کر لیتا۔ اسی کشمکش میں ایک دن وہ لڑکا ایک ساتھی آفیسر کی غفلت کی وجہ سے موت کے منہ میں چلا گیا۔ لڑکی اکیلی رہ گئی اور اس

www.aiitadab.com

کے ساتھ وہ بچی۔"

انہماک سے سنتی مرحہ کے حلق میں نوالہ اٹکنے لگا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ برہان کی بیٹی نہ ہو اور فینی اسے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ برہان نے کبھی تو اسے فینی کی محبت میں برداشت کیا ہے۔ "اللہ نہ کرے پلیز۔" اس نے دل میں کہا۔

"تب اس لڑکی نے ایک دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ وہ شخص اس لڑکی سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور اس محبت سے کئی گنا زیادہ نفرت اس بچی سے کرتا تھا جو اس کی بیوی کی توجہ کھینچتی تھی۔ اپنی بیوی سے چھپ کر وہ اس بچی کو مارتا اور انسانی منڈی میں بیچ دینے کی دھمکیاں دیتا۔

وہ بچی جب تک بچی تھی اس کے قابو میں تھی، بڑی ہو کر وہ باغی ہو گئی۔ ہائی اسکول سے بھی پہلے اس نے فلم میں کام کرنے کے لیے ایک کلاس فیلو کے ساتھ بھاگ کر ہالی وڈ کا رخ کیا۔ کتنے دن وہ اپنے خواب کے پیچھے خوار ہوتی پھری، ان گنت راتیں سردی میں باہر فٹ پاتھ پر گزاریں اور کتنے کتنے دن کھانے کو ایک دو نوالے سے زیادہ نصیب نہیں ہوتا تھا۔

دو سال لگے اسے سمجھنے میں کہ اس کا کلاس فیلو اسے ہالی وڈ کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے لے کر آیا ہے۔ بہت دیر ہو چکی تھی مرحہ۔ وہ نشے کی عادی تھی، نشے کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتی تھی اور کرتی بھی رہی۔ پھر اس کا کلاس فیلو اسے نشے سے ادھ مرا چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تب ایک لڑکے نے اس کی بہت مدد کی۔ وہ اس لڑکی سے کہتا "کچھ نہیں بگڑا۔ تم شادی کر دو نئی زندگی شروع کرو۔ سب بھول جاؤ۔ تم بتاؤ وہ لڑکی کیا کر سکتی تھی؟ وہ سب بھول کر نارمل زندگی گزار سکتی تھی؟"

"مم.. مجھے نہیں پتا۔" اس کی اس قدر سنجیدگی سے مرحہ کو خوف محسوس ہو رہا تھا۔

"ہاں تمہیں کیا پتا۔ بس وہ لڑکی نئی زندگی نہیں شروع کر سکتی تھی۔ وہ کسی بار میں عریاں ناچ دکھا سکتی تھی، نشے کے عوض کسی کے ساتھ رات کا کچھ پہر گزار سکتی تھی اور ایسے لوگوں کا مقدر یہی ہوتا ہے کہ وہ خون تھوکتے کسی ڈمپسٹر کے پاس مرے ہوئے ملیں مگر وہ لڑکا نہیں باز آیا۔ اس نے بتایا کہ خدا اس لڑکی کو معاف کر سکتا ہے۔ وہ اسے خوشیاں دے سکتا ہے۔ اس لڑکے کی بدولت وہ لڑکی ریہیبلیٹیشن سینٹر چلی گئی اور کلین رہ کر اپنے آبائی شہر لوٹ آئی۔ تعلیم اس کے بس کی بات نہیں رہ گئی تھی اس لیے وہ چھوٹے موٹے کام کرنے لگی۔ گھٹیا سے گھٹیا کام بھی اسے گھٹیا نہیں لگا کہ جو وہ کر کے آئی تھی اس کے بعد کچھ گھٹیا نہیں رہ گیا تھا۔ وہ لڑکا اس سے رابطے میں تھا، اس کے شہر میں تھا۔ وہ دونوں ملتے تھے اور وہ لڑکا کہتا تھا وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایک ایسی لڑکی سے شادی، سب جانتے بوجھتے بھی۔ وہ لڑکی ہمیشہ نہ کر دیتی کہ اسے اپنا آپ اس قابل لگا ہی نہیں تھا اور پھر پتا کیا ہوا؟" دروازے کے سامنے سے ہٹ کر وہ مرحہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

"کیا؟" مرحہ سانس روکے سن رہی تھی۔

"پھر مجھے ایک فلاور شاپ پر جاب مل گئی تو برہان نے کہا "یہ جاب تمہیں سوٹ کرتی ہے۔"

"آپ کا اس کہانی سے کیا تعلق؟" مرحہ نے خوفزدہ حیرت سے پوچھا۔ اسے خوف تھا کہ فینی یہ نہ کہہ دے یہ اس کی کہانی ہے۔

"میری اور برہان کی کہانی سے میرا تعلق نہیں ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟"

مرحہ نے بے یقینی سے ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لیے۔ "مگر آپ اور ڈیڈ تو پہلی بار فلاور شاپ پر ملے تھے۔"

"فلاور شاپ میں اس نے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور میں نے اس سے شادی کے لیے ہاں کی تھی۔ یہ میری کہانی ہے مرحہ! میں اسے اپنے دل میں لے کر دنیا سے جانا چاہتی تھی مگر.. اچھا تو پھر میری اور برہان کی شادی ہو گئی۔

میں ایک محفوظ جگہ تھی مگر مجھے وہ خواب پریشان

کرتے تھے۔ ڈمپسٹر کھنگال رہی ہوتی اور کبھی.. تجھے بہت لگے اس بھیانک خواب سے نکلنے میں۔ میری سالگیوریٹیز ختم نہیں ہوتی تھیں۔ سوچتی ہوں ان سے اسٹیپ فادر نہیں رہے۔ میں بھی نہیں رہوں میرے کیا تھا اگر وہ اس چھوٹی لڑکی کو محبت سے رکھتے یا کم سے کم ایسے ہراساں نہ کیے رکھتے۔ یہی سوچ مجھے نارمل نہیں ہونے دیتی تھی۔ اس کے باوجود برہان نے مجھے ایسے سنبھالا جیسے نائلون کی باریک سی تار موتیوں کو سنبھل کر رکھتی ہے۔ اس بے ترتیب سے برہان نے میری زندگی کو ایک نئی ترتیب دی تھی۔ یہ سب آسان نہیں تھا۔ میرا سنبھلنا بھی اور برہان کا سنبھال لینا بھی۔ دونوں کام بہت ہمت اور دل گردے کے ہوتے ہیں۔

ہادی تمہیں جیسا ادھورا ملا ہے تمہیں اسے سنبھالنا ہے اور اسے سنبھلنا ہے۔ کچھ بھی آسان نہیں ہے۔ میں نے دیکھا ہے اس کا رسپانس بہت مثبت ہے ورنہ میرا تو.. سوری پتا نہیں کیوں کمپیئر کرتی جا رہی ہوں مگر میں تم دونوں کی پوزیشن کا اندازہ کر سکتی ہوں۔ خوشی، لگاؤ، دکھ، تنہائی اور حبس کے موسم سب پر آتے ہیں لیکن جوان موسموں کو پار کر جاتا ہے وہی محبت کے موسم کا رنگ دیکھتا ہے اور اس موسم کی محبت کا رنگ ساری عمر نہیں چھوٹتا۔

ایک بات یاد رکھنا پرفیکٹ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ ہم طے کرتے ہیں کہ اپنی کہانی سناتے ہوئے ہم نے اس میں کیا شامل کرنا ہے اور کیا نکال دینا ہے۔ جیسے میں نے اور برہان نے کیا ہے.. ہمیں بہت وقت لگا تھا یہ سب سیکھتے مگر ہم چاہتے ہیں تم دیر نہ کر دو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم برہان کی بیٹی ہو اور میں ہادی کو پسند کرتی ہوں۔ وہ مجھ جیسا مشکل نہیں ہے۔ تم اس کے ساتھ ایک ایسی جنت کی بنیاد رکھ سکتی ہو جس میں اسے اندیشے اور ماضی کے سائے نہ ستائیں۔

تم برہان کی بیٹی ہو مرحہ! یہ بات یاد رکھنا۔ زندگی کی کہانی میں ہم اپنے کردار کا تعین نہیں کرتے۔ یہ سب ہی یہیں ہے۔" بے ربط سی باتیں اس بات کا اظہار تھیں کہ فینی بہت زیادہ ڈسٹرب تھیں۔

"مم.. آئم ساری۔" مرحہ نے بیٹھے بیٹھے اس کے پہلو سے سر لگا لیا۔ اس کا سر تھپتھپا کر برتن اٹھا کر فینی باہر نکل آئیں۔ اسے سکون کی ضرورت تھی۔ ماضی کے اس تلخ ترین حصے کو دہرانا آج بھی اذیت ناک تھا۔

☆☆☆

مرحہ فینی کی باتوں کا اثر نہ لے یہ ہو نہیں سکتا تھا اس لیے اپنی طبیعت بہتر ہونے تک وہ وہیں رکی رہی اور پھر اپنا سامان سمیٹ کر اپنے گھر چلی گئی۔ دن عجیب روکھے ہو رہے تھے حالانکہ پھولوں پر تو بہار آئی ہوئی تھی۔ جاب سے واپس آنے کے بعد وہ سو جاتی۔ اٹھ کر پھر وہی لامحدود خلا در آتا۔ ایل ای ڈی وغیرہ ابھی لی نہیں تھی ورنہ کوئی پروگرام لگا کر بیٹھ جاتی۔ فون پر گیمز کھیل لیتی اور کبھی رو لیتی۔

ہادی کو گئے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ اس نے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ وہ گھر تو آ گئی تھی مگر فون کرتے اسے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ اسی دن یا ایک دو دن تک رابطہ کر لیتی تو اتنا محسوس نہ ہوتا۔ فینی نے جب کہا تھا اس کے لیے برہان سب سے اہم ہے اسے بہت دکھ ہوا تھا مگر آج اسے جتنا اہم ہادی تھا اتنا اہم اور کوئی نہیں تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ موجود تھے بس ہادی نہیں تھا اور سارے موسموں نے اداسی اوڑھ لی تھی۔ رفتہ رفتہ خود کو مصروف رکھنے کے لیے اس نے کام دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ بینک میں اس کی اچھی خاصی سیونگ پڑی تھی۔ سب سے پہلے تو اس نے بڑی سی ایل ای ڈی لا کر لگائی۔ پروگرام کوئی بھی لگا ہوتا وہ فل والیوم کھول کر گھر میں پھرتی رہتی۔ اس سے تنہائی کا احساس کم ہو گیا تھا۔

گلاس ونڈوز کے آگے پردے لگنے والے تھے، بہت سارے برتن آنے والے تھے۔ یہ ایک اچھی سرگرمی تھی۔ اب وہ جاب سے آ کر سونے کے

www.aflatab.com

بجائے کچھ کھانے کے لیے بناتی اور پھر مارکیٹ نکل جاتی۔ کبھی کبھار کسی چیز کو دیکھ کر احساس ہوتا کہ یہ کام آسکتی ہے تو وہ اسے بھی لے لیتی۔ فینی اور برہان نے چکر لگایا تھا۔ وہ اس کی نئی دلچسپی سے خوش بھی تھے اور بہت سے کارآمد مشورے بھی دے کر گئے بلکہ باورچی خانے کی کتنی سیٹنگ تو فینی نے کھڑے کھڑے کروادی تھی۔ برہان نے اسے پتھر کی نیم پلیٹ بنوا کر لادی تھی جس پر ”مرحہ اور ہادی کی جنت“ لکھا ہوا تھا۔

ویک اینڈ تھا سو وہ گھر تھی۔ ایک وقت میں کتنے کام کرنے کی کوشش میں پھیلاوا خوب پھیل گیا تھا۔ سمیٹنے کی ہمت نہیں تھی اس لیے سب وہیں چھوڑ کر کارپٹ پر بکھری چیزیں ایک کونے میں بے ترتیبی سے سمیٹ کر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئی۔

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا جب ہادی گھر پہنچا۔ چابی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تو اسے چیزوں کے درمیان ایسے سوئے ہوئے دیکھ کر اس پر بہت پیار آیا۔ کتنا پریشان تھا وہ اس کے رویے سے۔ اس دن پتا نہیں کیوں اسے غصہ آگیا تھا ورنہ یہی بات وہ سے نرمی سے سمجھاتا تو شاید اس کا ردعمل ایسا نہیں ہوتا۔ فون پر ساری وضاحتیں بے کار تھیں۔ وہ بس جلد از جلد سب نمٹا کر واپس آنا چاہتا تھا پھر بھی اتنا وقت لگ گیا۔ لمحہ لمحہ وہ اس کے دل و دماغ میں رہی تھی۔ وہ سوچتا رہا وہ کیسے اسے منائے گا، کیسے فینی اور برہان کا سامنا کرے گا۔ ساری فکریں جنہوں نے اسے آکٹوپس کی طرح جکڑے رکھا وہ اسے یہاں دیکھ کر اڑنچھو ہوگئی تھیں۔

اپنا ٹریول بیگ ایک طرف رکھ کر وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ وہ کسی باسی پھول کی طرح رنگ اور خوشبو سے ماورا لگ رہی تھی۔ اسے پتا نہیں چلا کب وہ اس کے سرخ بالوں کو ماتھے سے ہٹاتے ہٹاتے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ مرحہ کی آنکھ کھلی تو مندی مندی سی آنکھوں سے اسے دیکھ کر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

یہ اس کا خواب یا وہم بھی تو ہوسکتا تھا۔ ہادی کہاں رہ گیا تھا۔ نیم گرم شفاف آنسو اس کے گالوں پر بہے اور ہادی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ”میں آگیا ہوں ناں؟ اب کیوں رونا ہے؟“

وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”تم سچ میں آگئے ہو۔“ اس کی بھیگی آنکھوں میں بے یقینی نے ہادی کو بہت تکلیف دی تھی۔ یہ خواب ایسے ٹوٹنے کے لیے تو نہیں تھا۔

”آئی ایم سوری۔“ اس نے اپنے کان پکڑے۔

”تم بہت برے ہو ہادی۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔“ اب وہ اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔ ”مجھے لگا تم اب کبھی نہیں آؤ گے۔“

”کیوں نہیں آؤں گا؟ میرا گھر میری بیوی یہاں ہے۔ میں کہیں بھی جاؤں مجھے یہیں آنا ہے۔“

”ہادی میں بہت ڈر گئی تھی۔“

ہادی نے اسے گلے سے لگا لیا۔ ”نہیں ڈرنا اب کسی بھی بات سے۔ اگر کوئی ڈرانے کی کوشش کرے تو مجھے بتانا میں سب کو ماروں گا۔“ وہ اسے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا اور اس کے اندر سکون ہی سکون اتر رہا تھا۔

”تم نے بہت دن لگا دیے۔ پورا ایک ماہ اور..“

”مجھ سے کسی نے کہا تھا واپسی پر اس نے مجھے گھر نہیں ملنا۔ اس لیے دل ہی نہیں چاہ رہا تھا واپس آنے کا۔“

”تم مجھے منانے آسکتے تھے۔“

”اگلی بار پکا منالوں گا۔“

”یعنی ابھی ناراض کرنا ہے؟“

”تم نہ ہونا ناراض۔ تم بس محبت کرنا اور میں بھی بس محبت کروں گا۔ زندگی گزر جائے گی۔“ مرحہ نے سکون سے آنکھیں بند کرلیں۔

”ایک محبت ہی تو کرتی ہوں۔“

☆☆

نظیر فاطمہ

یگانہ رنگا

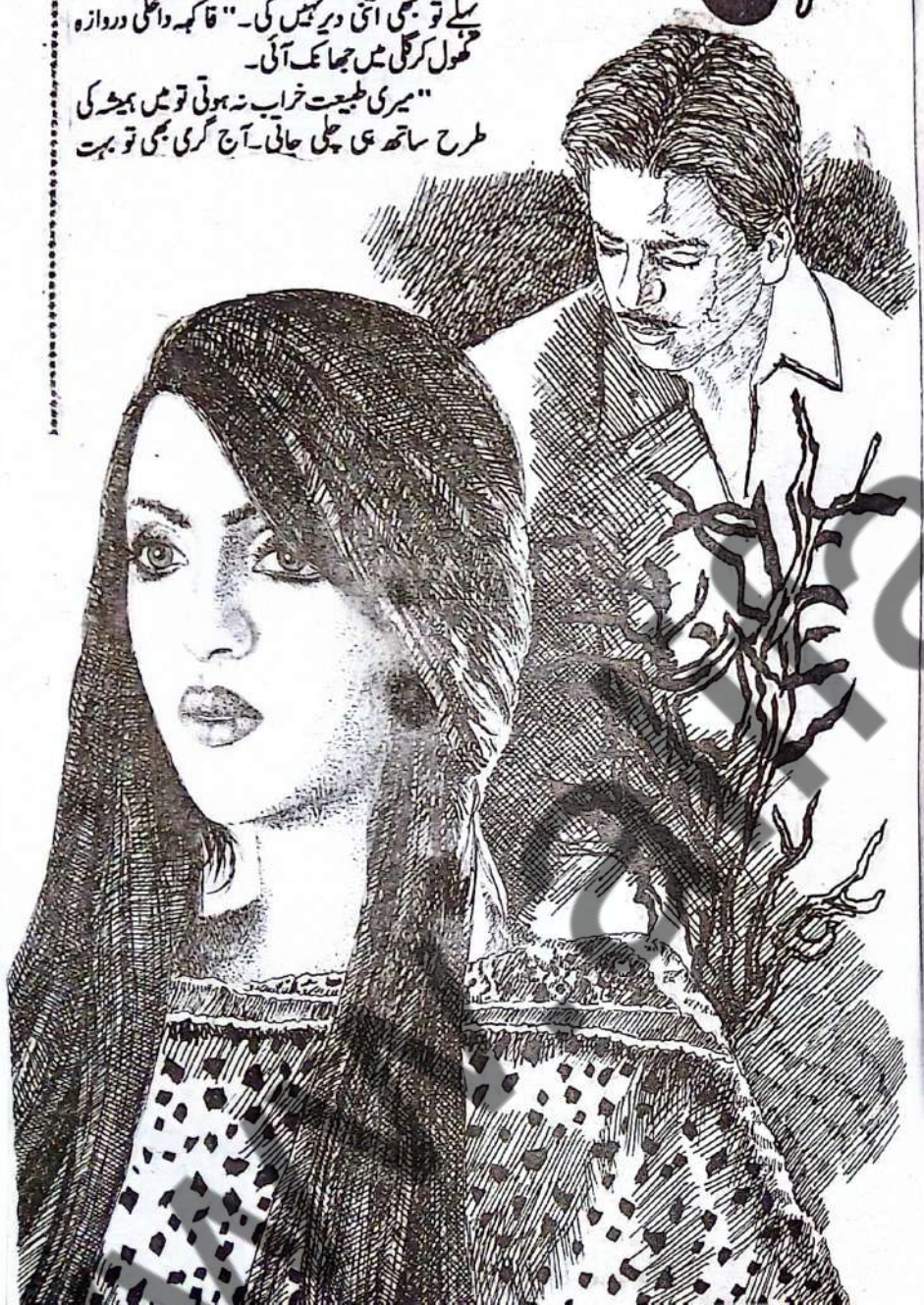

”امی نہ جانے کہاں رہ گئی ہیں؟ ابھی تک آئیں کیوں نہیں،“ فاکہہ گھڑی دیکھ کر صحن میں بے چینی سے چکر لگا رہی تھی۔

”بس سبزی اور کچھ دوسری چیزیں ہی تو لینی تھیں اتوار بازار سے، تین گھنٹے سے زیادہ ہوگئے۔ پہلے تو کبھی اتنی دیر نہیں کی۔“ فاکہہ داخلی دروازہ کھول کر گلی میں جھانک آئی۔

”میری طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں ہمیشہ کی طرح ساتھ ہی چلی جاتی۔ آج گرمی بھی تو بہت

www.paksociety.com

ہے۔" اس نے دوبارہ گھڑی کی طرف نظر ڈالی۔ موبائل وہ ساتھ لے کر نہیں گئی تھیں اور اب فاکہہ کا مارے پریشانی کے برا حال تھا۔

آدھا گھنٹا مزید اسی پریشانی میں گزرا کہ بیرونی دروازے پر نامانوس دستک سن کر فاکہہ مزید گھبرا گئی۔ دوڑ کر دروازے تک پہنچی۔

"کون ہے؟" کنڈی کھولتے کھولتے رک گئی۔

"میں ہوں فاکہہ دروازہ کھولو۔" امی کی نڈھال سی آواز سن کر اس نے دروازہ پورا کھول دیا اور پھر امی کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر جھجک سی گئی۔ امی کا سارا سامان اس اجنبی کے دائیں ہاتھ میں تھا اور بائیں ہاتھ سے اس نے ان کا بازو تھام رکھا تھا۔

"اب اندر تو آنے دو، راستہ روک کر کیوں کھڑی ہو گئی ہو۔" امی کی آواز سن کر وہ فوراً ایک طرف ہو گئی۔

"جاؤ شربت بنا کر لاؤ۔" امی نے اسے کچن کی طرف دوڑایا۔

"تم بیٹھو بیٹا! کھڑے کیوں ہو؟ نام کیا ہے تمہارا" امی نے اس اجنبی کو دیکھ کر برآمدے میں رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

"معین، اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟" وہ فکرمند سا پوچھ رہا تھا۔

"بہتر ہوں اب بیٹا!" امی کی آواز اب بھی تھکی سی تھی۔

"کیا ہوا آپ کو امی؟" فاکہہ شربت کا جگ اور گلاس ٹرے میں رکھ کر لائی جب اس نے دونوں کی بات سنی۔ لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی ذرا چکر آ گیا تھا تو اس بچے نے سہارا دیا اور پھر گھر تک چھوڑنے چلا آیا۔ اللہ اس کا بھلا کرے۔" انھوں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو سرسری رکھا۔

"کہاں رہتے ہو بیٹا؟"

"خالہ جی! گاؤں کا رہنے والا ہوں، یہاں شہر میں نوکری کرتا ہوں، کرائے کے گھر میں رہتا ہوں۔ آج کل کسی مناسب گھر کی تلاش میں ہوں۔ ابھی میں جس گھر میں رہتا ہوں وہ میری ضرورت سے بڑا ہے اور اس کا کرایہ بھی کافی زیادہ ہے۔ آج کل میں کسی چھوٹے اور نسبتاً سستے گھر کی تلاش میں ہوں۔" معین نے مسکرا کر تفصیل بتائی۔

"آپ کے گھر میں اور کون کون ہے؟" معین نے پوچھا۔

"بس میں اور میری یہ بیٹی فاکہہ، اس کے ابا کا دس سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ بس اللہ کا شکر ہے سر چھپانے کو یہ تین مرلے کا گھر ہے۔ اس کے ابا کی پنشن آتی ہے، اوپر والی منزل کا کرایہ ملا جلا کر ہم ماں بیٹی کا اچھا گزارا ہو جاتا ہے۔" امی نے معین کو غیر ضروری تفصیل بتا دی۔ فاکہہ کو برا لگا۔

"ہمارے کرائے دار اگلے مہینے گھر خالی کر رہے ہیں اگر تم چاہو تو یہاں رہ سکتے ہو۔" امی کو معین بہت پسند آیا تھا۔

"آپ مجھے اپنا نمبر دے دیں، میں رابطہ کر لوں گا، مجھے واقعی گھر کی ضرورت ہے۔ اس چھوٹی سی نیکی کے عوض میرا اتنا بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا، میں نے بالکل نہیں سوچا تھا۔" کرائے کے بارے میں پوچھنے پر جو کرایہ معین کو بتایا گیا وہ اس کے پچھلے گھر کے مقابلے میں آدھا تھا۔ معین خوش ہو گیا۔

"آپ تو ایسے اکیلے آدمیوں کو مکان کرائے پر نہیں دیتی تھیں، اب کیوں دے رہی ہیں اور کیا ضرورت تھی اس اجنبی کو ساری تفصیلات بتانے کی۔" معین کے جانے کے بعد فاکہہ ماں کے سر ہوئی۔

"تم چپ کرو، میں نے کچھ سوچ کر ہی یہ سب کیا ہے۔" امی نے اسے گھرکا تو وہ برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

☆☆☆

چند دن بعد معین ساز و سامان سمیت اوپری منزل پر شفٹ ہو گیا تھا۔ جلد ہی وہ ان دونوں ماں بیٹی کا اعتبار حاصل کر چکا تھا اور ان کے باہر کے کاموں کی ذمہ داری اٹھا لی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ میں نے کچھ سوچ سمجھ کر اسے رہنے کی اجازت دی ہے۔ پکی نوکری ہے معین کی، پڑھا لکھا ہے، گاؤں میں زمینیں بھی ہیں۔ شادی بھی نہیں ہوئی ابھی۔ مجھے وہ تمھارے لیے بڑا مناسب لگا ہے اسی لیے میں نے اسے گھر تک رسائی دی ہے۔"

"امی؟"

"ہاں، تم کہیں کی شہزادی ہو نہ ہم مال دار ہیں کہ تمہارے لیے کوئی اچھا رشتہ آ سکے۔ ایف۔ اے تک تعلیم ہے تمھاری، لے دے کے یہ محلے والے یا وہ زکریا کی ماں منہ اٹھا کر آ جاتے ہیں رشتے کے لیے۔ جیسے جانتی نہیں نا میں کہ ہمارے مکان کا لالچ ہے سب کو۔ مگر میں بھی کوئی بے وقوف نہیں ہوں۔" ابھی بات امی کے منہ میں ہی تھی کہ دروازے پر دستک دے کر زکریا اندر داخل ہوا۔

"لو جی، آ گیا پھر۔" وہ فاکہہ سے زیادہ اس کی ماں کو برا لگتا تھا۔ زکریا کی شخصیت عام سی تھی۔ ایف، ایس، سی کے بعد ٹیکنیکل تعلیم حاصل کر کے یہاں شہر میں اپنی گاڑیوں کی ورک شاپ چلا رہا تھا۔ اچھا خاصا چلتا کاروبار تھا اس کا مگر طبیعت میں سادگی اور وضع داری تھی۔ اس کی ماں بھی اتنی ہی سادہ تھی۔ گاؤں میں رہتی تھی۔ کبھی کبھار شہر آ جاتی تو فاکہہ کی ماں کا پیچھا لے لیتی۔ ہر دفعہ انکار کے باوجود دل برداشتہ نہیں ہوتی تھی۔

"خالہ! کیا حال چال ہے؟"

"ٹھیک ٹھاک ہوں میرے حال چال کو کیا ہونا ہے؟"

"میں بڑی مارکیٹ جا رہا ہوں، آپ کو کچھ منگوانا ہے تو بتا دیں۔" زکریا نے ہمیشہ کی طرح آ کر پوچھا۔

"نہیں ہمیں کچھ نہیں منگوانا — ہمارے کاموں کی فکر مت کیا کرو۔" روکھے لہجے کے جواب میں زکریا خاموشی سے پلٹ گیا۔

جب سے فاکہہ کو اپنی امی کے ارادوں کی خبر ہوئی تھی وہ بن سنور کر معین کے آگے پیچھے پھرنے لگی تھی۔ اب معین کا کھانا پینا نیچے ہونے لگا تھا۔ کپڑے بھی دھل دھلا کر استری شدہ الماری میں پہنچ جاتے۔ وہ صرف اوپر والے پورشن کا کرایہ اور بجلی کا بل ہی دیتا تھا۔ باقی سب خرچے تو نیچے سے پورے ہو رہے تھے۔ بجلی کا بل بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ سارا دن دفتر میں اور باقی کا وقت نیچے گزار کر رات کو صرف سونے کے لیے اوپر آتا تھا۔

"بیٹا۔ بس میں اب فاکہہ کی شادی کا فرض ادا

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

کرنا چاہی ہوں، اگر تمھاری نظر میں کوئی اچھا رشتہ ہو تو بتانا۔"

"خالہ! اگر آپ لوگ کچھ مہینے انتظار کرلیں تو رشتہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں اپنی لتاں کو لے کر آؤں گا۔" معین نے شرمیلے سے انداز میں کہا تو فاکہہ اور اس کی امی کے دل کی کلی کھل گئی۔

اب معین کی ان کے ہاں مزید آؤ بھگت ہونے لگی۔ وہ آتے جاتے فاکہہ کو نظروں کی زد پر رکھ کر ذومعنی باتیں کرنے لگا۔ معین جیسا خوب صورت، سلجھا، پڑھا لکھا اور سرکاری نوکری کرنے والا شخص فاکہہ کا نصیب بننے جا رہا تھا۔ فاکہہ اس کے ساتھ کے خواب دیکھتے دیکھتے اُونچا اُڑنے لگی۔

"ارے، تم لوگ کس لالچ میں یہاں بار بار آجاتے ہو، تمھاری نظریں بھی ہمارے اس مکان پر ہیں۔" اس بار زکریا کی ماں آئی تو فاکہہ کی امی نے کوئی لحاظ نہ رکھا۔

"ایسے مت کہو بہن، میرے بیٹے کے دل کو بھا گئی ہے تیری بیٹی، ہمیں کوئی لالچ نہیں ہے۔" زکریا کی ماں سادگی سے بولی۔

"رہنے دے جا کر اپنے بیٹے سے کہہ کہ اپنے جیسوں میں دل لگائے، شہر میں گھر تک تو ہے نہیں تمھارے پاس۔" زکریا اور اس کی ماں خاموشی سے اُٹھ کر چلے گئے۔ فاکہہ کی امی نے یوں ہاتھ جھاڑے گویا خس کم جہاں پاک۔

☆☆☆

"خالہ جی، میں کچھ دنوں کے لیے گاؤں جا رہا ہوں۔ یہ چابی آپ رکھ لیں۔" معین اپنا بیگ تھامے آیا۔

"خیریت بیٹا!"

"جی بس گاؤں میں زمینوں کا کچھ مسئلہ ہے وہ حل کرنا ہے۔ دفتر سے ایک مہینے کی چھٹیاں لی ہیں۔"

"اچھا بیٹا! خیریت سے جاؤ اور اب کے آؤ تو اپنی امّاں کو ساتھ لانا۔"

"آج کل، آج کل" کرتے معین نے ایک سال گزار دیا تھا اور ابھی تک اپنی امّاں کو لے کر نہیں آیا تھا۔ معین نے ہلکا سا سر ہلایا، خدا حافظ کہا اور بیگ اُٹھا کر دہلیز پار کر گیا۔

معین کو گئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ ابھی تک وہ واپس نہیں آیا تھا۔ فاکہہ اور اس کی ماں پریشان تھیں۔ معین کا نمبر بند تھا۔ دو مہینوں سے اُوپر والا پورشن بھی بند تھا۔ کرائے کی رقم نہ آنے کی وجہ سے ماں بیٹی کو مالی مشکل ہو رہی تھی۔ آخر اُوپر کا پورشن کھولا۔ معین کا کچھ خاص سامان تو تھا نہیں جو تھوڑا بہت تھا۔ وہ اسٹور میں رکھا اور گھر نئے سرے سے کرائے پر چڑھا دیا۔ معین سے رابطے کی کوئی صورت نہ تھی۔ فاکہہ کی ماں شکر کر رہی تھیں کہ انھوں نے معین کے اصرار کے باوجود فاکہہ کا نکاح اس سے نہیں کیا تھا۔ ورنہ اب وہ کیا کرتیں۔

☆☆☆

فاکہہ امی کو لے کر اسپتال آئی تھی۔ ان کے چیک اپ کے بعد وہ انھیں ایک طرف بٹھا کر دوائیوں والی پرچی ہاتھ میں تھامے فارمیسی چلی گئی۔

"میں راستہ بھول گئی ہوں۔ اگر تمھیں تکلیف نہ ہو تو مجھے وہاں تک چھوڑ آؤ گی۔" وہ بوڑھی عورت اس کے سامنے کھڑی منت کر رہی تھی۔ حلیے اور لب و لہجے سے دیہاتی معلوم ہو رہی تھی۔

"جی ماں جی، چلیں، گاڑی وارڈ ادھر ساتھ ہی ہے۔" وہ اُنھیں ساتھ لے کر چل پڑی۔

"وہ رہا میرا بیٹا، تمھارا شکریہ پتر" ماں جی نے دیہاتی انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا۔ بوڑھی عورت کے اشارہ کرنے پر اس نے سامنے دیکھا تو وہ معین تھا۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" اس سے پہلے کہ فاکہہ معین کے ملنے پر خوش ہوتی، ماں جی کی اگلی بات نے اسے جیسے زمین پر پٹخ دیا۔

"ہاں اللہ نے اسے بیٹا دیا ہے۔ پہلے ایک بیٹی تھی۔ تین سال کی، بیٹی تو اُدھر گاؤں میں ہی پیدا ہوئی تھی۔ اس دفعہ کچھ مسئلہ تھا تو گاؤں کی ڈاکٹرنی نے کہا وقت سے پہلے شہر لے جانا ورنہ ماں اور بچے کی جان کو خطرہ ہے۔ آپریشن ہوا ہے اس کی بیوی کا۔ مگر مالک کا شکر ہے کہ ماں اور بچہ دونوں ٹھیک ہیں۔"

فاکہہ کے اُوپر ساتوں آسمان یک بارگی گرے تھے۔ وہ فوراً وہاں سے پلٹ آئی۔ نظروں کے سامنے معین کا خوشی سے کھلا چہرا بار بار آتا تھا۔ فاکہہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اتنا بڑا دھوکا؟ دھوکا تو انھوں نے خود کھایا تھا۔ زکریا نے تو اسے حقیقت بتائی تھی۔

"فاکہہ! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے؟"

"کیا ہے؟" فاکہہ کا انداز سخت تھا۔

"وہ معین کے دفتر میں میرا ایک دوست بھی کام کرتا ہے وہ بتا رہا تھا کہ معین شادی شدہ ہے اور وہ اپنی مالک مکان اور ان کی بیٹی کا بہت مذاق اُڑاتا ہے کہ تم لوگ اسے پھنسا رہی ہو اور وہ تمھیں بڑھاوا دے کر اپنا فائدہ حاصل کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماں کو لانے کی شرط نہ رکھتی تو وہ بڑھیا اپنی بیٹی کا نکاح کر دیتی مجھ سے بھی تو مفت میں مکان بھی مل جاتا اور دوسری بیوی بھی۔ اب ان سے جان چھڑانے کے لیے جلد ہی وہ یہاں سے اپنا ٹرانسفر کروا رہا ہے۔"

"بس کرو زکریا، تم یہ سب اس لیے کر رہے ہو کہ امی نے تم لوگوں کو انکار کر دیا۔"

"نہیں فاکہہ! میرا یقین کرو، میں صرف تمھیں معین کی حقیقت بتا رہا ہوں۔"

"تم مت بتاؤ، ہمیں پتا ہیں سب حقیقتیں۔"

زکریا کی باتیں اب اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ فاکہہ نے خود کو سنبھالا اور امی کو لے کر گھر آئی۔

"بیٹی دو مہینے ہو گئے معین کو فون کر کے پوچھ وہ کب اپنے گھر والوں کو لے کر آئے گا۔"

"امی! وہ نہیں آئے گا اب" امی حیرت سے اس کی شکل تکنے لگیں۔ فاکہہ نے نظریں جھکا کر ساری بات بتا دی۔ وہ رات دونوں نے ایک دوسرے سے چھپ کر روتے ہوئے گزاری۔ فاکہہ کی ماں خود سے بھی شرمندہ تھیں کہ اُنھوں نے ایک اچھے کام کے لیے غلط طریقہ اپنایا تو ہاتھ صرف بے عزتی آئی۔

☆☆☆

"بہن! میں ایک دفعہ پھر جھولی پھیلاتی ہوں فاکہہ کو میری جھولی میں ڈال دو۔" زکریا کی ماں اگلے مہینے پھر آگئی۔

اس دفعہ ماں بیٹی دونوں کے دلوں میں شرمندگی در آئی۔ اُنھوں نے ان ماں بیٹے کو پچھلی بار بہت سخت انداز میں انکار کیا تھا۔

"دیکھو، تمھیں یہی اعتراض تھا نا کہ ہمارا اپنا گھر نہیں ہے تو گاؤں والی کچھ زمین بیچ کر ہم نے یہاں دوسری گلی میں گھر خرید لیا ہے۔ اب انکار نہ کرنا فاکہہ میرے زکریا کے دل کی خوشی ہے۔" دونوں کے پاس انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

"تم یہ مت سمجھنا میں نے تم سے اس گھر کے لالچ میں رشتہ جوڑا ہے۔ شادی کے بعد میں خالہ کو بھی اپنے گھر لے جاؤں گا۔ یہ گھر تم کرائے پر دے دینا اور اس سے حاصل ہونے والا کرایہ صرف تمھارا ہوگا، تم اسے اپنی مرضی سے جہاں چاہو خرچ کرنا۔" فاکہہ نے نم آنکھوں سے زکریا کو دیکھا، جس کے اندر کا خالص پن روشنی بن کر اس کے چہرے پر چمک رہا تھا۔

منافقت کے اس دور میں وہ یک رنگا تھا، اس کا ظاہر اور باطن ایک جیسا بے غرض اور بے لوث تھا۔ معین کا ظاہر تو بہت خوب صورت تھا مگر باطن بہت مکروہ اور گھٹیا۔ وہ ہیرا گنوا کر کوئلے کو سر کا تاج بنانے چلی تھی مگر مقابل کی محبت زیادہ زور آور تھی یا فاکہہ کی قسمت کہ وہ نقصان سے بچ گئی تھی۔ وہ مسکرائی۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ زکریا کا ساتھ اسے ہر فکر سے آزاد کر دے گا۔

☆☆

www.aiitradata.com

آمنہ قصی

اُڑان

تھکا ٹوٹا بدن آرام طلب کرتا تھا۔ سب سمیٹتی دریہ ایزد اور اسود کے بیگز کھول کر بیٹھ گئی۔ ایزد کا بیگ کتابیں، کاپیاں سب صاف ستھری حالت میں تھیں۔ آج میتھ کا ٹیسٹ ہوا تھا جس میں اس کے پورے نمبر تھے دریہ کا دل خوشی سے لبریز ہوا۔ لکھائی ایسی تھی گویا کسی ماہر کشیدہ کار نے نفاست سے کشیدہ کاری کی ہو۔ وقتی طور پر وہ تھکاوٹ بھی بھول گئی۔ ایزد کی ایسی چھوٹی چھوٹی کامیابیاں اس کے لیے تھراپی کا کام کرتی تھیں۔

ایزد کا بیگ بند کر کے دریہ نے اسود کا بیگ کھولا۔ کئی ایک ریپرز کاپیوں کے اندر ٹھنسے ہوئے تھے آدھا کھایا مفن کاپی کے درمیان چپکا تھا۔

''پتا نہیں یہ لڑکا کب سدھرے گا۔'' دریہ نے پرانے کپڑے سے کاپیوں کے کور صاف کیے سب ریپرز نشوز نکالے کاپیوں کھولی تو سامنے ہی پینسل سے آنکھ بنائی ہوئی تھی۔ کچھ ٹیسٹس میں آدھے مارکس کسی میں آدھے سے زیادہ۔ لکھائی کہیں بہتر کہیں بدتر..... جی تو چاہا ابھی سوئے ہوئے اسود کو اٹھا کر چار سنائے دو لگائے۔

بیگز سمیٹ کر الارم سیٹ کیا اور لیمپ بند کرتے ہوئے لیٹی۔

اگلے دن ڈیوٹی آورز میں ہی کال کر کے ٹیوٹر کو اسود پہ مزید توجہ دینے کا کہا۔ علیم تو اس معاملے میں خاصے لاپروا سے تھے اپنی فارمیسی ''ڈیلی ڈوز'' سے بچوں کے آنے پر وہ گھر آ جاتے۔ کچھ کھلاتے پلاتے بچوں کو پھر ٹیوٹر آ جاتے بجائے یہ کہ پاس بیٹھ جائیں یا چکر لگالیں مزے سے لاؤنج میں لیٹ کر ٹی وی دیکھتے رہتے۔ دریہ بینک کی ڈیوٹی سے آتی تو علیم واپس فارمیسی چلے جاتے۔

بچوں کے معاملات کو دریہ جتنی سنجیدگی سے لیتی علیم نارمل رہتے۔

☆☆☆

لیپ ٹاپ کی چارجنگ آف ہوئی تو دریہ کو یاد آیا آج اسکول میں پیرنٹس ٹیچر میٹنگ تھی۔ لنچ آور ہونے ہی والا تھا۔ منیجر سے بات کر کے اپنے کولیگ گیلانی صاحب کو بتاتی وہ بینک سے نکلی۔ علیم ایک تو جاتے کم تھے میٹنگ پر چلے بھی جاتے تو دریہ مطمئن نہ ہوتی۔ ایسے ٹیچر سے بچوں کی ایک ایک بات ڈسکس کرنا ہوتی تھی۔ پارکنگ ایریا میں آ کر گاڑی نکالی آدھے گھنٹے تک اسے ہر صورت واپس آنا تھا۔ ایزد کا رزلٹ حسب معمول شان دار تھا۔ جبکہ اسود نے پچھلی پچھلے کے مقابلے میں سے ڈھائی نمبر کم لیے تھے۔

''غضب خدا کا پورے ڈھائی نمبر.....'' دریہ کی آنکھیں ابل کر باہر آنے کو بے تاب تھیں۔

''یہ توجہ نہیں دینا.....'' ٹیچر بے بس دکھائی پڑتی تھیں۔

''تو آپ توجہ کروائیے ناں۔''

''اس کا دوسری ایکٹیویٹیز میں زیادہ دھیان رہتا ہے۔''

''وہ بھی ٹھیک ہے مگر پڑھائی میں اسے نمبر ون ہونا چاہیے۔''

دریہ نے سائن کر کے رپورٹ کارڈ وصول کیا۔

نمبر ون اس کا ٹینشن سے برا حال ہونے والا تھا اور ٹیچر تو اسود اور ٹیوٹر کی بھی خوب شامت آنے والی تھی۔

ریشانی ایزد کی خوشی پر حاوی ٹھہری تھی۔

گیٹ سے ذرا پہلے اسٹینڈ پر لیپ ٹاپ دھرا تھا اور ٹیچر ماؤں سے ری ویو لے رہی تھی۔ دریہ چڑی اور خاموشی سے سائڈ سے نکل لی۔

''بڑا اچھا رزلٹ ہے ناں جو.....'' گیٹ سے نکل کر پارکنگ میں آتے وہ بڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

''یہ دیکھیے ذرا.....'' علیم آ کر صوفے پر بیٹھے ہی تھے کہ دریہ نے رزلٹ کارڈ سامنے لا کر رکھے اور خود ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔

''دیکھا۔'' کپ رکھتے دریہ نے پوچھا۔

''ہاں ماشاءاللہ فیلنگ پراؤڈ۔''

''بٹ مائی فیلنگز از لائک آلوزر۔'' (لیکن

alfadab.com

میرے احساسات ہارے ہوئے ہیں۔"

کپ سے گھونٹ لیتے علیم نے دوبارہ سے رزلٹ کارڈ پر نظر ڈالی اور کچھ نہ سمجھ میں آنے کے باوجود احتیاطاً خاموش رہے۔

"پورے ڈھائی نمبر کم ہیں اسود کے....." الفاظ میں پریشانی عود کر آئی۔

"صرف ڈھائی نمبر۔ ہم ٹوٹل میں سے ڈھائی سو نمبرز کم لے کر اپنے اپنے شعبوں میں کامیاب ہیں۔"

"تب کا دور اور تھا۔ اب ہنڈرڈ پرسنٹ کا زمانہ ہے۔"

"تب ہی سب نکمے ہیں۔" علیم آہستگی سے بڑبڑائے۔

"آپ میری بات کو سیریس کیوں نہیں لے رہے۔" دریہ تپ اٹھی۔

"میں اس سے زیادہ سیریس کیا لوں کہ میں سن رہا ہوں۔"

"میرا پریشانی سے برا حال ہے اور آپ کو پروا ہی نہیں۔" دریہ بڑبڑائی۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ علیم اٹھ کر باہر آئے ٹیوٹر تھے۔ علیم ایک قدم آگے آئے اس کا کندھا تھپکا آل دا بیسٹ۔ کہا اور آگے بڑھ گئے۔

ٹیوٹر نے ناسمجھی سے علیم کو دیکھا اور گیٹ کھول کر اندر چلا گیا۔

"سر یہ دیکھئے۔" وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دریہ نے اسود کا رپورٹ کارڈ سامنے لا کر رکھا۔

"پورے ڈھائی نمبر کم ہیں پچھلی ٹرم سے۔ بجائے یہ کہ یہ کچھ امپروو کرتا اور ڈاؤن ہوا ہے۔" سر کی خاموشی پہ دریہ کی پریشانی عود کر آئی۔

"اور ایزد.....؟"

"اس کے تو ماشاء اللہ پورے مارکس ہیں۔ پچھلی ٹرم میں پوائنٹ فائیو کم تھے۔ اس بار پورے ہیں۔ مجھے زکہہ رہی تھیں ہم آنکھیں بند کر کے ایزد علیم کا بیچ چیک کر سکتی ہیں کہ ہمیں اعتبار ہے ایک بھی ن نہیں ہوگی۔" فخر سے دریہ کی آواز بھی پھولی تھی۔

"پڑھائی میں اسود کا رویہ تھوڑا لاپروا ہے۔ باقی ایکٹیوٹیز میں اچھا ہے۔ کارڈ میکنگ اور اسکیچنگ میں فرسٹ آتا ہے۔" سر نے دریہ کا دھیان بٹانا چاہا۔

"وہ سب ٹھیک ہے مگر اسے پڑھائی میں بھی فرسٹ ہونا چاہیے۔"

"جی میں کوشش کروں گا۔"

"آپ پلیز اسود پر خصوصی توجہ دیں۔" دریہ نے اٹھتے ہوئے تاکید کی۔

☆☆☆

رات کھانے کے بعد سب وہیں ٹی وی لاؤنج میں براجمان تھے۔ دریہ کچن کے سب ہی کام سمیٹ کر نکلی۔

"اسود! بکس لائیں میں تھوڑا پڑھا دوں۔"

"مما! میں نے سر سے سب کام کر لیا تھا۔"

"جب تک سلیبس کور نہیں ہوتا میں اس کا ہوم ورک پڑھایا کروں گی۔" دریہ صوفے پر بیٹھی۔

"مما، پلیز میں اتنا نہیں پڑھ سکتا۔ میں نے سر سے ہوم ورک کیا ہے اچھا اچھا۔" اسود ٹھنکا۔

"رہنے دو دریہ، اسود کہہ رہا ہے اس نے ہوم ورک کمپلیٹ کر لیا ہے۔" علیم نے اسود کو بازو کے حلقے میں لیا۔ دریہ نے دانت کچکچا کر غصہ پیا۔

"آپ کی شہہ پہ اسود بگڑ رہا ہے۔" بچے سونے چلے گئے تو دریہ علیم پر بگڑی۔

"اسود بگڑ نہیں رہا۔ وہ بس زیادہ پڑھا کو نہیں ہے کام مکمل کر لیتا ہے اتنا کافی ہے۔"

"اتنا کافی نہیں ہے علیم۔ دنیا کہاں کی کہاں نکل چکی ہے۔"

"دنیا جہاں بھی پہنچ جائے۔ میں اپنی دنیا سے خوش ہوں۔" علیم نے لیٹ کر کمبل اوڑھا۔

"آپ کو وکیل صاحب کے بچوں کا حال پتا ہے ناں؟"

"کون وکیل صاحب؟"

"ہمارے ہمسائے۔ بڑا بیٹا اسکالرشپ پہ فن لینڈ گیا ہے اور چھوٹے سے چار سالوں میں میٹرک ہی نہیں ہو رہا۔"

"ضروری نہیں ہمارے بچوں کا نصیب بھی ان جیسا ہو۔ جو بچے آگے نکل جاتے ہیں ناں دریہ، اکثر بہت ہی آگے نکل جاتے ہیں۔ ان کی اونچائی اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ان کو رشتے اور والدین کیڑے مکوڑے لگنے لگتے ہیں اور پیچھے رہنے والے اکثر سہارے میں والدین کا ہاتھ تھام لیتے ہیں۔"

"یہ تو کوئی لاجک نہ ہوئی۔" دریہ قائل ہوئی تھی نہیں لہجہ دھیما ہی تھا۔

"تو کیا ہم اسود پہ کوئی توجہ نہ دیں کہ چلو سہارے میں ہمارا ہاتھ تھام لے۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ ضرور توجہ دیں خیال رکھیں مگر فورس مت کریں، خود کے سر پہ یہ ایک بات ہی سوار نہ کریں۔ اسود کو زیادہ ڈانٹو گی تو وہ باغی ہو جائے گا وہ اتنا بھی نہیں پڑھے گا۔ وہ ملٹی ٹیلنٹڈ بچہ ہے اور ایسے بچے زندگی میں کامیاب ہو ہی جاتے ہیں کسی نہ کسی شعبے میں ان کا جگاڑ لگ ہی جاتا ہے۔" علیم نے بات مکمل کر کے دریہ کی طرف دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھی علیم نے اسے کہرا سوچ لینے دیا۔

☆☆☆

دریہ ایپرن پہنے کچن میں نڈھال سی بیٹھی تھی۔ بیک کی شفٹ تھی اور آج تین دن سے ہونے والا درد۔ دو دن ہوئے باہر سے کھانا لاتے آج وہ ہمت کر کے خود ہی کچن میں آ گئی ایزد صوفے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا اسود ٹی وی کے سامنے براجمان تھا۔ دریہ اسے بھی پڑھنے کی تلقین کرتی فریج سے قیمے کا پیکٹ نکال کر لائی۔ اب اس سے آگے ہمت ہی نہ ہوئی۔

"مما! خیریت؟ ایسے کیوں بیٹھی ہیں؟"

"ہمت نہیں ہو رہی کھانا بنانے کی۔"

"آپ ریسٹ کریں آج میں بنا دیتا ہوں۔"

"آپ کیسے بناؤ گے؟" دائیں ہاتھ سے بایاں کندھا دباتے دریہ نے اشتیاق سے اس چودہ سالہ دبلے سے لڑکے کو دیکھ کر کہا۔

"میں یوٹیوب سے ریسپی فالو کر لوں گا۔"

"کتنا کر لو گے؟"

"بالکل؟"

"یوٹیوب سے دیکھ کر؟" دریہ ہنسی۔

"کم آن مما، مجھے سب کتنا آتی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"مجھے جب آف ہوتا ہے میں اپنے لیے پکوڑے بنا لیتا ہوں۔ سینڈوچ بھی، آپ آفس ہوتی ہیں مجھے جب بھی بھوک ہو میں آنٹی رانی (میڈ) کو چھٹی دے کر سب خود کرتا ہوں۔ ایزد کو کتنی ہی بار چائے کافی بنا کر دی ہے۔"

واہ..... اور دریہ نے فخر سے دیکھا ایسے ہی ذہن میں خیال سا آیا ایزد تو اٹھ کر پانی بھی نہیں پیتا تھا۔

"میں بتاتی ہوں آپ بناتے جاؤ۔" دریہ نے ایپرن اتار کر اسے تھمایا۔

☆☆☆

دونوں کے ایف ایس سی کے رزلٹ بھی حسب معمول آ گئے تھے۔ جہاں ایزد کی بورڈ میں سیکنڈ پوزیشن تھی۔ اسود کی تھرڈ ڈویژن تھی۔ دریہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی وہ ایزد کی خوشی منائے یا اسود کا غم۔ اس پہ مستزاد اسود نے آگے پڑھنے سے صاف انکار کر دیا۔

"مجھے اسٹور کھول دیں مجھے سپر اسٹور کا بہت شوق ہے۔"

"آپ تم دکان داری کرو گے؟" دریہ کو غصہ آیا۔

"دوسروں کی نوکری سے اپنی دکان داری بھلی۔ آپ ریٹائرمنٹ لے رہی ہیں ناں مجھے یہ اسٹور کھول دیں۔"

"ہاں ایک تم ہی تو کھٹو ہو اوپر سے ساروں کی کمائی کھاؤ۔"

"آپ ایک دفعہ ہاں کر دیں گی مما۔"

"[illegible] کا کیا کرو گے کیا اسٹور چلے گا۔"

"میرا اللہ سے [illegible] کا آپ

www.alifadab.com

دعا کرنا، ان شاء اللہ چلے گا۔"

"ایم اے کرلو پھر بنا دیں گے۔" دریہ نے ٹالا۔

"ایم اے کے بعد بھی یہی کرنا ہے تو ابھی کیوں نہیں۔"

علیم نے بھی سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اسود کی یہی رٹ رہی۔ بالآخر دونوں میاں بیوی کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ علیم نے ایک چھوٹا سا اسٹور کھول دیا۔

دریہ اس دن روتی رہی اور گھڑی گھڑی خود کو کوستی رہی کہ کاش اسود پہ تھوڑی توجہ دی ہوتی تھوڑی سختی پیار کچھ تو..... کچھ تو کیا ہوتا کہ یہ اتنا خودسر نہ ہوتا۔ پڑھ لیتا کوئی ڈھنگ کی نوکری کر لیتا۔ بزنس مین شروع میں تو دیہاڑی دار مزدور ہی ہوتا ہے۔ موسم خواہ کتنی ہی شدت والے ہوں محنت کرنا ہی ہوتی ہے کوئی چھٹی نہیں۔ کوئی ریسٹ نہیں۔ اب ایک بھائی ڈاکٹر ہوگا اور ایک دکان دار..... دریہ نے آنسو پونچھے۔

☆☆☆

"مما! آپ کو کچھ دکھاتا ہوں۔" اسود اندر آیا۔ اپنے ایک سالہ بیٹے کو ماں کی گود سے لے کر خود لیٹ گیا۔ ابراہیم احتجاجاً چلایا۔

"اپنی مما پاس چلو یہ میری مما ہیں۔" بیٹے کو کہہ کر وہ پھر سے گود میں سر رکھ کر لیٹا۔ دریہ مسکراتی رہی۔

"کیا دکھانے والے تھے؟"

"آپ کی پوتی..... ایزل۔" اسود نے موبائل سے تصویر دکھائی۔

"ہائے صدقے ایزد کی کاپی ہے۔ کب ہوئی بڑی لگ رہی ہے۔"

"سات ماہ کی ہے۔ ایزد کا فرینڈ آیا تھا ایک، وہ ان کے گھر اکثر جاتا رہتا ہے اس نے بتایا۔"

"ایزد کے پاس اب اتنی بھی فرصت نہیں ہے؟" دریہ نے آنکھ کا گوشہ صاف کیا۔ "دو ماہ ہو گئے اس سے بات کیے۔"

"مما، وہ بہترین نیوروسرجن میں سے ہے۔ اس کے پاس فرصت نہیں ہوتی۔ اور کر ہی تو لیتا ہے اکثر کال۔"

"ہاں تین تین ماہ بعد۔"

"میں نے میسج کیا ہے پاکستان چکر لگائے کہہ رہا تھا فرصت ملتے ہی آئے گا۔" اسود نے ماں کو بہلایا۔

"ہاں پچھلے دو سال سے تو فرصت ملی نہیں۔ یاد نہیں علیم کی ڈیتھ کے سات دن بعد آیا تھا۔"

"مما! وہ بہت مصروف ہوتا ہے۔"

"تم نہیں مصروف ہوتے کیا؟ لیکن پورا ٹائم دیتے ہو فیملی کو، میرا باقاعدگی سے چیک اپ، ہر چیز کا خیال اللہ تمہیں جزا دے بیٹا۔"

"بس بچپن میں ملی سزائیں کام آ گئی ہیں۔ آدھی آدھی رات تک میرے سر پر بیٹھی رہتی تھیں کہ میں پڑھوں۔"

"تمہارے بچپن میں، میں تمہیں لے کر جتنی ٹینشن میں تھی اب اتنا ہی سکون میں ہوں۔"

"بیگم صاحبہ کو ذرا شکل دکھالوں پھر کچھ مصروفیت ہے۔ آج لیٹ ہو جاؤں گا بی بلاک جا رہا تھا تو سوچا گھر کا چکر لگا لوں۔"

اسود باہر نکلا دریہ نے دوپٹے کے کونے سے آنسو پونچھے۔ علیم اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئے تھے اور ایزد ایسے سفر پر جس کا کوئی انت ہی نہیں تھا۔ اونچی سے اونچی اڑان کا سفر۔ آگے سے آگے بڑھنے کا سفر۔ اور اس سفر میں وہ اتنا آگے نکل گیا تھا کہ پیچھے کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ رشتے تو بالکل بھی نہیں۔ خود ہی شادی کر لی اور دو سال بعد بتایا اور اب سات ماہ کی بیٹی۔

چھ سال ہو گئے تھے اسے آئرلینڈ گئے۔ میڈیکل کے فوراً بعد چلا گیا تھا۔ بمشکل دو بار ایک ہفتہ کے لیے آیا تھا۔ اسود نے ماشاء اللہ دو اسٹور کھول لیے تھے۔ علیم ٹھیک ہی کہتے تھے۔ "جن بچوں کی اڑان اونچی ہوتی ہے وہ اکثر اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ پیچھے والے ان کے دھیان میں ہی نہیں رہتے۔ سلو کر نر رشتے جیت جاتے ہیں۔

☆☆

ماہنامہ کرن

ستمبر 2024ء کے شمارے کی ایک جھلک

- مشہور و معروف مصنفہ "نگہت عبداللہ" کا بہو سے ساس تک کا سفر،
- اداکارہ "حریم سہیل" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- "تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلہ وار ناول،
- "گنوا کر دل و جاں ہم" اُمِ طیفور کا مکمل ناول،
- "پہر ڈھلے" اُمِ اقصیٰ کا مکمل ناول،
- "کہانیوں والا پیار" فلک تنویر کا مکمل ناول،
- "ڈھائی گھر" یمنیٰ اختر کا مکمل ناول،
- "نخل وفا" فرح بخاری کا ناولٹ،
- راشدہ رفعت، ماہ نور احمد، حمیرا شفیع اور مریم شہزاد کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- "کرن کتاب"

معلوماتی مضامین اور مزیدار کھانوں کی ترکیبوں کے ساتھ،

ستمبر 2024ء کا شمارہ شائع ہو گیا

www.alifadab.com

صائمہ نور

ست رنگی

مکمل ناول

یاور حبیب اس وقت اسلام آباد ایئر پورٹ پر موجود کراچی کی فلائٹ لینے والا تھا۔ بورڈنگ کاؤنٹر سے فارغ ہونے کے بعد یاور فلائٹ ٹیک آف کے انتظار میں ویٹنگ ایریا میں آ بیٹھا۔ سیاہ سفید چیک کی شرٹ، سیاہ ہی اپنا رنگ کھوتی ہوئی جینز، اور پاؤں میں سیاہ سفید جاگرز پہنے ہوئے وہ اس وقت بھی ذہنی تناؤ کی کیفیت میں تھا، ایئر پورٹ کی مخصوص ہلچل بھی یاور کی توجہ کھینچنے میں ناکام ٹھہری تھی۔ ذہن میں مسلسل کئی گتھیاں سلجھاتے ہوئے یاور ہاتھ میں کافی لیے ادھر ادھر خالی نظریں دوڑا رہا تھا۔

اس نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا ابھی ٹیک آف میں کچھ وقت تھا۔ ''کم از کم کافی سکون سے پی لینی چاہیے۔'' وہ کل رات سے جاگا ہوا تھا۔

''بابا..... بابا.....'' یاور نے معصوم سی آواز پر چونک کر سامنے دیکھا۔ ایک بہت پیاری سی گلابی فراک میں ملبوس بچی وہاں موجود تھی۔ اس بچی کے ''بابا'' پکارنے پر یاور نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا کہ شاید وہ کسی اور کو پکار رہی ہو..... لیکن نہیں..... پیچھے کوئی موجود نہیں تھا۔

وہ بلاشبہ یاور کو ہی متوجہ کر رہی تھی۔ یاور نے بھنویں اچکائیں اور اس بچی کو دیکھا..... عجیب ہی تھا وہ یاور کو ''بابا'' کہہ کر بلا رہی تھی جبکہ یاور نے اسے آج پہلی بار دیکھا تھا۔ سدا کا بدمزاج، چڑچڑا یاور مسکرایا تک نہیں۔

''میں آپ کا بابا نہیں ہوں'' یاور نے اپنے تئیں بچی کو حقیقت بتائی اور پھر سے یہاں وہاں دیکھنے لگا۔

یاور کے اس صاف جواب پر بچی کے خوب صورت، معصوم چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ اس نے بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کر یاور کو پھر سے دیکھا۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنے شولڈر تک آتے گھنگھریالے بالوں سے کھیل رہی تھی۔ یاور نے اسے کن اکھیوں سے دیکھا۔ بچی کا حوصلہ کچھ بڑھا، وہ پھر یاور کے کچھ اور پاس ہوئی۔

''مجھے معلوم ہے آپ میرے بابا نہیں ہیں۔ میرے بابا یہاں نہیں ہیں، وہ اللہ میاں کے پاس ہیں.....'' اس نے آنکھیں افسردگی سے گھماتے ہوئے کہا۔

بچی کے اس جملے پر یاور مزید اسے نظر انداز نہیں کر سکا۔ وہ اب اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ بچی نے جھٹ اپنا ایک چاکلیٹ یاور کے سامنے کر دیا جس میں ایک چاکلیٹ بار موجود تھی۔

''کیا میں آپ کو یہ چاکلیٹ دے سکتی ہوں؟'' بچی کے اس جملے پر یاور کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

''آپ مجھے یہ کیوں دینا چاہتی ہیں؟'' یاور نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ میرے بابا جیسے لگتے ہیں اس لیے۔'' بچی کے انداز میں انتہائی معصومیت اور محبت تھی یاور چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چاکلیٹ لے لی۔

''اچھا..... رکو آپ یہ لوگی؟'' یاور نے بھی جواب میں اپنی شرٹ کی اوپری جیب سے چیونگم کا ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر اس بچی کے سامنے کیا۔

''نہیں، میں یہ نہیں لے سکتی۔'' وہ ایک ادا سے بولی تھی، اب اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔ یاور پھر حیران ہوا۔ ''مگر کیوں؟'' یاور اس بچی سے بات کرتے ہوئے خلاف توقع محظوظ ہو رہا تھا۔

''اس لیے کہ نانو کہتی ہیں کہ کوئی غیر بنا مطلب کوئی چیز دے تو وہ آپ کو کڈنیپ بھی کر سکتا ہے۔''

اس نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے جیسے بڑے پتے کی بات یاور کو بتائی۔

''اچھا..... چاکلیٹ تو آپ نے بھی مجھے دی ہے کہیں آپ کا ارادہ بھی تو مجھے کڈنیپ کرنے کا نہیں ہے؟'' یاور کی اس بات پر وہ بچی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''میں آپ کو کیسے کڈنیپ کر سکتی ہوں؟ آپ تو اتنے ٹال ہیں۔ پر میں تو چھوٹی سی ہوں آپ تو مجھے کڈنیپ کر سکتے ہیں.....'' وہ پھر بولی تھی۔

''آپ کے ساتھ کون ہے؟'' یاور اس کی لاجک پر مسکراتے ہوئے بولا۔ یاور کو احساس ہوا وہ کہیں کھو نہ جائے۔

''عنایا آپ یہاں ہو بیٹا میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔'' یاور نے دیکھا ایک بڑی عمر کی نفیس سی خاتون اس بچی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچی تھیں۔ انہوں نے چشمے کے پیچھے سے یاور کو دیکھا اور یاور نے انہیں۔

''نانو! یہ دیکھیں یہ میرے بابا جیسے لگتے ہیں نا.....'' عنایا نام کی اس بچی نے یاور کا تعارف اپنی نانو سے اس طرح کروایا کہ وہ بلاوجہ ہی جھینپ گیا۔

''آئی ایم سوری بیٹا!'' انہوں نے غور سے یاور کو دیکھا پھر اس کی سیاہ سفید شرٹ کو، عنایا ہر اس شخص میں جس نے سیاہ سفید امتزاج کی خانوں والی قمیص پہنی ہو، اپنے بابا کو ڈھونڈتی ہے۔''

''چلو بیٹا ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

انہوں نے یاور سے معذرت کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے عنایا کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھ گئیں۔

''بائے بابا.....''

عنایا نامی بچی یاور کو بائے کہنا نہیں بھولی تھی، یاور نے بھی اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔

''کتنی پیاری بچی ہے۔'' یاور نے سوچا۔

یاور قطعی اتنا خوش اخلاق نہیں تھا، وہ خود حیران ہوا، کچھ تھا اس بچی کی معصومیت میں..... جس نے یاور جیسے انسان کو بھی اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔

www.aliftaab.com

"یاور۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی زندگی بھی کوئی خوشگوار موڑ لے سکتی ہے..... جو آج کا دن اور آج کی رات اس کی زندگی میں نہ آئی ہوتی.....

☆☆☆

شام کا نارنجی سورج..... پورے آسمان پر اپنی دھاک بٹھا کر اب دوسری اور جا چھپا تھا۔ فضا بوجھل حبس زدہ رات کے تعاقب میں تھی..... شام جو مسافروں کے گھر پہنچنے کا سندیسہ لایا کرتی ہے..... وہی شام یاور کو اپنے لیے ساکن محسوس ہوئی..... کیونکہ کوئی چوکھٹ ایسی نہ تھی جہاں سر شام کسی کی آنکھیں یاور کا راستہ تکا کرتیں۔ اس نے اچٹتی سی نظر دوڑائی مسافروں کے چہرے پر سفر ختم ہونے اور گھر لوٹنے کی خوشی تھی..... آسمان کا پرسکون سماں رات کے استقبال میں تھا..... جب پلین نے کراچی رن وے کو چھوا۔

اس نے باہر نکل کر ایئر پورٹ سے متصل ایک فوڈ کورٹ کا رخ کیا۔ اسے اپنے جونیئر اسسٹنٹ عاطف کا انتظار تھا۔ وہ ایک حساس ادارے سے منسلک تھا، عاطف کو ایک اہم فلیش ڈرائیو یاور کے حوالے کرنی تھی۔ کافی دیر بعد بھی جب عاطف نہیں آیا تو یاور ابھی کشمکش میں ہی تھا کہ کیا کرے میز پر رکھا اس کا فون وائبریٹ ہوا..... اس نے جلدی سے نمبر دیکھا مبادا عاطف کا ہو..... فون اس کے باس کا تھا۔ وہ بغیر فلیش ڈرائیو لیے ان سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے فون بجتے دیا ہاتھ باندھے بینچ کی پشت سے ٹیک لگا کر اب وہ اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہیلو سر....." بھاری آواز پر یاور خیالوں سے باہر نکلا..... عاطف سامنے موجود تھا۔

"وقت دیکھا ہے، ملک کی کتنی کالز آ چکی ہیں میرے پاس اندازہ ہے؟ اب جلدی ڈرائیو دو تاکہ میں ملک سے مل سکوں۔" یاور نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"سر! مجھے معلوم ہے میں بہت دیر سے آیا ہوں، بٹ سر....." عاطف کہتے ہوئے اٹکا "مجھ سے ڈرائیو مس پلیس ہوگئی ہے۔" عاطف نے یاور کے ممکنہ غصے سے ڈرتے ہوئے بہت اٹک اٹک کر کہا تھا۔

"کیا..... کیا کہا تم نے؟ مس پلیس ہوگئی ہے؟ جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟" یاور جواب تک کافی ضبط کیے بیٹھا تھا یک دم بھتھے سے اکھڑ گیا، پلیس پر ہونے کی وجہ سے وہ آواز بدستور دھیمی رکھنے پر مجبور تھا مگر یہ نگاہیں آگ برسا رہی تھیں۔

"سر میرے پیچھے تھے وہ لوگ، میں آپ سے پہلے یہاں موجود تھا، آپ سے ملنے میں اس لیے دیر ہوئی کہ میں نے وہ ڈرائیو چھپا دی تھی کہیں پھر مجھے اس کو ڈھونڈنے میں دقت لگا۔"

"کہاں چھپائی تھی؟" اب یاور نے نسبتاً آرام سے پوچھا۔

"ایک مسافر لڑکی کے بیگ میں ڈال دی تھی۔" عاطف نے کہا۔

"کیا؟"

"سر اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"گھر دیکھ لیا ہے میں نے اس کا اسی میں وقت لگا۔"

"اور اب کیسے لو گے؟ کیا کہو گے اس لڑکی سے کہ میں ایک خفیہ ایجنٹ ہوں..... آپ کے بیگ میں بحالت مجبوری ایک نہایت حساس نوعیت کی ڈیوائس چھپائی تھی..... وہ ہی لینے آیا ہوں۔" یاور نے سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے عاطف پر طنز کیا۔

"سر میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا، عاطف اب کچھ پرسکون ہو چکا تھا۔ یاور خاموش ہی رہا۔

☆☆☆

رات گہری ہوتے ہی عاطف یاور کو لیے اس علاقے میں آ گیا جہاں عاطف نے اس لڑکی کا ایڈریس نوٹ کیا تھا۔ ان دونوں نے کافی دیر وہاں کا جائزہ لیا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ یاور دوبارہ کوئی گڑبڑ نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے خود اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک دو منزلہ رہائشی عمارت تھی۔ عاطف کے بتائے گئے پتے کے مطابق یاور بیرونی دیوار سے اوپر چڑھ کر پہلی منزل پر بنے ایک اپارٹمنٹ کی بالکنی میں کودا تھا۔ اب وہ دبے پاؤں گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ رہا تھا..... وہ وسط کے ایک کمرے نما برآمدے میں تھا۔ سامنے مدھم سی روشنی تھی شاید دھیما سا برقی قمقمہ جل رہا تھا۔ وہ ایک طرف ہو کر پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اگر اندر جاؤں بھی تو اتنے بڑے فلیٹ میں وہ بیگ کہاں ملے گا۔ یاور ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر اس لڑکی پر پڑی جو کانچ کی میز کے برابر میں جائے نماز پر بیٹھی شاید نماز پڑھ رہی تھی۔

یاور بے اختیار سا ہو کر، اس گندمی رنگت والی پرکشش لڑکی کو دیکھنے لگا جو یکسوئی سے نماز ادا کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور اب وہ رو رہی تھی..... بے آواز..... اس کے آنسو خاموشی سے اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔ یاور کو یاد نہیں آیا کہ اس نے کبھی دعا مانگی ہو۔ یاور دنیا و جہان سے بے خبر ہو کر اسے محویت سے دیکھتا رہا اس کی خاموش آہیں سسکیوں میں بدل گئیں.....

"سر..... آپ کی طرف خاموشی ہے سب اوکے "ڈو ڈیو گیٹ کاپی؟" یاور کی یہ محویت اس کے ایئر پوڈ میں سے ابھرتی عاطف کی آواز نے توڑی۔

"عاطف تھوڑا وقت دو، میں کام کر رہا ہوں۔" یاور نے کہا تو خاموش فضا میں معمولی سا ارتعاش ہوا جو نماز ادا کرتی اس لڑکی نے بخوبی محسوس کیا۔ وہ دعا مانگتے ہوئے یکدم چونکی اسے کسی کی موجودگی کا بہت پختہ احساس ہوا۔ وہ فوراً جائے نماز سے اٹھی اور نہایت احتیاط سے اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔

کمرے کے اختتام پر لگی جالی دار جیفری کے پیچھے اسے محسوس ہوا کہ جیسے کوئی وہیں موجود ہے۔

"کون ہے.....؟ وہاں کون ہے۔" اس کی آواز میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔ اب چھپے رہنے کا کوئی فائدہ نہ تھا، ویسے بھی یاور کا جو کام یہاں تھا وہ اس کی مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ وہ جیفری کی اوٹ سے ایسے باہر آیا کہ اس کے دونوں ہاتھ ہوا میں تھے۔ آدھی رات کو ایک چوڑے شانے والے، قد آور مرد کو منہ پر ڈھاٹا باندھے یوں اپنے گھر میں دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"ک..... ک..... کون ہو تم؟" اس نے زرد پڑتے چہرے کے ساتھ بمشکل لفظ ادا کیے۔

"شش....." یاور نے ایک انگلی سے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"سنو..... میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" یاور آہستہ آہستہ قدم اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ وہ لڑکی اسے آگے بڑھتا دیکھ کر خوف سے ہٹ رہی تھی..... وہ ایک جدید طرز پر بنا ہال نما کامن روم تھا جس کے ایک طرف امریکن کچن تھا..... وہ پیچھے چلتے چلتے کچن کاؤنٹر سے ٹکرائی..... اس نے ایک ہاتھ سے ٹٹول کر کاؤنٹر کی سطح پر پڑی چھری اپنے ہاتھ میں اٹھا لی تھی۔

"تم جو بھی کوئی ہو یہاں سے چپ چاپ نکل جاؤ....." اس نے کانپتے ہاتھوں سے چھری یاور کو دکھاتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا، اس کے چہرے پر خوف کے سائے صاف نظر آ رہے تھے۔ یاور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ کتنی بہادر تھی یہ یاور کو صاف نظر آ رہا تھا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا، بس مجھے کچھ لینا ہے یہاں سے۔" یاور نرمی سے کہتے ہوئے آگے بڑھا۔ آگے بڑھتے ہوئے اس نے چھری اس لڑکی کے ہاتھ سے کھینچ لی۔

"آج صبح تم ایئر پورٹ پر موجود تھیں؟"

یاور نے اس کے بالکل پاس جا کر، سرگوشی میں پوچھا تاکہ اسے کنفرم ہو جائے کہ وہ وہی لڑکی ہے جس کے بیگ میں عاطف نے ڈرائیو رکھی تھی۔

"ہاں" اس نے بمشکل کہا۔

"صبح جو ہینڈ بیگ تمہارے پاس تھا سفید رنگ

www.aiitadab.com

کا مجھے وہ چاہیے، کہاں ہے وہ؟'' یاور اس کے قریب کھڑا مسلسل سرگوشی میں سوال کر رہا تھا۔ اس لڑکی نے اندر کمرے کی جانب اشارہ کیا۔

''اس کمرے میں جہاں بیگ رکھا ہے کوئی اور ہے؟ گھر میں اور کون کون ہے؟'' یاور نے احتیاطاً پوچھا، وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔

''نہیں کوئی نہیں ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے وہاں لے چلو،'' یاور نے کہا۔ وہ لڑکی یاور کو ہاتھ کے اشارے سے مطلوبہ کمرے تک لے گئی، یاور نے اندر داخل ہو کر کمرہ لاک کیا۔ اب اس لڑکی کا روم روم کانپ رہا تھا۔ وہ تھر تھر کانپتی الماری کی جانب مڑی اور اپنا ہینڈ بیگ نکالا۔

''یہ..... یہ رہا۔'' اس لڑکی نے سراسیمگی سے وہ بیگ یاور کے آگے لہرایا۔ یاور اس لڑکی کے بالکل پیچھے آ چکا تھا۔

اس نے وہ پرس فوراً اپنے ہاتھ میں لیا بیگ کی تلاشی لیتے ہی اسے وہ ڈرائیو والا چھوٹا سا لفافہ نظر آ گیا۔ یاور نے وہ نکال کر اپنی جینز کی جیب میں احتیاط سے رکھا۔

''یہ لو بیگ۔'' یاور اب پوری توجہ سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جس کی رنگت خوف سے سفید پڑی ہوئی تھی۔ اس لڑکی نے وہ بیگ تھام لیا۔ وہ الماری بند کر کے مڑی تو وہ خود بخود الماری سے لگ گئی کیونکہ یاور بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا، الماری اور بیڈ بالکل ساتھ ملے ہوئے رکھے تھے، جب تک یاور وہاں سے نہ ہٹتا وہ لڑکی وہاں سے ہل بھی نہیں سکتی تھی۔

''آپ جو چرانے آئے تھے چرا لیا ہے اب جائیے''..... اس لڑکی نے ڈرتے ہوئے کہا۔

یاور کا کام ہو گیا تھا، لیکن اس لڑکی میں کچھ ایسی کشش تھی کہ اس کے قدم وہیں جم گئے تھے، یاور نے منہ پر سختی سے بندھے ماسک کو ایک ہاتھ سے نیچے کیا، نہ تو وہ اتنا جذباتی تھا نہ ہی وہ لڑکی ماروائی حسن رکھتی تھی..... پھر بھی اس لڑکی میں ایک انجانا سا سحر تھا جس نے یاور کو جکڑ لیا تھا۔ یاور کا دل چاہا وہ بھی اسے دیکھے، پتا نہیں وہ یہ بداحتیاطی کیوں کر رہا تھا، جو بھی تھا اسے لگا وہ اس لڑکی کے سحر سے کبھی نکل نہیں پائے گا۔ کاش وہ اسے نارمل حالات میں کبھی مل پائے، وہ اس سے رونے کی وجہ پوچھنا چاہتا تھا اس وقت..... کاش وہ اپنا حال دل اس سے ابھی کہہ پاتا..... اس کے دل کا حال ابھی سن پاتا..... پر ایک چور سے کوئی دل کی باتیں کیوں کر سکتا ہے.....!! یاور نے وہیں کھڑے کھڑے اتنی ساری باتیں سوچ لی تھیں۔

''ایک بات پوچھنی ہے؟'' یاور نے کہا تو وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی نگاہوں میں خوف تھا۔

''اتنا رونا کیسے آتا ہے؟ اور تم دعا میں کیا مانگ رہی تھیں بے تحاشا رو کر؟'' یاور نے ایک ہاتھ پیچھے الماری پر ٹکایا اور پھر پوچھا تھا۔ وہ کیا کہتی اس کے تو حواس ہی گم ہو چکے تھے۔

''آپ جو چرانے آئے تھے چرا لیا ہے اب جائیے۔'' یاور نے اس کی بات پر لب بھینچے۔ اس نے دوسری بار اسے چور کہا تھا۔

''میں شکل سے چور لگتا ہوں؟'' یاور نے اب ماسک پوری طرح چہرے سے ہٹا لیا تھا تاکہ وہ اسے اچھی طرح دیکھ سکے..... پھر اپنی نگاہیں اس پر مرکوز کیں۔

''آپ پلیز مجھے جانے دیں،'' وہ اب رو دینے کو تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ آدمی کون ہے جو صرف ایک چیز چرانے آیا ہے۔

''سر آپ پرسنل ایجنڈے پر بعد میں کام کر لیجیے گا۔ اگر ابھی یہاں کوئی آ گیا تو ساری محنت بے کار جائے گی۔'' عاطف کی آواز ابھری تو یاور نے اسے بغیر کوئی جواب دیے ایئر پوڈ کان سے نکال کر ہاتھ میں لیا۔

''اپنا موبائل دو.....''

''ک..... کیوں چاہیے؟'' وہ پھر اٹک اٹک کر بولی تھی۔

''چاہیے.....!!'' یاور کی آنکھوں میں دلچسپی تھی۔

''وہ..... وہ رکھا ہوا۔''

اس نے بیڈ کی سائیڈ پر رکھی پتائی کی طرف اشارہ کیا۔ یاور نے ہاتھ بڑھا کر اس کا موبائل اٹھایا اور اپنے سیل پر مس بیل دی۔

''چلو چلتا ہوں۔'' یاور نے ایسے کہا جیسے وہ اس سے ہی ملنے وہاں آیا ہو۔ موبائل واپس وہیں رکھ کر وہ بولتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ وہ اس اجنبی عجیب چور کو جاتا دیکھتی رہی۔ اسے اپنا سانس بحال کرنے میں کافی وقت لگا۔

☆☆☆

سفید یارس..... سیاہ رنگ کے بڑے سے مضبوط جالی دار پھولوں والے آہنی دروازے پر رکی، گارڈ نے یاور کو دیکھتے ہی سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔ یاور نے گاڑی پارک کی تو وہاں سناٹا تھا۔

''سب گھر والے کہاں ہیں'' یاور نے گاڑی سے اترتے ہوئے گارڈ سے پوچھا۔

''گھر میں ہی ہیں بڑے صاحب باہر گئے ہوئے ہیں'' اچھا ہی ہے یاور نے دل میں شکر ادا کیا۔ پورچ میں ہارسنگھار کے پھول بکھرے ہوئے تھے جن کی بھینی خوشبو چار سو پھیلی تھی۔

وہ خوشبو محسوس کرتا ہوا پورچ کے برابر سے گولائی میں نکلتی سیڑھیوں پر قدم رکھ چکا تھا۔ پچھلے لان میں لگے ناریل کے درختوں کی قامت اتنی تھی کہ ان کے پتے پہلی منزل تک پہنچتے تھے..... پہلی منزل کے ٹیرس پر جہاں یاور کا کمرہ تھا..... اس کے کمرے کی بالکنی میں جھانکتے یہ ناریل کے درخت بھی یاور کو یاسیت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے محسوس ہوتے..... اس گھر کے چپے چپے میں یاور کا بچپن بکھرا ہوا تھا.....

وہ بچپن جس میں یاور کے لیے تلخیاں ہی تلخیاں تھیں..... وہ ان تلخیوں کو یاد بھی نہیں کرنا چاہتا..... وہ کبھی بھی یہاں نہیں آتا جو ایک مہربان وجود اس کے بچپن میں..... اس گھر میں موجود نہ ہوتا..... اگر وہ وجود نہ ہوتا تو..... شاید وہ بھی نہ ہوتا..... اوپر کی منزل میں تین کمرے تھے، دو ساتھ برابر اور ایک نسبتاً تھوڑا فاصلے پر۔ یہ سب ہمیشہ سے ایسے نہ تھا۔ جب وہ اس گھر کا مکین تھا تو اوپر صرف ایک ہی کمرہ تھا جو کہ یاور کا تھا۔ اس وقت شاید وہاں کوئی موجود نہ تھا، وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا کمرہ صاف ستھرا تھا۔ ہر چیز جگہ پہ رکھی تھی۔ وہ مسکرایا یہ بھی اس مہربان کی مہربانی تھی کہ وہ اس کے انتظار میں اس کے کمرے کا خیال رکھا کرتی۔

یاور وہاں موجود پرانے طرز کے سنگل بیڈ پر دراز ہو گیا، وہ کچھ دیر سونا چاہتا تھا..... آنکھیں بند کرتے ہی نیند دور بھاگ گئی تھی، ویسے تو نیند ہمیشہ ہی اس سے روٹھی رہتی تھی..... پر کچھ دن سے وہ جیسے ہی آنکھیں بند کرتا..... اس کا دل جہاں برسوں سے شام کا بسیرا تھا..... یکدم غم کی شدت سے پھٹنے لگتا..... بے ساختہ یاور کا ہاتھ اپنے سینے پر ٹھہر گیا..... آخر اس کو اتنی بے قراری کیوں تھی؟ یکدم یاور گھبراہٹ میں مبتلا ہوا..... وہ دو آنکھیں..... یاور بھول کیوں نہیں رہا تھا..... وہ خوف میں لپٹا چہرہ..... یاور کے ذہن سے ایک پل کو بھی محو نہیں ہوا تھا..... کیوں؟

کیا یہ محبت تھی؟ مگر کیسے؟ اگر یاور کے اختیار میں ہوتا تو محبت وہ صرف ایک لڑکی سے کرتا جو سب سے زیادہ مستحق تھی اس کی محبت کی..... لیکن یہ محبت.....!!

بے اختیار وہ اٹھ کر بیٹھ گیا..... ان خوب صورت آنکھوں میں، بے پناہ اداسی اور یاسیت تھی۔ ایسی ہی اداسی یاور نے کہیں اور بھی دیکھی تھی..... کہاں.....؟ اس نے سوچا..... شاید اس کے اپنے دل میں.....؟ شاید نہیں یقیناً یہ اسکے دل کا عکس تھیں جو اس اداسی اور حسرت کو پہچان گیا تھا جو اس کے اپنے دل میں برسوں سے کسی آسیب کی طرح موجود تھی..... یاور کو نگاہ وہ اس کا گمشدہ حصہ تھی۔

www.ahadab.com

اور معلوم نہیں کون تھی وہ؟ وہ یاور سے ملی بھی تھی تو ایسے..... یاور کو چور ہی سمجھ لیا تھا۔ اس نے لب بھینچے۔ اس کی یاد آتے ہی یاور کا ہاتھ بے ساختہ اپنے موبائل کی طرف گیا تھا..... اس نے دو دن پہلے کی تاریخ میں تقریباً آدھی رات کو اپنے نمبر پر بھیجے گئے نمبر کو تلاش کیا.....

اس نے اس لڑکی کا نمبر "دعا" کے نام سے محفوظ کیا وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا..... وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا..... کہ اس کی آنکھوں میں اتنی اداسی کیوں ہے؟ وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کیا بات تھی جو اسے یوں رات کے آخری پہر زار وزار رلا رہی تھی.....؟ وہ پوچھنا چاہتا تھا..... کہ وہ یوں بے تحاشا رو کر خدا سے کیا مانگ رہی تھی؟ وہ ضرور پوچھے گا اس نے سوچا..... اس نے اندھیرے میں اپنی سگریٹ ٹٹولی جو اس کے پاس ہی رکھی تھی۔ سگریٹ ہاتھ میں لی ہی تھی کہ دروازہ کھلنے سے روشنی کی ایک لکیر بھی یمنیٰ کے ساتھ اندر آئی تھی.....

یاور نے اس کو دیکھا..... درمیانہ قد..... متناسب سراپا..... خوب صورت چہرہ..... خوش لباسی..... وہ اچھی خاصی قبول صورت تھی۔

"کب آئے؟" یمنیٰ نے اندر داخل ہوتے ہی کمرے کی لائٹ جلائی۔ اور یاور کے بالکل سامنے بیٹھ گئی۔

"بس ابھی" یاور نے سنجیدگی سے یمنیٰ..... کو دیکھ کر جواب دیا۔

"پتا ہے کتنے مہینے بعد آئے ہو؟" منیٰ کے لہجے میں شکایت اور فکر ایک ساتھ تھی۔

"تم جانتی ہو کیوں اور کس لیے..... بار بار کہہ نہیں سکتا میں.....!!" یاور نے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ سلگائی۔

"احسان ہے تمہارا....." یمنیٰ نے یاور کو دیکھتے ہوئے کہا، یاور اس کے طنز پر پھیکا سا مسکرایا..... ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ.....

"کل ہے میری انگیجمنٹ کیا کروں؟" یمنیٰ نے یاور کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہی جو کرنے جا رہی ہو....." یاور نے سگریٹ کی راکھ پاس پڑی ایش ٹرے میں جھٹکتے ہوئے کہا۔

"میں نے پیغام چھوڑا تھا تمہارے سیل پر، شاید تم نے دیکھا نہیں..... تم کل تک بھی مجھے کہو گے تو میں....." یمنیٰ نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم یہ بھی جانتی ہو میں ایسا نہیں کروں گا؟" یاور کا لہجہ بے لچک تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟ میں مر مر کر جیوں ہمیشہ؟" یمنیٰ کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"آدھی زندگی، زندگی سے بھاگتا رہا ہوں..... میں۔ اب تم کیا چاہتی ہو..... باقی آدھی زندگی خود سے بھی بھاگوں....." یاور نے دھیمے سے کہا تھا۔

"کیا میں اتنی ہی ارزاں ہوں؟ یا تم باقی سب کا بدلہ مجھ سے لینا چاہتے ہو؟"

یمنیٰ نے کہا تو یاور کے دل پر ہاتھ پڑا۔

"تم ارزاں نہیں ہو..... میں قیمتی چیزیں سنبھالنے کے قابل نہیں ہوں..... اور تم سے بدلہ نہ لوں اس لیے تم سے دور رہنا چاہتا ہوں یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" ..... یاور نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھا کر چھوڑ دیا۔

"یاور....." یمنیٰ کی آنکھوں میں تیرتی بے بسی سے یاور نے نظریں چرائی..... وہ مزید یمنیٰ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے نیچے جانے کا کہہ سکتا تھا سو خود اٹھ گیا۔

"میں نیچے جا رہا ہوں، ماموں سے ملوں گا پھر چلا جاؤں گا۔" ..... یاور کہہ کر مڑا.....

"کل چلے جانا..... آج مت جاؤ....." یاور کے قدم وہیں جم گئے۔

"کل چلے جانا، آئندہ میں کہوں بھی تو مت آنا....." یمنیٰ کے لہجے میں التجا تھی۔ یاور نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جواب دیے بغیر نیچے کی طرف چلا

گیا۔

یاور نیچے بڑے سے ہال نما برآمدے میں آیا تو ماہین سامنے ہی منہ پر فیس ماسک لگائے بیٹھی تھی۔ اس نے یاور کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

یاور نے بھی اسے ہائے کہا اور وہیں ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مامی کہاں ہیں؟" یاور نے اسی سے سوال کیا۔

ماہین نے ہاتھ کے اشارے سے اندر کی جانب اشارہ کیا تو یاور سر ہلا کر وہیں بیٹھا رہا۔ مامی نے شاید یاور کی آواز سن لی تھی وہ..... وہیں آ رہی تھیں۔

"کیسے ہو بیٹا! بڑے دن بعد آئے؟" انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ یاور نے کچھ نہیں کہا۔ "اب آئے ہو تو کھانا کھا کر جانا۔" انہوں نے جواب نہ پا کر بھی کہا۔

"آج یہیں رکوں گا"

یاور کی اس بات پر مامی اور ماہین دونوں حیران ہوئیں مدت ہوئی وہ وہاں آنا جانا بھی چھوڑ چکا تھا ناکے رکنا۔

"رک جاؤ بیٹا، آج ہی کیوں، یہیں رہو ہمارے ساتھ۔"

یاور کے پورے بچپن میں ایک پتلے کا سا کردار نبھانے والی ممانی اب اس سے بات کرنے لگی تھیں۔ وہ حیران نہیں ہوتا تھا نہ ہی اسے ان سے کوئی شکایت تھی۔ جو شخص کبھی اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھا سکتا ہو وہ بھلا دوسروں کے لیے خود کو مصیبت میں کیوں ڈالے گا، بلکہ ایک طرح سے یاور کو ان سے ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔ کبھی کبھی یاور کو وہ اپنی طرح ہی لگا کرتیں بلکہ اب تو یاور سے بھی زیادہ مظلوم دکھائی دیتیں گزرے ماہ وسال نے ان کی زندگی میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں کی تھی۔ یاور نے انہیں بتایا۔ وہ یاور کی رکنے والی بات پر متفکر سی نظر آئیں کیوں کہ کل یمنیٰ کی رسم تھی، اور یاور کے ماموں بھی چاہتے تھے کہ یاور اس منگنی میں شریک ہو ان کے بیٹے کی حیثیت سے۔

مامی کل ہونے والی رسم کے سلسلے میں کافی مصروف سی تھیں پھر بھی تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھیں چائے بنوائی کھانے کا پوچھا۔ سب ہی تیاریوں میں تھے ماسوائے دلہن کے۔

یاور کچھ دیر وہاں بیٹھ کر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا ماموں گھر پر نہیں تھے۔ "صاحب کھانا لگ چکا ہے آپ آ جائیے بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔" شام میں ملازم نے آ کر بتایا تو یاور فریش ہو کر نیچے آ گیا۔

کھانے کی بڑی سی میز پر پہلی اور مرکزی نشست پر یاور کے ماموں وحید علی بیٹھے تھے۔

"یاور نے سب سے پہلے انہیں سلام کیا اور اپنی مخصوص نشست سنبھال لی۔"

آ گئی ماموں کی یاد، تم تو اپنی ماں سے بھی زیادہ طوطا چشم نکلے ہو، کوئی غیر بھی خیریت کا ایک فون کر لیتا ہے پر تم ماں بیٹا غیروں سے بھی پرے ہو۔ پال پوس کر اس قابل بنایا ہے کہ آج یوں ہم سے الگ رہ سکتے ہو۔ پر احسان ماننا تمہارے خون میں ہی نہیں ہے۔"

وہ دل کی بھڑاس نکال چکے تو چپ ہو گئے۔

یاور اور وہاں موجود تمام افراد خاموشی سے کھانا کھاتے رہے..... جیسے ان کے طعنے بھی ڈنر کا کوئی حصہ ہوں اس کے بعد انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

"ابو کبھی تو سکون سے کھانے دیا کریں۔ اس لیے تو یہ یہاں نہیں آتا آپ ایک منٹ اس کو دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتے۔" یاور صرف ان کے برے سلوک کی وجہ سے یمنیٰ سے ہمیشہ دور رہا، اس بات نے یمنیٰ کے دل میں ان کے لیے بے زاری سی پیدا کر دی تھی۔

یمنیٰ کھانے سے ہاتھ روک چکی تھی۔ صرف وہی تھی جو وحید صاحب کے سامنے بول سکتی تھی۔

"ہاں بھئی میں ہی کانٹا ہوں تم سب کی نظر میں..... نہ جانے کون لوگ ہوتے ہیں جن کی نیکیاں ان کے کام آتی ہیں، ہمارے تو کام کیا آتیں الٹا میری

www.alifadab.com

اپنی ہی اولاد میرے خلاف ہوئی۔

وہ ایک بار پھر سے شروع ہو چکے تھے۔ یمنیٰ اٹھنے میں ایک منٹ نہ لگاتی جو یاور وہاں موجود نہ ہوتا۔

"پال پوس کر اس قابل بنایا ہے....." یاور اس ایک جملے پر اٹکا ہوا تھا ہاں یہ بات سچ ہی تو تھی انہوں نے اسے پالا پوسا تھا۔

"اب آ کر احسان کر ہی دیا ہے تو جانا مت "یمنیٰ کی رسم میں شرکت کیے بنا۔" انہوں نے یاور کو دعوت بھی ایسے دی جیسے اس پر احسان کیا ہو۔

یہی بات وہ ایسے بھی کہہ سکتے تھے جیسا دل میں چاہتے تھے لیکن ان کی احسان جتانے کی عادت بے حد راسخ تھی۔

حالانکہ اب وحید صاحب، یاور کو اپنا بیٹا ہی سمجھنے لگے تھے یہ اور بات کہ وہ فطرتاً ہی ایسے تھے کہ ان کے دل میں جو بھی ہوتا زبان انگارے ہی برساتی۔

☆☆☆

رات کھانے کے بعد یمنیٰ تو ایسی غائب ہوئی کہ پھر نظر ہی نہیں آئی۔ یاور اس سے بات کرنا چاہتا تھا..... مگر شاید وہ نہیں۔ یاور کیا کہتا وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ دوسرا دن طلوع ہوتے ہی گھر میں خوب گہما گہمی اور شادی والے گھر کی مخصوص رونق تھی۔ چھوٹی سی تقریب تھی تو پچھلے لان میں ہی اہتمام کیا گیا تھا۔

ہار سنگھار کے نازک پھول، یاور ملیحہ اور بچپن ..... کتنا خوبصورت سنگم تھا۔

یاور اوپر اپنے کمرے کی بالکنی سے تیاریاں دیکھ رہا تھا۔ ماہین ہر کام میں پیش پیش تھی، یمنیٰ اور ماہین کی ایک بہن اور تھی مونا وہ بھی اپنے دو بچوں کے ساتھ موجود تھی، اس کا شوہر تو شاید رات میں ہی آئے گا یاور نے سوچا۔

آہ..... یمنیٰ..... اس کے بچپن کی اکلوتی ساتھی صرف بچپن کی ہی نہیں پوری زندگی میں وہ ہی ایک خوب صورت حوالہ تھی مگر افسوس کہ اس کے پاس اس پیاری لڑکی کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ شام میں [illegible] دیر پہلے ہی یاور بغیر کسی کے بلائے نیچے آ چکا تھا۔ یمنیٰ کو رسم کے لیے بلایا گیا تو ماہین اسے لینے اندر گئی۔ یاور لان اور برآمدے کو ملانے والے آرائشی خم دار قوس سے ٹیک لگائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ نگاہوں میں نامعلوم سی افسردگی تھی۔ وہ یمنیٰ سے محبت نہیں کرتا تھا پر اسے معلوم تھا وہ اس سے محبت کرتی ہے اور یہ بات اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔

آف وائٹ رنگ کے خوبصورت فراک کے ساتھ میچنگ ٹراؤزر، گلابی رنگ کا بڑا سا دوپٹہ اوڑھے وہ دمک رہی تھی۔ ماہین اسے باہر چھوٹے سے پھولوں سے سجے اسٹیج کی طرف لے جا رہی تھی۔ فضا گلاب اور موتیے کی مہک سے رچی ہوئی تھی۔ یاور کے دل میں بھنور کا سا اضطراب تھا۔ جو کسی طرح کسی پل ٹھہرنے میں ناکام تھا۔

وہ یمنیٰ کو ہی دیکھ رہا تھا۔ سیاہ بال پیشانی پر پڑے تھے۔ چہرے سے دل کی کیفیت عیاں تھی۔

"دکھ صرف محبت کھو دینے کا نہیں ہوتا۔ انجانے میں ہی سہی کسی کو دکھ دینے کا درد بھی کہیں کا نہیں چھوڑتا۔" وہ چاہتا تو اسے اپنا لیتا یہ اتنا مشکل نہیں تھا۔ پر ایسا کرنے سے اسے اپنوں سے ایک نیا رشتہ جوڑنا پڑتا ان لوگوں سے جن سے اس کا پہلا رشتہ ہی ناکام ٹھہرا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اگر یمنیٰ کو اپنا لے تو اسے خوش رکھ سکے گا یا نہیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا اسے اذیت دے۔ یا ماضی کی کسی تلخی کا سایہ یمنیٰ پر پڑے وہ لڑکی جو یاور کے لیے ایک سائے کی مانند تھی وہ اسے خوشی دیتا نہ دیتا دکھ کی وجہ نہیں بن سکتا تھا۔

یمنیٰ کی نظروں میں بے بسی تھی محبت تھی، شکایت تھی، درد تھا، کیا تھا جو اس کی نظروں میں نہیں تھا..... وہ آگے بڑھتے ہوئے اسی محراب کے پاس رکی..... اس نے مڑ کر یاور کو دیکھا جیسے اس سے آگے جانے کی اجازت طلب کر رہی ہو.....

یاور نے ایک لمبی سانس کھینچی..... آنکھوں کی ذرا سی جنبش سے یمنیٰ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا.....

پھر خود بھی جا کر اپنے ماموں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

جہاں شوہر عیاش اور بیوی بدزبان ہو تو دنیا کی کوئی طاقت ایسے گھر کو ٹوٹنے سے نہیں بچا سکتی۔ ایسا ہی کچھ عابد اور عارفہ کے ساتھ ہوا تھا۔

شادی کو بمشکل سات ماہ ہوئے تھے کہ عارفہ روز روز کی لڑائیوں سے تنگ آ کر میکے لوٹ آئی تھی۔

خود عارفہ میں بھی شدید عدم برداشت تھی وہ دوبدو مقابلہ کرتی اور ہر بات کا جواب دیتی جس کا نتیجہ طلاق کی صورت ہی نکلنا تھا۔ طلاق کے ٹھیک دو ماہ بعد یاور کی پیدائش ہوئی، بدقسمت یاور جو پہلوٹھی کی اولاد اور اولاد نرینہ ہونے کے باوجود کسی کی آنکھ کا تارا نہ بن سکا۔ ماں کو وہ ایک بوجھ لگتا جو زندگی بھر کے لیے ان پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ باپ نے تو پلٹ کر شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ نانا نانی تو بہت پہلے ہی عدم سدھار چکے تھے، لے دے کے ایک ماموں تھے وحید علی، وہ اپنی بہن سے کچھ مختلف نہ تھے بلکہ حد درجہ غصیلے، زبان کے کڑوے اور تیکھے مزاج کے حامل تھے۔ ویسے بھی جب ماں باپ ہی اپنے بچے کو بوجھ سمجھیں تو دوسروں سے توقع ہی عبث ہے۔

وحید علی اپنی بہن کا بھی جینا حرام کیے رکھتے، انہیں ہر وقت طعنے دیتے کہ محض سات ہی ماہ شوہر کے گھر رہ سکی۔ عارفہ وحید علی کو بھی خاطر میں کہاں لاتی تھیں۔ وہ ہر وقت یہاں بھی پانی پت کا سیاہ ان سجائے رکھتی۔ انہی جھگڑوں کے درمیان یاور دو سال کی عمر تک پہنچا۔

عارفہ زبان کی تیکھی مگر نین نقش جاذب نظر تھے پھر عمر بھی کم ہی تھی۔ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ بھی تھا۔ خاندان کی کسی تقریب میں ایک دور کے کزن نے عارفہ کو بہت عرصے بعد دیکھا تو دل دے بیٹھے اور شادی کے لیے عندیہ دیا۔ عارفہ تو خود اس جہنم سے نکل جانا چاہتی تھی، اس نے نے آگے پیچھے کچھ نہ سوچا اور وحید علی سے کہا کہ وہ شادی کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے شرط رکھی تھی کہ وہ یاور کو قبول نہیں کرے گا جبکہ ان کی اپنی پہلے سے دو بیٹیاں موجود تھیں۔ عارفہ کو قطعی اعتراض نہ ہوا وہ جس شخص سے نفرت کرتی تھی اس کی اولاد بھی کہاں اسے پیاری تھی۔

وہ دو سال کے یاور کو ماموں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنی نئی دنیا بسانے چل دی۔ کبھی مہینے دو مہینے میں آتی تو یاور سے ایسے ملتی جیسے وہ اس کی نہیں ان کے بھائی کی اولاد ہو۔ وحید علی بھی شادی شدہ اور ایک بیٹی کے باپ تھے، ان کا رویہ صرف یاور کے ساتھ ہی نہیں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ بھی اسی قسم کا تھا۔ ان کی بیوی ایک صابر صلح جو اور نرم طبیعت کی خاتون تھیں۔

وہ ہر وقت سہمی ہوئی رہتیں۔ اس گھر میں وحید علی کے علاوہ شاید ہی کوئی بات کر پاتا۔ یاور جب اسکول جانے کے لائق ہوا تو یاور اور مونا وحید علی کی بیٹی کو ایک ساتھ ہی اسکول میں داخل کروایا گیا، وجہ یہ تھی کہ ان کی بیٹی کی دیکھ بھال کے لیے کوئی اسکول میں ہمہ وقت اس کے ساتھ ہو۔ یاور خود بہت چپ اور ذرا ہوا رہتا تھا۔ وقت اور ماحول کی ستم ظریفی نے اسے ایسے پروان چڑھایا تھا کہ وہ زیادہ تر اپنے خول میں سمٹا رہتا۔ وہ بے حد خاموش طبع تھا۔ یاور اسکول سے آ کر بھی گھر کے بہت سے کام کیا کرتا۔ ماموں اسے ایک منٹ بیٹھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ بار بار احسان جتاتے کہ اس کے سگے ماں باپ اسے فراموش کر چکے ہیں جبکہ وہ اسے اپنی سگی اولاد کی طرح پال رہے ہیں۔

چھٹی والے دن وہ اپنے ماموں کے پولٹری فارم میں ان کے ساتھ جاتا اور وہاں کے نظام کی دیکھ بھال کرتا۔ ماموں نے اسے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ میٹرک کے بعد اسے ہی یہاں کی دیکھ ریکھ کرنی ہے۔ وقت نے یاور کی بے قدری کا بدلہ یوں لیا تھا کہ وحید علی کی مزید دو بیٹیاں ہوئیں، اولاد نرینہ سے اللہ نے انہیں محروم ہی رکھا۔ اس کی ماں عارفہ اولاد سے ہی محروم رہی۔ اس کے سگے باپ کے یہاں چار بیٹیاں ہوئیں، عابد کو بہت سالوں بعد یاد آیا کہ ان کا

www.aliraqab.com

ایک بیٹا بھی ہے، یاور نے تو کبھی ان کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔

وہ اسے لینے آئے تو وہ اجنبی نظروں سے انہیں تکتا رہا۔ وحید علی نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا کہ یہاں آنے کی ہمت کیسے کی؟ اور یاور کو ان کے ساتھ بھیجنے سے صاف انکار کر دیا، وہ پلے پلائے جوانی کی سرحدوں پر کھڑے لڑکے کو کیوں انہیں سونپتے؟ وہ کورٹ کچہری کی دھمکی تو دے کر گئے مگر پھر کبھی پلٹ کر نہیں آئے۔ وحید علی یاور کو مکمل اپنے کنٹرول میں رکھے ہوئے تھے وہ ان کی مرضی کے بغیر سانس تک لینے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

گھر میں وہ کسی سے فالتو بات نہیں کرتا تھا۔ ہنسنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

ممانی یوں تو اس کے کھانے پینے کا دھیان رکھتیں جیسے اپنے بچوں کا لیکن اس کے علاوہ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

مونا سے چھوٹی ماہین اور یمنیٰ تھی۔ ماہین اور مونا اپنی ماں کی طرح تھیں، سمجھتی سب تھیں پر کسی معاملے میں بولنے کا حوصلہ نہ تھا جبکہ یمنیٰ ان سب کے برعکس بے خوف اور راست گو تھی۔

یاور اب تھوڑا بڑا ہو چکا تھا، اسے اپنی ضروریات کے لیے پیسوں کی ضرورت رہتی پر ماموں اسے ایک روپیہ ہاتھ میں نہ دیتے، نہ ہی اس کے پاس وقت ہوتا کہ وہ کوئی کام کر سکے یا ٹیوشن ہی پڑھا کر کچھ پیسے کما سکے۔ وہ پولٹری فارم کے کاموں میں اور اسکول میں اتنا مصروف رہتا کہ وقت ہی نہیں بچتا۔

ماموں اسے پڑھا رہے تھے تو بہت بڑی بات تھی، وہ دن رات اٹھتے بیٹھتے جتاتے۔ ایک بار اسے اپنے اسکول کے کسی پروجیکٹ کے لیے پیسوں کی ضرورت پڑی تو اس نے پہلی بار پولٹری فارم کے پیسوں میں ہیر پھیر کی جو وحید صاحب کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی انہوں نے بری طرح یاور کو مارا۔ جب انہوں نے آخری داؤ کے طور پر یاور کا سر دیوار پہ مارا تو یمنیٰ نہیں رہ سکی وہ ان کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی.....

''آپ اسے نہیں ماریں ابو، بس کر دیں..... اس کے سر سے خون نکل رہا ہے..... پلیز۔'' یمنیٰ نے کچھ اس لجاجت سے کہا کہ وہ پیچھے ہٹ گئے خود وحید علی بھی اسے مار مار کر تھک گئے تھے۔

یمنیٰ نے یاور کو پانی پلایا، ماہین کے ساتھ مل کر اس کو اس کے کمرے میں لے کر گئی، اس کے جسم پر گرم پانی کی بوتل سے ٹکور کی، درد کی دوا دی، یہی نہیں بلکہ جب تک یاور ٹھیک نہیں ہو گیا اسے ہلدی والا گرم دودھ باقاعدگی سے دیتی رہی۔

یہیں سے یاور اور یمنیٰ کی دوستی پروان چڑھی۔

یاور کو پہلی بار معلوم ہوا کہ خون کے رشتوں کے علاوہ ایک اور بھی رشتہ ہوا کرتا ہے ''احساس'' کا رشتہ۔ جو سگے رشتوں میں بھی نہ ہو تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ یمنیٰ نے اس سے چوری بابت پوچھا اور یاور نے اسے سارا سچ بتا دیا، ''تو تم ابو سے مانگ لیتے؟'' یمنیٰ کے لیے کہنا آسان تھا۔ یاور خاموش رہا۔

''غلطی تمہاری ہے جو لوگ حق کے لیے آواز نہیں اٹھاتے انہیں پھر یونہی مار کھانی پڑتی ہے ہر وقت ہر جگہ۔'' یمنیٰ ہر وقت اپنے ہی باپ کے سامنے بولنے کے لیے یاور کو اکساتی، وہ اسے یوں دن رات وقت کی چکی میں پستا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ پھر یاور کی زندگی نے ایک اور موڑ لیا جب اس کے اسکول میں میتھس کے ٹیچر انیس ملک آئے۔ انہوں نے اپنے گہرے مشاہدے کے نتیجے میں جلد بھانپ لیا کہ یاور ایک ذہین مگر ہر وقت ذہنی الجھنوں میں گھرا طالب علم ہے۔

انہوں نے اس پر توجہ دینی شروع کی، شروع میں تو یاور ان سے بات کرنے میں بہت جھجکتا پر ان کی مستقل توجہ اور محبت سے آہستہ آہستہ وہ ان سے ہر بات کرنے لگا۔ انہوں نے اس کی شخصیت سازی میں بہت اہم کردار ادا کیا، اسے زندگی کے معنی

سمجھائے، کتابیں پڑھنا سکھایا، انہوں نے اس کی کیریئر کونسلنگ بھی کی۔ وہ ایک شفیق انسان تھے سچ ہے دنیا میں اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ یاور قابل تو تھا مگر اسے بولنا نہیں آتا تھا، گھر میں یمنیٰ نے اسے بولنا سکھایا، اپنے حق کے لیے لڑنا سکھایا۔ وہ آہستہ آہستہ پر اعتماد ہونے لگا۔

ماموں سے بدتمیزی تو وہ کبھی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ بھی تھا وہ اس کے محسن تھے۔ اگر وہ بھی اس کے، ماں باپ جیسا رویہ روا رکھتے تو بھی وہ ان کا کیا بگاڑ لیتا؟ سب سے بڑھ کر تعلیم..... یہ واقعی ان کا احسان تھا اور یاور احسان فراموش نہیں بن سکتا تھا۔

لیکن اب وہ ان کے سامنے بولنے لگا تھا، اسے جو بات بری لگتی وہ کہنے لگا تھا۔ اس نے انکار کرنا سیکھ لیا تھا۔ یاور نے انیس ملک کی مسلسل رہنمائی میں پڑھائی جاری رکھی۔ وہ ذہین تو تھا ہی اسے صرف رہنمائی کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اس کی زیرک اور ہر بات کو عام لوگوں سے زیادہ سمجھ لینے کی صلاحیت اور نہایت سخت جان ہونے کی وجہ سے اسے حساس ادارہ جوائن کرنے کا مشورہ دیا، ان کا اندازہ درست نکلا، یاور کو اپنی صلاحیتوں کی بناء پر فوراً کنسیڈر کر لیا گیا۔ یاور کی ماں کو بھی اب اس کی یاد ستانے لگی لیکن یاور کے دل میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی تھے، عارفہ آتیں تو یاور گھر سے نکل جاتا۔ وحید علی کا رویہ بیوی بچوں کے ساتھ اب بھی ویسا ہی تھا وہ ہر چیز کو کنٹرول کرنا چاہتے تھے۔

یمنیٰ مختلف تھی وہ ہر بات پر احتجاج کرتی نتیجہ لڑائی کی صورت نکلتا۔ اب یاور بھی اس کے لیے بولتا تو وحید علی کو قطعی اچھا نہیں لگتا۔

وہ یاور کو ہر بات پر ٹوکتے، طعنے دیتے، لعن طعن کرتے۔ یاور خاموش ہی رہتا۔ وہ عادی تھا۔ اب وہ کڑیل جوان تھا۔ یمنیٰ کی دوستی اور ہمدردی محبت میں بدل چکی تھی۔

یمنیٰ نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا مگر وہ سب سمجھتا تھا، وہ یمنیٰ کی عزت کرتا تھا، وہ اس کے لیے سب کچھ تھی پر وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ یمنیٰ کی بے تابیاں بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔ یاور کے لیے اس کو روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ مزید احسان فراموشی کے طعنے نہیں سہہ سکتا تھا۔ اس نے ایک چھوٹا سا گھر بک کروایا ہوا تھا وہ اس میں شفٹ ہو گیا۔

وحید علی کو اس کا یوں جانا اچھا تو نہیں لگا پر وہ اسے روک نہیں سکتے تھے۔ وہ کچھ اور تو نہیں کر سکے پر وہ جب یہاں آتا اسے جی بھر کر ستاتے، شاید ایسے انہیں تسکین ملتی۔

یمنیٰ اس سے شکایت کرتی تو کبھی وہ اسے سمجھاتا، کبھی چپ رہتا، کبھی ہنس کر ٹال دیتا۔

وہ اب بھی ماموں کے پولٹری فارم جاتا لیکن اب نوعیت بدل چکی تھی، اب وہ صرف ماموں کا احسان اتارنے جاتا حساب کتاب چیک کرتا۔ اس کا رویہ سب کو یہ باور کرواتا کہ وحید علی اکیلے نہیں، وہ ان کے ساتھ ہے۔ یاور کو اس کام میں اتنی مہارت تھی کہ اس نے خود بھی اپنا ایک پولٹری فارم کھول رکھا تھا۔ اس کی آمدنی اچھی خاصی تھی۔ انیس ملک جو ٹرسٹ چلاتے تھے اب وہ بھی اسی ٹرسٹ کا ممبر تھا جس میں وہ لوگ غریب، بے سہارا بچوں کے خاص کر وہ جو پڑھنا چاہتے تھے مگر وسائل کی کمی کے باعث مجبور تھے، تعلیمی اخراجات اٹھایا کرتے اور دیگر امداد کے سلسلے رواں تھے۔

اس نے ہمیشہ دوسروں کے رویوں سے اخذ کیا تھا کہ اسے جب بھی کسی کی مدد کرنے کا موقع ملے گا وہ خوش اسلوبی سے کرے گا، احسان جتا کر یا کسی کی عزت نفس کی دھجیاں اڑا کر نہیں۔۔ اور اگر قسمت نے کسی کی زندگی کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھمائی تو وہ اپنے نجوگ کی کہانی کو خوب صورت رنگوں سے لکھے گا۔ بظاہر بداخلاق چڑچڑے، بدمزاج یاور کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اندر سے اتنا دردمند انسان ہے۔

☆☆☆

www.alifaatab.com

سینکڑوں بار وائبریشن کے ساتھ بج بج کر موبائل نے بالآخر، یاور کی نیند میں خلل ڈال ہی دیا تھا جو صبح کے وقت جا کر سویا تھا۔

جدید وضع کے برآمدے نما ہال میں جا بجا کپڑے، اخبار، برتن اور چائے کے چار پانچ کپ بے ترتیبی سے میز کے کنارے پر رکھے ہوئے تھے۔ اسی کمرے کے وسط میں یاور، ایک صوفے پر بے سدھ پڑا تھا۔ اس نے آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے اردگرد ہاتھ مار کر موبائل ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ موبائل ملا تو پتا لگا، کام والی کا فون تھا۔ جو اس وقت دروازے پر کھڑی تھی۔ اور ڈور بیل بجا بجا کر اب یاور کو کال کر رہی تھی۔

یاور نے کال اٹینڈ کرنے کے بجائے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ وہ بیسک ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا گھنے سیاہ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

''سلام صاحب جی، پورے ایک ہفتے سے آپ نے کام نہیں کروایا آج تو میں نے ٹھان لی تھی کہ کام کر کے ہی جاؤں گی۔'' درمیانی عمر کی، بھدی سی رضیہ بائی کو بے تکان بولنے کی عادت تھی اب وہ ساتھ ساتھ بکھرا ہوا گھر بھی سمیٹ رہی تھی۔

وہ صبح دس بجے تک کام پر آتی تھی، کبھی یاور گھر پر ہوتا کبھی نہیں۔ گھر پر ہوتا بھی تو وہ اپنے موڈ کے مطابق کام کرواتا تھا اور رضیہ کی فرض شناسی ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو اپنے عروج پر ہوتی۔ یاور یہ جانتا تھا۔ وہ اب پھر سے صوفے پر دراز ہو چکا تھا۔

''رضیہ! پہلے ایک کپ کافی بنا دو پلیز۔'' وہ بہت عرصے سے اس کے یہاں کام کرتی تھی، جب وہ آتی تو چائے کافی اور کھانا روٹی وغیرہ بھی بنا دیا کرتی تھی نہیں تو یاور باہر ہی کھانے کا عادی تھا۔

''ہاں بنا دیتی ہوں لیکن صاحب گھر کی حالت کچھ تو سدھارنے دو۔''

میں کہتی ہوں کہ شادی کر لو۔ گھر میں بیوی ہوگی تو گھر میں دل بھی لگے گا آپ کا۔'' رضیہ نے اس کو ہزار بار دیا ہوا مشورہ ایک بار پھر دیا۔

شادی کے نام پر اس کے چہرے پر تناؤ پھیل چکا تھا، ایسا نہیں تھا کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ تناؤ اس لیے تھا کہ وہ خود ایک بری شادی کا نتیجہ تھا۔ وہ ان رشتوں کو بنانے سے ڈرتا تھا۔ وہ سمجھتا جب تک کوئی پوری طرح اس قابل نہ ہو جائے کہ ان رشتوں کی نزاکت کو سمجھ سکے یہ رشتے نہیں بنانے چاہئیں۔ یہ رشتے خوب صورت تب ہی لگتے ہیں جب ہر اونچ نیچ کو مدنظر رکھ کر پوری سنجیدگی اور ذمہ داری سے انہیں سے نبھایا جائے۔ شادی کے نام پر یاور کو کچھ یاد آیا اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور اپنے موبائل میں محفوظ ''دعا'' نام کے نمبر پر کلک کیا۔

اسے وہ خوف زدہ، روتی ہوئی صورت یاد آئی..... بات عجیب تھی پر سچ تھی..... اتنی احتیاط برتنے والے یاور حبیب کو اس لڑکی سے محبت ہو گئی تھی جو اسے چور سمجھتی تھی۔

☆☆☆

''امی! آپ انہیں آنے ہی کیوں دیتیں ہیں بار بار مجھے نہیں اچھا لگتا ان کا یوں ہر وقت آنا.....'' نازک سراپے، گندمی رنگت والی سویرا مہمانوں کے جاتے ہی اپنی ماں پر برس پڑی تھی۔

ناہید بیگم نے چشمے کی اوٹ سے اسے دیکھا اور دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئیں، ان کی گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا، مہمانوں کی اچانک آمد سے جو کام ادھورا رہ گیا تھا اب ان کا ارادہ اسے مکمل کرنے کا تھا۔

''امی، مجھے نہیں کرنی ہے اب شادی کسی سے بھی، آپ صاف صاف بتا کیوں نہیں دیتیں ان لوگوں کو؟'' ماں کی بے نیازی سویرا کو مزید تپا گئی تھی

''میں تمہاری طرح پاگل نہیں ہوں جو بلا وجہ انکار کر دوں۔'' انہوں نے پھر لمحہ بھر کو آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''ماں! پاگل کی کیا بات ہے؟ احمر میرا دیور میں اسے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی ہوں کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا اس کو اور اب یوں.....'' سویرا کے لہجے میں بے بسی تھی۔

کبھی کوئی کسی کو اس نظر سے نہیں دیکھتا بیٹا! تھوڑا غور کرو..... وہ عنایہ کا خون ہے، کوئی اور عنایہ کو وہ توجہ، شفقت نہیں دے سکے گا، جس کی عنایہ کو ضرورت ہے جو احمر اور باقی خاندان دے سکتا ہے تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔

میں کیا ساری عمر تمہیں یوں ہی رکھوں گی اپنی دہلیز پر؟ میرے بعد تم اور عنایہ اکیلی کیسے رہو گی کبھی سوچا ہے؟'' انہوں نے اب رسان سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''امی، آپ کہاں جا رہی ہیں؟ اور میں کیوں نہیں رہ سکتی؟ آپ بھی تو رہیں زندگی بھر اکیلی۔'' سویرا باقاعدہ جرح پر اتر آئی تھی۔ ناہید بیگم نے اب لیپ ٹاپ بند کیا اور پوری توجہ اس کی طرف کی۔

''سویرا، میری بات الگ ہے جب میں بیوہ ہوئی تو پینتیس برس کی تھی، میرے والد تمہارے نانا حیات تھے ان کا جما جمایا اسکول تھا، میں ان کے ساتھ اسکول میں شامل ہو گئی میرے پاس نہ فرصت تھی نہ ضرورت، ابو کو اللہ نے اتنی عمر دی کہ ہم نے مرد کے بغیر والی مشکلات نہیں دیکھیں۔ اور اب تو میں خود بھی ایک مرد جیسی ہی ہو گئی ہوں۔ پر میرا بچہ، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ تم اکیلی نہیں ایک بچی بھی ہے تمہارے ساتھ اور تم پچیس کی بھی نہیں ہو ابھی، یہ معاشرہ اکیلی عورت کے لیے جنگل سے کم نہیں ہے۔

اگر تم عنایہ کے چچا سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو نہ کرو میں کہیں نا کہیں تمہاری شادی ضرور کروں گی یہ بات یاد رکھنا۔ اس رشتے سے منع کرو گی تو پھر میں جہاں مناسب سمجھوں گی وہاں طے کر دوں گی پوچھوں گی نہیں۔'' انہوں نے خاموش دیکھ کر سویرا کو گھیرا، وہ سر جھکا کر بیٹھی اپنی تقدیر پر شکوہ کناں تھی۔

''سویرا، میری جان، خود کو سنبھالو اب تین سال ہو گئے ہیں، ثاقب کو اس دنیا سے گئے۔ عنایہ پر توجہ دو اسے تمہاری ضرورت ہے، اس دن کا واقعہ یاد ہے ناں کیسے وہ چور اپارٹمنٹ میں گھس آیا تھا، وہ تو پتا نہیں کون تھا اور کس مقصد کے تحت آیا تھا سوچو کوئی اور ہوتا تمہیں کوئی نقصان پہنچاتا تو کیا کر لیتیں تم اور کیا کرتی میں؟ اور اس کے بعد شفٹنگ کے کتنے مسائل سے گزرے کیا وہاں رہنا مناسب تھا ہم اکیلی خواتین کے لیے۔ میں اب اکیلے نہیں رہنے دے سکتی تمہیں، میں اب تمہاری ذمہ داری اکیلے نہیں اٹھا سکتی ڈر لگنے لگا ہے مجھے حالات سے۔''

ناہید بیگم نے سویرا کو تھوڑا پیار سے سمجھایا اس کا چہرہ وہ رات یاد کر کے پھر سے خوف کے مارے سفید ہو گیا تھا۔ وہ گھر میں اکیلی نہیں تھی اس کی ماں اور بیٹی دوسرے کمرے میں سو رہی تھیں۔ جب سے ثاقب اس دنیا سے گیا تھا وہ یونہی راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا کرتی..... اس رات بھی وہ تہجد کے لیے اٹھی تو اس چور کو دیکھ کر جان نکل گئی تھی۔ پر اس نے ہمت سے کام لیا تھا اور امی اور بیٹی کو ہوا تک لگنے نہیں دی تھی۔ دوسرے دن صبح اس نے اپنی ماں کو وہ واقعہ بتایا تھا۔ سویرا نے وہ رات یاد کرتے ہوئے جھرجھری لی تھی۔

امی آپ کا لے چور سے میری شادی کر دیں مگر احمر سے نہیں وہ میرے بھائیوں جیسا ہے۔'' سویرا کہے بغیر نہ رہ سکی۔

ناہید بیگم کو ناممکنات میں سے ہی لگتا کہ احمر کے علاوہ کوئی عنایہ کو خوش دل سے قبول کرے گا انہوں نے سویرا کی اس بات پر سر پکڑ لیا، سویرا ابھی تک اپنے شوہر کی وفات کے صدمے سے نہیں نکل سکی تھی اس لیے وہ احمر کے معاملے میں جلد بازی اور زور زبردستی سے کام نہیں لینا چاہتی تھیں، پر وہ جلد یا بدیر سویرا کی شادی ضرور کر دیں گی یہ وہ ٹھان چکی تھیں۔

☆☆☆

''عاطف! مجھے ایک کام سے نکلنا ہے ابھی کوئی اہم کام تو نہیں ہے؟''

یاور نے مصروف سے انداز میں اپنے کچھ کاغذات لاک کرتے ہوئے ہوئے عاطف سے پوچھا۔

''نہیں سر، کوئی ایسا خاص کام نہیں ہے۔''

www.aiffadab.com

عاطف نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" عاطف نے یونہی پوچھا۔

"زوہیب کی کال تھی اس کی پرنسپل نے بلایا ہے۔" زوہیب اس کے ٹرسٹ کا ایک بچہ تھا جو دسویں جماعت میں پڑھتا تھا اس سے پہلے یاور کو کبھی یوں نہیں بلایا گیا تھا۔

"دیر لگے گی آپ کو؟" عاطف نے پوچھا۔

"لگنی تو نہیں چاہیے۔" یاور نے نکلتے ہوئے کہا۔

"جا کر ہی پتا لگے گا" وہ کہتا ہوا نکل گیا تھا۔

سفید یارس شہر کے ایک پوش علاقے میں ایک خوب صورت عمارت کے سامنے رکی تھی۔ وہ گاڑی پارک کر کے اسکول کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے ریسپشن پر آنے کا بتایا تو اسے کچھ دیر انتظار کا کہا گیا۔

وہ بیٹھا ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا جب اسے پرنسپل کے آفس جانے کا کہا گیا۔ وہ اجازت لے کر اندر داخل ہوا سامنے ایک بڑی عمر کی نفیس اور گریس فل خاتون تشریف فرما تھیں۔ یاور نے انہیں بیٹھتے ہوئے سلام کیا۔

"ماشاء اللہ آپ تو کافی ینگ ہیں، زوہیب سے ان کے گارجین کا سن کر تو میں سمجھی تھی کوئی بزرگ ہستی ہوں گی۔" پرنسپل صاحبہ نے سلام کا جواب دیتے مسکرا کر کہا۔

ان کی اس بات اور بے تکلفانہ رویے پر یاور ذرا سا مسکرایا۔

"ویل میم! آپ کا اندازہ صحیح ہے ٹرسٹ کے مین ٹرسٹی تو میرے محترم ٹیچر انیس ملک ہیں، وہ ہی اصل گارجین ہیں وہاں کے، وہ پچھلے دو ماہ سے کشمیر گئے ہوئے ہیں اپنی فیملی کے پاس۔

ان کی غیر موجودگی میں تمام بورڈ آف ڈائریکٹرز نے مجھے فی الحال ان کی جگہ دی ہے کیونکہ تمام ہی سینئر ممبرز آؤٹ آف رینج ہیں اگلے کچھ ماہ تک اور۔" یاور نے ان کی حیرانی دور کی۔

"ویل آپ کے ٹرسٹ کا اتنا نام تو میں نے نہیں سنا تھا پر کام یقیناً قابل ستائش ہے جو ہمارے اسکول میں بھی وہاں کے بچے پڑھائے جا رہے ہیں۔ وہ کہہ کر تھوڑا رکیں" میں چاہوں گی کہ اگر میٹرک کے بعد اس کے لیے پڑھائی جاری رکھنا مشکل ہے تو اسے اسکول کی طرف سے اسکالرشپ دی جائے تاکہ وہ بآسانی تعلیم جاری رکھ سکے، اس کے علاوہ میری ایک خواہش تھی کہ میں اپنے اسکول ـــــ کی آمدنی کا کچھ حصہ کسی قابل بھروسہ ادارے میں وقف کر سکوں اس پر بھی آپ سے بات کرنی تھی، اسی سلسلے میں کچھ تفصیلات معلوم کرنی چاہیں تو اس نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا کہ آپ اس کے گارجین ہیں تو مجھے ایسا لگا کہ آپ سے مل کر بات کرنا زیادہ مناسب ہے۔"

وہ کہہ کر مسکرائیں اور کچھ توقف دیا۔

"آپ کا بہت شکریہ..... ہمارے پاس بچوں کی ہائر ایجوکیشن کے لیے ورک پلانز موجود ہیں جس میں ان کے لیے کام کے ساتھ ساتھ پڑھائی جاری رکھنا آسان ہوگا۔ اس سے ان میں احساس ذمہ داری بھی رہے گا۔ آپ کی یہ دوسری آفر یکسر رد کرنا نہیں چاہتا، ہمارے پاس اور بھی بڑی تعداد ہے ایسے بچوں کی جو کوئی ہنر سیکھنا چاہتے ہیں یا چھوٹا موٹا کوئی کاروبار کرنا چاہتے ہیں تو اگر آپ اس کارِ خیر میں شامل ہونا چاہیں تو خوش آمدید، مزید تفصیلات کے لیے آپ ٹرسٹ تشریف لائیے تاکہ باقی بورڈ آف ڈائریکٹرز سے مل سکیں اور ٹرسٹ کے معاملات کو بھی بخوبی جانچ سکیں، باقی تشہیر کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑی کبھی، نیت اچھی ہو تو آپ جیسے مخلص لوگ خود ہی جڑ جایا کرتے ہیں۔" یاور نے مسکراتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

ناہید بیگم اس کی اس مثبت سوچ و رویے سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکیں۔

"صحیح کہہ رہے ہیں آپ بیٹا، نیکی سعادت ہی نہیں امتحان بھی ہے، جس کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ

ضائع ہو جاتی ہے اور ثواب کی جگہ ہم اپنے دامن میں کانٹے خرید لیتے ہیں اپنے ہی ہاتھوں اور ہمیں پتا بھی نہیں لگتا۔"

"جی" یاور نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ چائے لیں گے یا کافی"۔ انہوں نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ کچھ نہیں آپ میرا کارڈ رکھ لیجیے آپ جب چاہیں ٹرسٹ وزٹ کر سکتی ہیں۔" یاور کہتے ہوئے اٹھا تھا۔

"نانو..... کب تک چلیں گے؟" وہ ابھی بات کر رہا تھا کہ اس آواز پر رکا اور ٹھہر کر پیچھے دیکھا..... اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا..... وہ وہی بچی تھی یاور کو یاد آیا جو ایئر پورٹ پر ملی تھی۔

"بابا، آپ وہی ایئر پورٹ والے بابا ہیں نا"..... تبھی عنایہ نے بھی یاور کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اتفاق سے اس نے آج بھی ہلکے آسمانی اور گہرے رنگ میں چیک کی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ یاور اس کے بابا کہنے پر پھر جھینپ گیا۔ یاور نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔

"کیسی ہو آپ؟" وہ خوش اخلاقی سے ملا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"عنایہ، آپ وہاں بیٹھ جائیے ہم چلتے ہیں کچھ دیر میں"

اسکول کی چھٹی ہو چکی تھی۔ گھر تو پیچھے ہی تھا اور عنایہ اپنی نانی کے ساتھ جایا کرتی تھی۔

"نانو! آپ کو یاد آیا؟"..... عنایہ نے اب نانی سے تصدیق چاہی۔

"نہیں بیٹا، کیا آپ دونوں پہلے مل چکے ہیں؟"..... انہوں نے سادگی سے کہا، چہرے پر استعجاب تھا۔

"ائرپورٹ پر ملے تھے"..... اب اس نے تفصیل بتائی..... انہیں اب بھی یاد نہیں آیا تھا وہ مسکرا دیں۔

"آپ نے وہ چاکلیٹ کھائی تھی؟" یاور کو یاد آیا اس نے چاکلیٹ بھی دی تھی۔

"ا..... م..... م..... ہاں کھائی تھی اسی وقت۔"..... یاور نے بتایا۔

"میں نے بھی چیونگم کھائی تھی۔" اس کو ایک ایک بات یاد تھی۔

"عنایہ، اب میں چلتا ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" یاور عنایہ کو مزید باتوں کے موڈ میں دیکھ کر بولا تھا۔

"اتنی جلدی؟ کیا میں آپ سے دوبارہ مل سکتی ہوں؟" عنایہ نے فوراً معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں..... میڈم کے پاس میرا نمبر ہے ہم کال پر بات کریں گے..... ٹھیک ہے؟" یاور نے کہا تو وہ مان ہی گئی۔

"یہ ٹھیک ہے نانو آپ مجھے بھی دینا نمبر....." "جی بیٹا" وہ مسکرائیں۔

عنایہ آفس سے باہر نکل گئی۔

"بیٹا، میں معذرت خواہ ہوں"..... ناہید نے یاور سے عنایہ کے اس قدر بے تکلف ہونے پر معذرت کرنی چاہی.....

"ارے نہیں۔" یاور کو اس دن والی بھی ان کی معذرت یاد تھی اور وجہ بھی کہ عنایہ کیوں یاور کو بابا کہہ رہی تھی۔

"ایسی کوئی برا ماننے والی بات نہیں آپ پریشان نہ ہوں..... اجازت دیجیے"..... وہ ان سے اجازت لیتا آفس سے باہر نکل گیا۔

یاور کو لگتا وہ جتنا رشتے بنانے سے کتراتا ہے اتنا ہی رشتوں کی یہ زنجیریں اسے اپنی طرف کھینچنے کو تیار رہتی ہیں۔ عنایہ کے پاس یاور کا نمبر کیا گیا تھا اب وہ باقاعدگی سے اسے فون کرتی۔ وہ بے تکان باتیں کیا کرتی تھی۔ یاور عنایہ کی باتیں سن کر بے ساختہ مسکرا اٹھتا۔ وہ اسے اپنی ہر بات بتایا کرتی..... یاور نے عنایہ کی باتوں سے محسوس کیا کہ وہ اپنی ماں کی نسبت اپنی نانی سے زیادہ قریب ہے۔

وہ اپنی ماں کی کم ہی بات کرتی، اس کی باتوں کا

www.alifadab.com

محور زیادہ تر نانی، کھلونے، کارٹونز اور اسکول کلاس فیلوز ہوتیں۔ ناہید بیگم ٹرسٹ وزٹ کرنے کے لیے گئیں تو عنایہ کو بھی ساتھ لے گئیں، وہاں وہ یاور سے مل کر بہت خوش ہوئی، اکثر کام کے سلسلے میں جب بھی ناہید بیگم کا ٹرسٹ جانا ہوتا وہ عنایہ کو بھی لے جاتیں۔ عنایہ نہال ہوجاتی۔ وہ یاور سے بہت اٹیچ ہوگئی تھی۔

☆☆☆

عنایہ اور ناہید بیگم کی بطور خاص دعوت وہ انکار نہیں کرسکا۔ وہاں جانے کی ہامی بھرلی تھی۔ ان کا گھر اسکول سے متصل ہی تھا۔ وسیع بنگلہ اسکول کے تھا۔ یاور ٹھیک پانچ بجے وہاں پہنچا تو ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔ ڈرائنگ روم کے برابر میں ہی شاید ڈائننگ روم تھا وہاں کھنکتے برتنوں سے یاور نے اندازہ لگایا۔

”نانو! بابا بس آنے ہی والے ہوں گے۔“ عنایہ کی آواز اور لہجے میں چہکار تھی۔

ملازم نے شاید ابھی تک بتایا نہیں تھا، یاور نے عنایہ کی آواز سن کر سوچا۔

”امی! آپ بھی حد کرتی ہیں..... عنایہ تو بچی ہے پتا نہیں کون ہے..... کیا کرتا ہے آپ نے اسے گھر بھی بلالیا..... اور عنایہ اب یہ بابا بابا کہنا بند کرو نہیں ہیں تمہارے بابا اب اس دنیا میں۔“ سویرا کی آواز میں غصہ سختی تھی۔ یاور سن کر بہت شرمندہ ہوا۔

”سویرا بچی کے سامنے بولتے ہوئے اپنے لفظوں پر غور کیا کرو..... کبھی توجہ دی ہے بچی پر؟ ہر وقت ثاقب کی یاد میں کھوئی رہتی ہو، کبھی ہوش بھی آیا تمہیں کہ تمہاری ایک بیٹی بھی ہے؟ اسی لیے وہ دوسروں میں پیار ڈھونڈتی ہے اور کوئی اسے ایسا مل گیا جو اس کو گھڑی بھر کو شفقت اور پیار دے رہا ہے تو بھی تمہیں برا لگ رہا ہے۔ اور کیا تمہیں اب مجھ پر بھی بھروسہ نہیں یا اپنی ماں کو تم اتنا کم عقل سمجھتی ہو کہ کسی بھی راہ چلتے کو گھر بلالوں گی؟“ ناہید بیگم نے سویرا کو اچھا خاصا لتاڑا تھا۔

”کوئی غیر کتنا بھی پیار کرے وہ اس کے باپ کی جگہ نہیں لے سکتا، اور آج کل کوئی اتنا اچھا نہیں ہوتا کہ دوسروں کے بچوں کو بغیر مطلب پیار کرے“ سویرا کا لہجہ دوٹوک تھا۔

”صحیح کہہ رہی ہو تم، تم تو زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنی جگہ پر موجود نہیں ہو۔ سگی ماں ہوکر اپنی اولاد کو پیار نہیں دے سکتی ہو تو غیر کیسے دے سکتے ہیں۔“ ناہید نے بیٹی پر طنز کیا۔

”نانو! پلیز وہ آنے والے ہوں گے“..... عنایہ نے سہم کر کہا تھا۔ وہ سویرا کے غصے سے ڈر کر اب یاور کو بابا کہنے سے ڈر رہی تھی۔ یاور یہ سب سننے کے بعد یہاں نہیں رک سکتا تھا وہ فوراً ڈرائنگ روم سے نکل کر مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ناہید وہاں آئیں تو دیکھا یاور جاچکا تھا جبکہ اس کے چاکلیٹس، آئسکریم کے تحفے وہیں رکھے تھے۔

عنایہ یاور کو نہ پاکر افسردہ ہوگئی۔ ناہید سمجھ گئیں کہ یاور نے سویرا کی باتیں سن لی ہیں۔ ناہید نے معذرت کے لیے یاور کا نمبر ملایا۔ یاور نے فون اٹھایا ان کی معذرت سنتے ہوئے یاور نے جواب دیا۔

”اٹس اوکے! ان کی کوئی بات مجھے بری نہیں لگی مجھے اصل میں ایمرجنسی میں کہیں جانا پڑا اس لیے میں بغیر بتائے وہاں سے نکل آیا۔ معذرت خواہ ہوں۔ پھر کسی وقت حاضر ہوجاؤں گا۔“

یاور نے سہولت سے کہتے ہوئے فون رکھا۔

یاور وہاں سے نکل کر قریب ہی ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گیا۔ وہ عنایہ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اسے اپنے جیسی ہی لگتی وہ بھی تو ایسا ہی تھا معصوم اور تنہا، ماں باپ کے ہوتے ہوئے اکیلا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا فون بجا۔

عنایہ کالنگ..... پر وہ مسکرایا۔

فون نمبر تو میڈم ناہید کا ہی تھا، مگر محفوظ عنایہ کے نام سے تھا۔

”جی عنایہ! آئی ایم سوری مجھے جانا پڑا پھر ملیں گے ان شاء اللہ، آپ ماما اور نانو سے ضد نہیں کرنا۔“

عنایہ چپ رہی، اس کے لہجے کی چہکار اور خوشی غائب تھی۔ اس کا موڈ شدید خراب لگ رہا تھا۔

”بابا، آئی ایم سوری ماما نے آپ کو برا کہا..... میں نے آپ کی - گاڑی دیکھ لی تھی بالکنی سے جاتے ہوئے آپ نے سن لیا تھا“ عنایہ کو بہت برا لگا تھا۔

”کوئی بات نہیں بیٹا، مجھے برا نہیں لگا، وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ اگر آپ کسی اور سے یوں ملو جس کو میں نہیں جانتا تو میں بھی آپ کو منع کروں گا۔“

یاور نے نہایت رسان سے بات کو خود پر اور عنایہ پر رکھ کر سمجھایا۔

”ماما مجھ سے بالکل پیار نہیں کرتیں، نہ کبھی باتیں کرتی ہیں، بس تصویر والے بابا کو یاد کرتی رہتی ہیں۔“ عنایہ کا یہ کہنا تھا کہ یاور کا دل دکھ سے بھر گیا..... وہ عنایہ کی اس کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا پوری شدت سے ..... کیونکہ وہ اس سے بھی بری صورت حال سے گزر چکا تھا۔

”عنایہ! ایسے نہیں کہتے بیٹا، وہ پریشان ہیں اس لیے ایسا کرتی ہیں ان کے پاس بھی کوئی نہیں ہے ناں؟ آپ رونا بند کرو اور آرام کرو میں شام میں آپ سے بات کرتا ہوں اوکے۔“ یاور نے اسے سمجھایا۔

”جی بابا، تھینک یو۔“ عنایہ اب کافی حد تک بہل چکی تھی۔ اس نے فون بند کردیا۔

یاور نے گہری سانس لی موبائل اس کے ہاتھ میں ہی تھا..... اس نے پھر وہی نمبر کھولا جو اس نے دعا کے نام سے محفوظ کیا ہوا تھا..... وہ کئی بار اس لڑکی سے بات کرنا چاہتا تھا پر ہر بار ہی کسی نا کسی وجہ سے اس نے اپنا ارادہ ترک کیا تھا۔ ہاں اسے اعتراف تھا اسے اس لڑکی سے محبت ہوگئی تھی..... مگر کوئی تھا جیسے اس وقت سب سے زیادہ یاور کی ضرورت تھی..... محبت شاید میرے لیے ہے ہی نہیں، اس نے کچھ سوچ کر موبائل نیچے رکھا وہ ایک فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ یاور نے ناہید بیگم سے بات کی تو وہ یاور کی اس غیر متوقع بات پر جی بھر کر حیران ہوئیں۔

”بیٹا! بہت تھوڑے سے دنوں میں پروان چڑھنے والی تمہاری اور عنایہ کی محبت کو میں جانتی ہوں، تمہاری نیک نیتی اور خلوص پر بھی مجھے ذرا شک نہیں تم خود اس درد سے گزرے ہو سو اس کا درد سمجھتے ہو۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ، میں تمہیں کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی، یہ عنایہ کی محبت میں کیا گیا جذباتی فیصلہ نہ کرو۔ عنایہ کو ہی نہیں تمہیں میری بیٹی کو بھی قبول کرنا پڑے گا جو کہ بہت ہٹ دھرم اور ضدی ہوچکی ہے، تمہیں اس کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے میں بہت دشواری ہوگی، وہ ابھی تک اس حادثے سے نہیں نکل سکی ہے یہاں تک کہ اپنی اولاد کو بھی فراموش کردیا ہے اس نے۔“ وہ کہہ کر رکیں، ”میں تمہارے جذبات کی دل سے قدر کرتی ہوں۔“

”آنٹی، میں زندگی میں کبھی بھی جذباتی نہیں ہوا۔ جو کچھ عنایہ دیکھ رہی ہے میں یہ سب دیکھ چکا ہوں مجھے لگتا ہے کہ عنایہ کو میری ضرورت ہے۔ آپ کو ویسے بھی سویرا کی شادی کرنی ہے کہیں نا کہیں“ وہ اکثر یاور کے سامنے سویرا کی شادی کا ذکر کرچکی تھیں احمر کے رشتے کا بھی۔

”تو میں کیوں نہیں؟ جبکہ آپ جانتی ہیں میں یہ شادی، عنایہ کی وجہ سے کررہا ہوں تو ظاہر ہے اس کی ماں بھی میرے لیے قابل قبول ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ حالات اور انسان ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے وہ ضرور ٹھیک ہوجائے گی۔“

وہ رک کر ان کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

”یاور، مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔“ انہوں نے دھیمے سے کہا۔

”جی ضرور آپ وقت لیجیے اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کیجیے، آپ کی اجازت ہوگی تو میں اپنی فیملی کو آپ کے یہاں آنے کے لیے کہوں گا۔“

”بیٹا، جلد بتاتی ہوں ان شاء اللہ۔ انہوں نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

ناہید بیگم نے یہ بات سویرا کے سامنے کی تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔

www.aliftalab.com

"امی! آپ حد کرتی ہیں، جان نہ پہچان اب آپ اس آدمی سے میرا رشتہ طے کرنا چاہتی ہیں جس کو ملے ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں؟"

سویرا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر لیتی۔

"سویرا، جو گھر کا لڑکا تھا جس کو ہم ہمیشہ سے جانتے تھے، تمہیں وہاں بھی اعتراض تھا اب یہاں بھی اعتراض ہے، یاد کرو تم نے کہا تھا کہ کسی چور سے بھی کریں گی تو کرلوں گی..... میں تمہاری ماں ہوں دشمن نہیں۔ میں نے کافی معلومات کروائی ہیں یاور ایک سیلف میڈ انسان ہے کوئی سسرال کا جھنجھٹ بھی نہیں۔ ویسے اب تو تم سے ڈر ہی لگتا ہے۔

شکر کرو کہ کوئی بخوشی عنایہ کو اپنانے کو تیار ہے۔ سمجھو آج کے دور میں تو یہ معجزہ ہی ہے کہ کوئی تمہاری بیٹی کی وجہ سے تم سے شادی کرنے کو تیار ہے۔ یاور نے تو تمہیں دیکھا تک نہیں، اس نے تو عنایہ کی محبت میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ دماغ خراب ہے تمہارا تو۔ میں تو شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی کہ۔ بیاہی ایک بچی کی ماں کو سوارت کرنے کو تیار ہے کنوارا لڑکا۔

میں کچھ نہیں سنوں گی۔ میں اسے ہاں کر رہی ہوں۔

تم اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔ یہ نہیں تو پھر احمر کے لیے، دونوں میں سے کسی ایک کے لیے مجھے کل تک جواب دے دینا۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

وہ کہہ کر فوراً وہاں سے چلی گئیں۔

اور سویرا اپنا سر تھام کر رہ گئی یعنی ایک طرف کنواں تو دوسری طرف کھائی۔

وہ کسی طرح احمر سے تو شادی نہیں کر سکتی یہ بات صاف تھی اور یاور نامی وہ اجنبی شخص اسے سوچ کر ہی اس کے حلق میں کڑواہٹ گھل جاتی مگر امی ..... وہ نہیں مانیں گی۔

دوسری صبح وہ ایک اور بحث کرنے کے موڈ میں تھی کہ ناہید بیگم نے بہت سخت لہجہ اپنایا۔

"سویرا، مجھے دونوں رشتوں میں سے ایک بتاؤ۔ فائنل کرنا ہے مجھے۔ میں اب تمہاری حفاظت نہیں کر سکتی پھر تمہارے ساتھ ایک بچی بھی ہے سمجھو وقت کی نزاکت کو بیٹا! کب تک یوں اکیلی رہو گی مجھے کچھ ہو گیا تو کیا کرو گی؟ روز روز اچھے لوگ نہیں ملتے اور کبھی تو پوری زندگی بھی نہیں ملتے۔ تم اور عنایہ خوش قسمت ہو جو یوں وہ لڑکا تم سے شادی پر رضامند ہے۔ جبکہ میں اسے تمہاری ذہنی حالت بھی بتا چکی ہوں۔"

سویرا سینے میں شرابور اپنی نم ہتھیلیوں کو کبھی کھولتی کبھی بند کرتی تھی اس کے لیے بے حد دشوار تھا یوں ثاقب کو بھول کر آگے بڑھنا۔ "امی میں ثاقب کی یادوں کے سہارے زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔" سویرا کا لہجہ حد سے زیادہ کمزور تھا اسے خود بھی یقین تھا کہ اس کی ماں اس کی ایک نہیں سننے والی۔

"براہ مہربانی گھٹیا باتیں کرو ساری زندگی میں نہیں رہوں گی تم دونوں کے ساتھ، عنایہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ اپنا نہیں تو اس بچی کا سوچو.....!" انہوں نے بے بسی سے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ کو جو بہتر لگے کیجیے۔" سویرا نے آنسو پونچھے۔ سویرا نے بالآخر ہتھیار ڈال ہی دیے۔ ناہید بیگم نے سکھ کا سانس لیا وہ یکدم ہلکی پھلکی ہو گئیں۔

"میں احمر سے تمہاری شادی کرنا چاہتی تھی مگر تم وہاں راضی نہیں تو میں زبردستی نہیں کروں گی۔ یاور بھی بہت اچھا لڑکا ہے پھر اس نے عنایہ کی وجہ سے خود تمہارا ہاتھ مانگا ہے، عنایہ بھی اسے اپنا سمجھتی ہے ان دونوں کا جو تعلق استوار ہو چکا ہے اس سے تمہیں آگے بڑھنے میں سہولت ہو گی۔ میں چاہتی ہوں سب طے ہونے سے پہلے تم ایک بار اس سے مل لو۔" ناہید نے سویرا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے فیصلہ کر ہی لیا تو ٹھیک ہے مجھے کسی سے نہیں ملنا میں شادی تو کر رہی ہوں مجھے مشکل ہو گی بہت پہلے ہی آپ کو بتا رہی ہوں۔" وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھی۔

"تصویر دیکھ لیتا۔" انہوں نے زیادہ ضد نہیں کی مبادا وہ پھر نہ مکر جائے۔

"نہیں دیکھنی کوئی تصویر....." سویرا کا لہجہ نپا تلا تھا۔ "آپ کے کہنے پر کر رہی ہوں یہ شادی، خوشی سے نہیں۔ تو پھر جو بھی ہو جیسا بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

ناہید بیگم نے یاور کو فون کر کے کہا کہ وہ اپنی فیملی کو جب چاہے بھیج سکتا ہے۔

اور پھر وہی ہوا وحید ماموں کے بے شمار اعتراضات لیکن یمنی یاور کی عنایہ سے اس محبت کو اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔ اس کا جذبہ قابل تحسین تھا۔

نکاح کے تمام معاملات خوش اسلوبی سے طے پا گئے تھے۔ ناہید بیگم نے یاور سے کہا کہ وہ سویرا سے ملنا چاہے تو مل سکتا ہے۔ یاور کو ملنے کا تجسس نہیں تھا سو اس نے منع کر دیا۔

اپنے واٹس ایپ پر سویرا کی تصویر ناہید بیگم کے نمبر سے ملنے پر یاور دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ حیرت، بے یقینی کی سی کیفیت میں سرشار ہو گیا اس کے لیے اپنی اس کیفیت کو چھپانا بہت مشکل تھا۔ اس کی نیت سچی تھی۔ اپنی واحد دوست یمنی کو جب اس نے یہ سب بتایا تو وہ بھی ششدر رہ گئی۔ "اوپر والا کس طرح اسباب بنا دیتا ہے ملانے کے لیے" اس کے دل سے نکلا تھا۔ وہ یاور کے لیے سچے دل سے خوش تھی۔

محبت کی نئی امنگیں کسی کی کہانی کو دلکش رنگوں سے سجانے، روز و شب کو اپنے خلوص سے مہکانے کی آرزو لیے یاور سفید کرتے پاجامے پر ڈارک براؤن ویسٹ کوٹ پہنے تیار تھا تو وہیں وہ سبز رنگ کی لمبی قمیض پر سفید موتیوں اور کڑھائی کے نفیس کام کے ساتھ پلازو اور جارجٹ کے دوپٹے میں نفیس میک اپ کیے دلہن بنی تیار تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ ثاقب کی امانت میں خیانت کر رہی ہے۔ اپنے کمرے میں جب گلاب کے پھولوں سے سجے ہوئے بیڈ پر اسے بٹھایا گیا اس کا سانس اکھڑنے لگا وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنے حنائی ہاتھوں کو کاٹ ڈالے، مہندی بھی اس نے ہزار حجتوں کے بعد ماں کے کہنے پر لگائی تھی۔ ثاقب کے دنیا سے جانے کے بعد وہ پہلی بار سجی تھی، وہ بھی دلہن بننے کے لیے۔ وہ اب رو رہی تھی۔ روتے روتے نیچے بیڈ کے کنارے سے لگ کر بیٹھ گئی اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

یاور نے اندر آنے سے پہلے دروازہ کھٹکھٹایا پر اس کو کہاں ہوش تھا وہ وہیں گم صم سی بیٹھی رہی۔ یاور کوئی جواب نہ پا کر خود ہی اندر آیا نظر دوڑانے پر بھی دلہن کہیں نظر نہ آئی۔ سسکی کی آواز پر اس کی نظر بیڈ کے کونے پر پڑی بالکل اسی طرح جب یاور سویرا سے پہلی بار ملا تھا ایک چور کی طرح آج بھی سویرا اسی طرح بیٹھی تھی.....

وہ اب بھی سر جھکا کر رو رہی تھی۔ اسے ہوش ہی نہیں تھا کہ کوئی کمرے میں آیا ہے، یاور اس کے پاس خود بھی ایڑیوں کے بل بیٹھ گیا۔

اس نے سویرا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے جو بالکل سرد، بے جان سے محسوس ہو رہے تھے۔

"میں یاور ہوں تم ٹھیک ہو؟" سویرا کی حالت اس کے چہرے سے عیاں تھی پھیلی ہوئی لپ اسٹک، بکھرا ہوا کاجل، چہرے پر نوحہ کناں آنسوؤں کی لکیریں ..... پیشانی پر الٹا ٹیکا ..... یاور کے خیریت پوچھنے پر سویرا نے نظریں اٹھائیں اور وہ ساکت ہی ہو گئی۔ وہ یاور کو لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچان گئی تھی وہ اس کا چہرہ کبھی نہیں بھول پائی تھی وہ جب بھی اسے یاد آتا وہ خوفزدہ ہو جاتی تھی اور اب یوں..... وہ سامنے بیٹھا تھا اس کے شوہر کے روپ میں.....

"تم....." سویرا کو جیسے کرنٹ سا لگا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ایک جھٹکے سے یاور کے ہاتھوں سے چھڑائے۔ ایسے کہ فضا چوڑیوں کے شور سے کھنکھنا اٹھی۔

"تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟ امی۔" وہ بولی تو اس کی آواز میں لرزش تھی جیسے بہت بڑی انہونی ہو گئی ہو۔

www.alifadab.com

"امی۔" وہ وہاں سے نکل کر دروازے کی طرف جانا چاہتی تھی مگر کسے سامنے یاور تھا جب تک وہ کھڑا تھا وہ وہاں سے نہیں نکل سکتی تھی۔

"شش ..... کام ڈاؤن میں یاور ہوں تمہارا شوہر۔" یاور کی آنکھوں اور ہونٹوں پر نرم سا تاثر تھا۔

"شادی ہوئی ہے ابھی ہماری۔" یاور نے دوبارہ اس کے ہاتھ پکڑے۔ وہ بالکل ایسی نہیں تو اس سے ملتی جلتی صورت حال کے لیے ذہنی طور پہ تیار تھا۔

"نہیں ..... نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ تم ..... تم نے یہ کیسے کیا؟ کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟ تم ..... تم وہی چور ہو ..... تم نے کیا جادو کیا ہے امی پر عنایہ پر ..... مجھ سے میری امی اور بیٹی چھین لیں۔ مجھ سے شادی پر انہیں راضی کیا کیسے؟ کون ہو تم سچ بتاؤ؟ اس دن کیا لینے آئے تھے؟ آخر تم نے یہ سب کس مقصد کے تحت کیا ہے؟"

وہ یاور کو اب دونوں ہاتھوں سے دیوانہ وار دھکیل رہی تھی۔ جو منہ میں آرہا تھا بول رہی تھی۔

"ریلیکس ..... سویرا میری بات سنو، تم اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں ہو، میری بات سنو پلیز ....." یاور نے نرمی سے اسے سنبھالنا چاہا۔

"نہیں مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ..... میں یہاں نہیں رہ سکتی اس کمرے میں۔ تم یہاں نہیں رہ سکتے جاؤ یہاں سے ....."

"اوکے۔" یاور نے اپنے ہاتھ سویرا کے ہاتھوں سے ہٹالیے۔ "ریلیکس میں باہر جاتا ہوں۔"

"جاؤ خدا کے لیے نکل جاؤ امی کو بلا دو۔ خدا کے لیے۔" سویرا کہتے کہتے یاور کے بازوؤں میں جھول گئی۔ وہ کئی دن کے مسلسل ذہنی دباؤ میں تھی۔ یاور کو دیکھ کر اسے شدید شاک لگا تھا ..... یاور نے یہ سب بے بسی سے دیکھا۔ اس نے اسے احتیاط سے سہارا دے کر بیڈ پر لٹا دیا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلاس میں پانی نکالا سویرا کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، سویرا ذرا سا ہوش میں آئی۔

یاور نے اس کے دونوں ہاتھوں سے چوڑیاں اتاریں، اسے اٹھانے کی کوشش کی وہ ہوش میں آکر بھی "تم ..... تم یہاں سے جاؤ۔" وہ نیم غنودگی میں بھی یہی جملہ بار بار دہرا رہی تھی۔

وہ کچھ دکھی سا اسے وہیں چھوڑ کر کمرے کا دروازہ ہلکا سا بھیڑ کر باہر آکر بالکنی میں کھڑا ہوگیا۔ آسمان پر گہری رات کا سکوت طاری تھا۔ آدھی رات میں پورا چاند نکلا ہوا تھا۔ پھر بھی ہجر کی تشنگی سے قطرہ قطرہ رات پگھل رہی تھی۔

"تم وہی چور ہو۔" اس کی سماعت میں یہ ہی جملہ گونج رہا تھا۔ یاور کو پہلے ہی ان سب باتوں کی توقع تو تھی پھر بھی وہ اب بے حد ذہنی تناؤ میں آچکا تھا، کرے بھی تو کیا۔ اس نے گہری سانس لے کر سوچا۔

اس نے اپنے لیے چائے بنائی پھر وہیں صوفے پر دراز ہوگیا، وہ تھکا ہوا تھا جلد ہی اسے نیند نے آلیا۔

کافی دیر کے بعد یاور کی آنکھ کھلی تو وہ بے اختیار سویرا کے کمرے کی جانب گیا۔ وہ بیڈ پر نہیں تھی اس نے دیکھا۔ وہ نیچے جائے نماز پر بیٹھی رو رہی تھی۔ یاور اسے ٹھیک دیکھ کر دوبارہ باہر آکر بیٹھ گیا، اس نے سگریٹ سلگائی کچھ دیر بعد یاور کو آہٹ محسوس ہوئی مڑ کر دیکھا سویرا دروازے کی اوٹ سے جھانک کر اس کو ہی دیکھ رہی تھی۔

سویرا دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔ دس بجے کے قریب ڈور بیل بجی، ناہید آئی تھیں ناشتہ لے کر عنایہ بھی ساتھ تھی۔ ناہید عنایہ کو آہستہ آہستہ سمجھاتی رہی تھیں کہ وہ یاور اور سویرا اب ساتھ رہ سکتے ہیں۔ وہ اس بات پر بے پناہ خوش تھی، ابھی بھی وہ یہ سوچ کر آئی تھی کہ یہاں یاور بھی ہوگا اور اب وہ لوگ ایک ساتھ رہیں گے۔

جب دو بار ڈور بیل بجانے پر بھی دروازہ نہیں کھلا تو ناہید نے یاور کی دی گئی چابی سے دروازہ کھولا

اور اندر داخل ہوگئیں۔

سامنے ہی صوفے پر یاور سویا ہوا تھا، سویرا کا بیڈ روم بند تھا۔ انہوں نے بے اختیار تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"عنایہ، آپ یہاں بیٹھو میں ماما کو اٹھاتی ہوں۔" انہوں نے کہتے ہوئے بیڈ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"سویرا سویرا۔" ساتھ ہی انہوں نے آواز دی تاکہ سویرا کو علم ہوجائے کہ وہ آچکی ہیں، سویرا نے ان کی آواز سنتے ہی لپک کر دروازہ کھولا۔

"امی۔" وہ کہتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

باہر عنایہ یاور کو اٹھا چکی تھی یاور نیم غنودگی میں بیٹھا عنایہ کی بات سن رہا تھا کہ سویرا کے رونے سے اس کی توجہ کمرے کی طرف گئی، وہ سخت جز بز ہوا، بلاوجہ شرمندگی سی ہونے لگی کیا سوچیں گی وہ، کتنی نادان لڑکی ہے یہ۔ یاور نے بہت کوفت سے سوچا تھا۔

"عنایہ آپ بیٹھو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" یاور واش روم چلا گیا۔

"امی آپ نے کیا سوچ کر میری شادی ایک چور سے کر دی آپ نے کیوں کیا ایسا۔" سویرا بغیر رکے بولے جا رہی تھی ناہید کو بہت حیرت ہوئی اس کی اس بات پر۔۔

"امی! میرا یقین کریں میں غلط نہیں کہہ رہی یہ وہی چور ہے جو اس رات گھر میں کچھ چرانے آیا تھا۔" سویرا اپنی بات پر قائم تھی۔

"مت ماری گئی ہے تمہاری ایسا نہیں ہوسکتا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سوچ سمجھ کر بولو۔ اب ایک لفظ نہیں سنوں گی میں، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس رشتے سے بچنے کے لیے ایسے الزام بھی لگا سکتی ہو۔" ناہید نے اسے بری طرح ڈپٹا تو سویرا اپنی ماں کے اس سخت رویے پر حیران رہ گئی۔

"اپنا حلیہ درست کرو باہر آؤ میں ناشتہ لگا رہی ہوں۔" انہوں نے سویرا کو سرزنش کرتے ہوئے باہر آنے کا کہا۔ سویرا نے اپنے آنسو پونچھے۔

"تم امی کی آنکھوں پر پٹی باندھ سکتے ہو۔ میری نہیں۔ وہ ثبوت کے ساتھ اپنی ماں کو یقین دلائے گی اس نے تہیہ کیا اور کپڑے تبدیل کر کے فریش ہو کر باہر آئی۔ ناہید میز پر ناشتہ لگا چکی تھیں۔ یاور بھی فریش ہو کر وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ عنایہ یاور سے باتیں کر رہی تھی۔

"آپ مجھے گھمانے لے جائیں گے؟" عنایہ نے ناشتے کے دوران اعتماد سے پوچھا تھا۔ یاور نے جواب دیتے ہوئے ناہید کو دیکھا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کیا کہے۔

"ضرور لے کر جانا عنایہ اور سویرا دونوں کو کیوں سویرا۔" انہوں نے تیز آواز میں سویرا کو پکارا، سویرا نے یاور کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکا سا سر ہلایا۔ سویرا کی نظروں میں جو یاور کو کھا جانے والا مفہوم تھا وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ سنجیدگی سے چپ چاپ سر جھکا کر ناشتہ کرتا رہا۔ ناہید دوپہر تک وہیں رہیں۔

پھر وہ اپنے گھر چلی گئیں عنایہ اور سویرا وہیں تھے۔ عنایہ آج بہت خوش تھی۔ اس کی ایک ایک حرکت اس کی خوشی کی کو ظاہر کر رہی تھی۔

کبھی اندر کمرے میں سویرا کے پاس جاتی، کبھی باہر یاور کے پاس آتی۔

"ماما آپ سے بات نہیں کرتیں؟"

"ماما آپ کو پسند نہیں کرتیں ناں .....؟" عنایہ ماں سے ڈرتی تھی سو یاور سے یہ سوال کیے۔

یاور، عنایہ کے مشاہدے پر ٹھٹھکا۔ وہ چپ ہی رہا۔ بہت دیر کھیلنے کے بعد تھک ہار کر وہ سو چکی تھی۔ یاور سوچ رہا تھا کہ کیا کرے یہاں رہے یا نہیں باہر نکل جائے۔ سویرا تو اس قابل تھی نہیں کہ اس سے کوئی بات بھی کی جاتی، وہ تو اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔ شام ڈھل چکی تھی جب عنایہ اٹھ کر اس کے پاس آگئی، سویرا کسی کام میں لگی تھی شاید اپنا کمرہ ٹھیک کر رہی تھی۔

"پاپا! ہم کب جائیں گے باہر؟"

www.alfatadab.com

"عنایہ بیٹا، مجھے تھوڑا کام ہے پھر چلتے ہیں۔" یاور کو کوئی کام نہیں تھا وہ محض اسے ٹال رہا تھا۔ وہ سویرا کی وجہ سے تذبذب میں تھا۔

"آپ نے پرامس کیا تھا اب تو آپ میرے بابا بھی بن گئے ہیں۔" عنایہ نے اتنے پیار سے کہا کہ یاور نے بے اختیار اس کا ہاتھ چوما۔

"بابا آپ پرامس کریں کہ آپ ماما جیسے نہیں بنیں گے؟" عنایہ نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ اب یاور اس کو منع نہیں کر سکتا تھا۔

"کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ عنایہ میرے پاس آؤ اندر ہوم ورک کرنا ہے۔" سویرا نے یاور پر ایک کٹیلی نگاہ ڈال کر زبردستی عنایہ کو کھینچنا چاہا۔ وہ میرون رنگ کے کرتے پاجامے میں مبہوت جذبات سے عاری سپاٹ چہرہ لیے بھی کافی اچھی لگ رہی تھی۔ سنہری خوب صورت ریشمی بال کمر پر پڑے تھے۔

"ایک منٹ۔" یاور نے عنایہ کا ہاتھ سویرا سے چھڑایا۔

"عنایہ آپ ہوم ورک کر لو پھر ہم چلتے ہیں۔" یاور نے عنایہ سے کہا۔

"یہ کہیں نہیں جائے گی، کل اسکول جانا ہے اس کو جلدی سونا ہے۔" یاور کو اب سویرا پر غصہ آ رہا تھا وہ اس کے ساتھ جو چاہے کرتی مگر بچی کے ساتھ بلاوجہ ایسا رویہ۔

"ابھی رات ہونے میں کافی وقت ہے۔" یاور نے سویرا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"عنایہ، آپ ہوم ورک کرو پھر چلتے ہیں۔" اب کی بار یاور کا لہجہ دوٹوک تھا۔ جیسے اب وہ سویرا کی ایک نہیں سنے گا۔ اس نے کہتے ہوئے ایک کاٹ دار نظر سویرا پر بھی ڈالی۔ یاور کا انداز ایسا تھا کہ سویرا ہل نہیں سکی۔ وہ پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

کافی دیر بعد بھی عنایہ باہر نہیں آئی تو یاور نے دروازے پہ دستک دی۔

"ایکسکیوزمی آپ کا پڑوسی نہیں ہوں میں جو آپ دروازہ بند کر کے بیٹھی ہیں۔ دروازے پہ دستک دی۔ بھیجیں عنایہ کو ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" یاور نے دروازہ بجاتے ہوئے آواز بھی دی۔ یاور کے پکارتے ہی عنایہ باہر آ گئی تھی۔ یاور نے اندر جھانکا سویرا اسی سوگ میں بیٹھی تھی، جس کا جواز اب ختم ہو چکا تھا۔

"ہم ایک گھنٹے تک آئیں گے کچھ چاہیے تمہیں؟" یاور نے پوچھا تو سویرا نے جواب دیے بغیر یاور کو محض گھورا۔

"اوکے ہم جا رہے ہیں، تم ماتم جاری رکھو۔"

یاور نے کہتے ہوئے عنایہ کو گود میں اٹھایا اور چلا گیا۔ سویرا اس کی بے نیازی پر آگ بگولہ ہی ہو گئی۔ اس نے اپنی ماں کا فون ملایا اور ساری بات ان کے گوش گزار کی کہ کیسے یاور نے سویرا پر اپنا رعب جمانا شروع کر دیا ہے اور بغیر اس کی اجازت کے وہ عنایہ کو باہر لے گیا ہے۔

"سویرا، یاور تمہارا شوہر ہے، عنایہ کے لیے اس کی نیک نیتی پر مجھے کوئی شک نہیں..... تمہارے گھر میں اب جو بھی ہو مجھے فون نہیں کرنا۔" انہوں نے فون بند کر دیا۔ سویرا بے بسی سے فون کو تکتی رہی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد یاور اور عنایہ واپس آئے۔

یاور اور عنایہ باہر کھانا کھا کر آئے تھے اور سویرا کے لیے لے کر آئے تھے۔ عنایہ نے آ کر ساری تفصیل سویرا کو سنائی سویرا اسے خشمگیں نگاہوں سے تکتی رہی یاور کا من روم کی بالکنی میں ایسے ہی کھڑا ٹائم پاس کر رہا تھا۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟"

سویرا عنایہ کو سلا کر فارغ ہوئی تو سیدھی یاور کے پاس آئی، وہ ہاتھ باندھے اس کے مقابل کھڑی تھی۔

یاور نے مڑ کر اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہو۔ "اب کس بات پر لڑنے آئی ہو؟"

"تم عنایہ اور امی کو بے وقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔ مجھے سچ بتاؤ کیا مقصد ہے تمہارا یوں ہماری یاور کی خاموشی اس کو مزید بہادر بنا رہی تھی۔"

یاور اس کو کچھ دیر گھورتا رہا پھر وہاں سے جانے کے لیے آگے بڑھا وہ اس وقت سویرا سے کوئی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"جواب دو کون ہو تم؟ اور کیا چاہتے ہو؟"

"میں یاور ہوں۔ جو ہوں جیسا ہوں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔"

"اتنے بھولے بن کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم؟ کہ تم وہ نہیں ہو جو اس رات کو آئے تھے کود کر اندر....." سویرا نے بالکنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سویرا کے چہرے پر غصہ تھا۔ یاور نے اسے غور سے دیکھا اور تھوڑا سویرا کے قریب ہوا۔

"ہاں میں اعتراف کرتا ہوں میں وہی ہوں جو اس رات اندر آیا تھا۔ وہی چور۔" یاور نے سویرا کی طرف دیکھ کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اسی سرگوشی میں کہا جس سرگوشی میں وہ اس رات بات کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ یاور کا انداز دیکھ کر دل بری طرح دھڑکا وہ ایک بار پھر خوف میں مبتلا ہو گئی۔ ایک سنسناہٹ تھی جو اس کے پورے بدن میں دوڑ گئی۔ یاور کہہ کر رکا نہیں، سویرا اپنا دل سنبھالتی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

شادی کے تین دن بعد ہی زندگی اپنی روٹین پر آ گئی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ ابھی ان کی شادی ہوئی ہے۔ سویرا ضدی اور ہٹ دھرم تھی تو یاور بے نیاز۔ یاور نے اپنی محبت کا اعتراف تو کجا ذکر تک نہ کیا، سویرا یاور کو ہرگز کوئی رعایت دینے کو تیار نہ تھی پھر اس دن والا واقعہ سویرا کو نہیں بھولا تھا وہ اسی کے تناظر میں یاور کو پرکھ رہی تھی۔ یاور بھی بظاہر اس کے معاملے میں حد سے زیادہ لاپرواہ بنا رہتا البتہ عنایہ کے ساتھ اس کا رشتہ دن بدن گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ آفس سے آ کر خود اسے پڑھاتا۔ شام کے اسنیکس اسے خود بنا کر دیتا۔

"بابا مجھے آپ کا فون چاہیے۔" عنایہ ناز سے کہتی یاور فوراً اپنا فون اس کے حوالے کر دیتا۔

"بابا اس کا لاک۔" وہ پھر ٹھنک کر کہتی۔ یاور اسے اپنے پاس بلاتا تاکہ فیس لاک ہٹا سکے۔

یاور نے جب فیس لاک لگایا۔ تب اس کے بال چھوٹے تھے اب چونکہ اس کے بال تھوڑے بڑے ہو گئے تھے تو بال پیچھے کرنے پڑتے، عنایہ کو علم تھا وہ آ کر اپنے ہاتھ سے یاور کے بال ہٹاتی اور موبائل آن لاک کرتی اور پھر بلاوجہ ہی دیر تک ہنستی رہتی۔ سویرا کو یہ منظر بے حد برا لگتا اور دن میں کئی بار اس کو یہ منظر دیکھنا پڑتا۔

سویرا کو ان کی دوستی قطعی پسند نہ تھی۔ ان دونوں کو زیادہ اٹیچ ہوتے دیکھ کر سویرا نے عنایہ کو حیلے بہانے سے یاور سے دور رکھنا شروع کر دیا۔

یاور اسے بلاتا تو وہ فوراً عنایہ کو اپنے پاس بلا لیتی خود اسے پڑھانے لگی۔ سویرا پڑھاتے ہوئے بہت سختی کرتی، بلاوجہ اسے ڈانٹتی۔ یاور سب دیکھتا ایک دو بار اس نے کہنا چاہا کہ وہ عنایہ کو اس سے پڑھنے دے لیکن سویرا یاور کی کوئی بات بھی سننے کو تیار نہ ہوتی۔

ناہید اس دن کے بعد نہیں آئی تھیں۔ سویرا نے سوچا ہوا تھا جب وہ آئیں گی تو وہ ان کے سامنے یاور سے بات کرے گی۔ یاور، عنایہ کے لیے چاکلیٹس یا آئسکریم لاتا تو گلے کی خرابی کا بہانہ بناتی۔ خود تو وہ دور تھی ہی اسے بھی کرنا چاہتی تھی۔

یاور یہ سب اچھی طرح دیکھ اور سمجھ رہا تھا عنایہ سو چکی تھی سویرا اوپن کچن میں موجود تھی۔ وہ چائے بنانے آئی تھی اور عنایہ کے لنچ کی تیاری کے لیے۔

"تم پاگل ہو گیا؟" یاور اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

سویرا اور یاور کے درمیان اس دن کے بعد کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کرتی جانے لگی تو یاور نے اسے روکا۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں..... تم جو کر رہی ہو وہ سب مجھے سمجھ میں آ رہا ہے۔" یاور ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"عنایہ آپ کی کچھ نہیں لگتی آپ کو اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔" سویرا نے یاور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم تو لگتی ہو۔ تمہارے پاس آ سکتا

www.aliffaqab.com

ہوں؟" یاور نے اب اسے بازو سے پکڑ کر قریب کیا۔ یاور کی یہ حرکت سویرا کے لیے یکسر اجنبی تھی وہ ٹپٹا گئی۔

"دور ہٹو..... خبردار جو ہم دونوں میں سے کسی کے بھی قریب آنے کی کوشش کی....."

"نہیں تو کیا کرو گی؟"

یاور نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"میں اتنی کمزور نہیں ہوں مجھے آتا ہے اپنی حفاظت کرنا اگر آپ پیچھے نہ ہٹے تو شور مچا دوں گی۔" سویرا نے گویا اسے دھمکی دی۔

"شور مچا کر کیا کہو گی کہ مجھے میرے شوہر سے بچاؤ۔" یاور نے آہستہ سے کہا۔

سویرا کے پاس جواب میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ چپ رہی۔

"تمہارے قریب آنے کا مجھے قطعی شوق نہیں سمجھیں۔" یاور نے اس کا ہاتھ چھوڑا۔

"مگر عنایہ..... اور میرے بیچ آنے کی کوشش بھی مت کرنا اوکے۔"

وہی اجنبی، سرد کاٹ دار لہجہ سویرا گنگ ہو گئی۔

یاور سویرا کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا جذبات رکھتا ہے اور کب سے رکھتا ہے۔

سویرا ایسا موقع آنے ہی نہیں دیتی تھی وہ ہر وقت اس کی ٹوہ میں لگی رہتی کہ کب یاور کوئی کوتاہی اسے نظر آئے اور وہ بات کا بتنگڑ بنائے، اس پر الزام لگائے۔ یاور خاموش ضرور تھا پر سمجھتا سب تھا، وہ غیر محسوس طریقے سے بہت محتاط رہتا وہ سوچتا کیا سویرا کو نظر نہیں آتا کہ یاور عنایہ سے کس قدر محبت کرتا ہے، اس نے شادی بھی محض عنایہ کے لیے ہی کی تھی یہ تو سوئے اتفاق کہ وہ وہی لڑکی نکلی اور سوائے یاور اور یمنی کے کوئی یہ بات نہیں جانتا تھا، سویرا کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی یاور پر شک کرنے کی ہاں مگر وہ رات۔

مگر اسے یقین تھا کہ اس کی محبت اور خلوص کو کبھی نہ کبھی سویرا ضرور پہچان جائے گی۔

☆☆☆

یاور کئی برسوں سے حساس ادارے سے منسلک تھا اسے اکثر و بیشتر دھمکی آمیز فون کالز آتے رہتے تھے وہ پہلے پرواہ نہیں کرتا تھا مگر اب اس کی ایک بیٹی تھی۔

آج بھی ایسے ہی اسے ایک ٹیکسٹ موصول ہوا جس میں کسی نے اسے شادی کی مبارک باد دی تھی۔ ساتھ ہی عنایہ کے اسکول کا نام بھی لکھا تھا۔ سویرا اور عنایہ کے متعلق یاور یہ ٹیکسٹ پڑھ کر حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے خیریت پوچھنے کے لیے سویرا کا نمبر ملایا۔ سویرا کا فون مسلسل ویٹنگ پر آ رہا تھا۔

سویرا پتا نہیں کس سے بات کر رہی تھی۔ وہ بس بات کر کے خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا مگر سویرا کے مسلسل اس کا فون نظر انداز کرنے پر وہ شدید مشتعل ہو گیا تھا۔

"ڈیم اٹ۔" یاور نے غصے سے فون پاکٹ میں رکھا۔ "میں گھر جا رہا ہوں۔ کوئی بات ہو تو کال کرنا۔" یاور اپنے معاون کو کہتا ہوا باہر نکلا۔

"سر، سب خیریت ہے؟" عاطف نے اسے عجلت و پریشانی میں دیکھا تو پوچھا۔

"ہاں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں۔

آفس اور گھر کے درمیان بیس پچیس منٹ کی مسافت کو اس نے دس منٹ میں طے کیا۔ اپارٹمنٹ کے سامنے آ کر اس نے بے صبری سے بیل پر ہاتھ رکھا دروازہ کھلتے ہی عنایہ سامنے تھی۔

یاور نے اسے دیکھتے ہی کب سے رکی سانس بحال کی اور وہیں چوکھٹ پر ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"آپ ٹھیک ہیں عنایہ؟" یاور نے پرسکون ہو کر اس سے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ آپ ٹھیک ہیں؟" عنایہ نے اس کی پھولتی سانس اور پسینے میں شرابور وجود دیکھ کر پوچھا تھا۔

"میں ..... میں ٹھیک ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا

تھا۔

"ماما کہاں ہیں؟" یاور نے پوچھا۔

"اندر ہیں۔" عنایہ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھا کر اشارہ کیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی طرف گیا سامنے ہی لونگ روم میں سویرا اب بھی فون پر مصروف تھی۔ یاور تیزی سے اس کے پاس گیا۔ اس کے کان پر رکھا موبائل جھپٹ لیا اور لائن کاٹی۔

"کس کا فون تھا؟" یاور اس وقت بہت غصے میں تھا۔

یاور کی آواز تیز تھی "دوست کا فون تھا پرانی دوست۔" یاور کی اونچی آواز اور بگڑے تیوروں نے سویرا کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ یاور، سویرا کے قریب ہوا اور اس کا ایک بازو سختی سے پکڑا۔

"کیا تمہیں اتنی دیر سے فون کر رہا تھا، کیا میری کال ویٹنگ میں نہیں آ رہی تھی؟" یاور نے پوچھا تو سویرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟ تمہیں کیا لگا تم سے گپیں لڑانے کو اتنی فون کالز کر رہا تھا میں؟" اگر آئندہ تم پریذیڈنٹ سے بھی بات کرو اور بیچ میں میری کال آ جائے تو تم پر لازم ہے کہ میری کال ریسیو کرو گی سمجھی؟"

وہ خوف زدہ نظروں سے یاور کو دیکھ رہی تھی اس کا یہ کون سا روپ تھا وہ چپ رہی۔

"تمہارے ساتھ اچھا ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعی اچھا ہوں کوشش کرو کہ تمہارے ساتھ میں اچھا ہی رہوں۔" یاور نے کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا۔ یاور کی آواز اتنی تیز تھی کہ عنایہ نے بخوبی سب سنا اور دیکھا تھا اور اسے یہ بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ اب وہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے تھی یاور سے روٹھی ہوئی تھی۔

یاور نے کئی بار اس سے بات کرنے کی کوشش بھی کی لیکن وہ یاور کے پاس نہیں آئی وہ اس سے شدید ناراض تھی۔

کھانے کا وقت ہوا تو سویرا نے کھانا لگایا۔ سویرا نے یاور کو اپنا شوہر تو تسلیم کر ہی لیا تھا کہ وہ ایک چھت کے نیچے کم از کم کھانا ایک ہی میز پر کھا سکتے تھے۔ عنایہ نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ آج سویرا نے عنایہ کے لیے جیلی بھی بنائی تھی اور اس نے عنایہ کے کہنے پر دو تیار کیے تھے ایک عنایہ کے لیے دوسرا یاور کے لیے یاور نے کئی بار عنایہ کی طرف دیکھا مگر وہ خاموشی سے اپنی جیلی کھاتی رہی، یاور نے عنایہ کی توجہ پانے کے لیے اس کے باؤل میں سے ایک چمچہ جیلی لے کر کھائی تو عنایہ نے بالآخر یاور کو گھور کر دیکھا۔

"آپ نے میری جیلی میں سے ایک بائٹ لیا، اب میں آپ کا پورا باؤل کھاؤں گی۔" عنایہ نے کہتے ہوئے یاور کا باؤل اپنی طرف کھسکایا۔

"یہ تو غلط ہے۔" یاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا آپ بھی تو — غلط کر رہے تھے ماما کے ساتھ۔" عنایہ نے خفگی سے کہا۔

"اوہ تو آپ اس لیے مجھ سے ناراض تھیں۔"

"ناراض نہیں تھی، مجھے اچھا نہیں لگتا کوئی شاؤٹ کرے۔"

عنایہ معصومیت سے بولی۔ "آئی ایم سوری....." یاور نے عنایہ کے سامنے ایک ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"سوری ماما سے کریں۔" عنایہ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ عنایہ کی بات پر یاور نے سامنے ہی سنک میں بے تاثر چہرے کے ساتھ برتن دھوتی سویرا کو دیکھا۔ اب وہ اس کو کیسے سمجھائے۔ یاور نے سرد آہ بھری۔

سویرا کو ڈانٹنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ پوری شام روتی رہی۔ مسلسل رونے کی وجہ سے اسے زکام ہو چکا تھا، چہرہ خوب سوج کر لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ یاور کی نظر جب بھی اس پر پڑتی وہ الجھ سا جاتا۔

"ایسا کیا کہہ دیا میں نے تمہیں جو تم یوں رو رہی ہو؟" بہت دیر تک سویرا کا رونا نہیں تھما تو یاور کہے بغیر نہیں رہ سکا۔

"کیا اب اس گھر میں کوئی اپنی مرضی سے رو

www.aliradab.com

بھی نہیں سکتا؟ اس کے لیے بھی آپ سے اجازت لینا پڑے گی۔" سویرا نے بہتے زکام کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"روتی رہو شوق سے۔" یاور کہہ کر ایک طرف ہوا۔

"لگتا ہے آپ کو گلٹی فیل ہو رہا ہے۔" سویرا نے اس کی بدسلوکی کا احساس دلانا چاہا۔

"تم اگر یہ سمجھ رہی ہو تو سمجھتی رہو، تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں میں۔ مجھے معلوم ہے میں نے جو کیا وہ صحیح ہے یا غلط۔ تم سے سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے" یاور کبھی بھی اتنا اجنبی بن جاتا کہ سویرا کو حیرت ہوتی۔ وہ اس کو وہاں سے جاتا دیکھتی رہی۔

یاور اور سویرا کی شادی کو چار ماہ ہونے کو آئے تھے، ناہید کبھی کبھی آتیں وہ بے حد مصروف رہتی تھیں۔ سویرا بھی کبھی چلی جاتی ایک دو دن کے لیے، سویرا کو باوجود کوشش کے یاور کے خلاف کوئی موقع نہیں ملا تھا کہ وہ ایکشن لیتی۔" تم موقع ڈھونڈتی رہنا یہ یوں ہی تم پر مزید حاوی ہوتا رہے گا۔" برتن دھوتے دھوتے وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی آج یاور نے اسے بری طرح ڈانٹا تھا حد سے زیادہ سخت لہجے میں، سویرا کو شدت سے رونا آ رہا تھا۔

"وہ اپنی انا میں بھول گئی تھی اس کا سب سے بڑا غم خوار سب سے بڑا رشتہ تو اسی کا تھا جس کو وہ اپنا دشمن سمجھ رہی تھی۔ میاں بیوی کے ست رنگی رشتے میں ایسے کئی مواقع آتے ہیں جب ذات کے کئی رنگ ایک دوسرے پر کھلتے ہیں۔ اچھے بھی برے بھی۔ محبت بھرے، کیف آگیں، تیز شوخ رنگ بھی اور کبھی کبھی عداوت اور کدورت کے مدھم پھیکے رنگ بھی پر سویرا تو ایسا کوئی رشتہ یاور سے رکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

وہ ساری رات وقفے سے روتی رہی۔ صبح عنایہ کو اسکول بھیج کر دوبارہ سونا چاہا تو نیند نہیں آئی پوری رات جاگنے سے سر بھاری ہو رہا تھا۔

یاور ابھی تک سویا ہوا تھا۔ شاید آج اسے آفس نہیں جانا تھا سویرا نے سوچا۔

اس نے اپنے موبائل کی تلاش میں نظر دوڑائی تو موبائل نہیں ملا۔ بیٹھے بیٹھے اس کی نظر باہر میز پر رکھے یاور کے موبائل پر پڑی۔

وہ باہر آئی یاور کا موبائل اٹھایا اس پر فیس لاک تھا اس نے متعدد بار یاور کو ان لاک کرتے دیکھا تھا۔

سویرا نے فون، گہری نیند سوتے ہوئے یاور کے سامنے لہرایا۔ فون نہیں کھلا۔ اس نے اب ذرا آرام سے وہیں زمین پر بیٹھ کر فون یاور کے چہرے کے سامنے کیا پھر بھی نہیں کھلا۔

"یہ نہیں کہ بندہ بال کٹوا لے۔" اس کا فون بال پیچھے ہٹانے سے کھلتا تھا۔ وہ جانتی تھی۔

اب اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے آہستگی سے انگلیوں کی دو پوروں سے یاور کے بال پیچھے ہٹائے فون کھل گیا۔ وہ پیچھے ہٹی بلا ارادہ ہی یاور کے چہرے پر نظر ڈالی۔ وہ سکون سے سویا ہوا تھا۔ وہ اچھا خاصہ خوبرو تھا پتا نہیں کیوں اس نے عنایہ کے لیے مجھ سے شادی کی؟ کوئی تو وجہ ہوگی۔ اس کو ابھی تک یاور کے خلوص پر یقین نہیں آیا تھا باوجود اس کے کہ وہ ہر وقت یاور کو عنایہ کے ساتھ مخلص دیکھتی۔ کیا پتا وہ سچا ہو؟ وہ تصویر کے جس رخ سے یاور کو پرکھ رہی ہو ویسا نہ ہو؟ ایک پل کے لیے سویرا کا دل بری طرح دھڑکا۔

کیا پتا وہ واقعی عنایہ سے اتنی محبت کرتا ہو جتنی کرتا ہوا نظر آتا ہے؟ وہ عنایہ سے ایسی محبت کرتا تھا کہ جیسے ایک باپ۔ بے انتہا شفیق اور نرم دل تھا اس کے لیے وہ سویرا سے اکثر تلخ ہو جایا کرتا تھا وہ جو عنایہ کی سگی ماں تھی۔ وہ عنایہ سے جتنی محبت کرتا سویرا سے اتنا ہی بے نیاز بنا رہتا۔ کتنے رنگ تھے اس ایک شخص کے؟ اگر وہ اس سے دور رہنا پسند کرتی تھی تو یاور نے بھی تو کبھی اس کے قریب آنے کی کوشش نہیں کی تھی؟

"کیا محبت اور محبت کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کیا محبت یونہی اسیر کر لیتی ہے پھر چاہے وہ محبت ایک معصوم بچی کی ہی کیوں نہ ہو؟" سویرا نے سر جھٹکا۔ سویرا نے یاور کے موبائل سے اپنا نمبر ڈائل کیا۔

"دعا" کے نام سے محفوظ تھا۔ مگر کیوں؟ اسے حیرت ہوئی۔

اس رات یاور نے سویرا کا موبائل مانگا تھا۔ اپنے سیل پر مس بیل بھی دی تھی کیوں؟ سویرا کو وہ سب کچھ یاد آ رہا تھا اس کا سر گھوم گیا۔ وہ نہایت بے قراری سے یاور کے واٹس ایپ پر گئی اس نے ہر چیٹ کھول کر پڑھی۔ ٹیکسٹ میسج۔ واٹس نوٹس۔ کال ریکارڈز ایک ایک جگہ اس نے کھول کر دیکھی سب کچھ سنا اور پھر جیسے کوئی گتھی سلجھتی چلی گئی۔ اس نے یمنیٰ کے میسجز دیکھے سنے، عاطف کے یاور کے ماموں کے۔ ماں کے۔ یمنیٰ کو بتائی گئی ہر تفصیل اس میں موجود تھی۔ عنایہ کے بارے میں سویرا کے بارے میں۔

وہ ششدر تھی کتنا عجیب، کتنا گہرا آدمی تھا یہ، اتنی محبت دل میں چھپائے، کبھی ایک رنگ محبت کا سویرا پر ظاہر نہیں کیا تھا اس نے.....

سویرا اب ایک ایک بات جان چکی تھی۔ ایسا لگتا تھا اس کے صدیوں سے جلتے دل پر کسی نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیے ہوں۔ پتا نہیں وہ کیوں اتنی بے قرار تھی۔ اگر وہ ویسا ہی ہوتا جیسا وہ سوچتی تھی تو وہ کیا کرتی۔

وہ سوتے ہوئے یاور کو بے ساختہ دیکھے گئی۔ برسوں سے برف کی سل بنا دل جیسے پگھلنے کو بے تاب تھا۔ اسے اپنی دھڑکنوں کے انتشار پر خوف محسوس ہوا۔ یکدم ہی یاور کا اجنبی چہرہ اسے محرم لگنے لگا۔ اجنبیت گہری اپنائیت میں ڈھل گئی۔ اس نے بے اختیار ہو کر یاور کے سیدھے بال جو اس کے ہٹانے کے فوراً بعد ہی دوبارہ پیشانی پر ڈھلک گئے تھے۔ اپنے ہاتھ سے پیچھے کیے ایسا کرنے سے یاور میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئی۔ محبت کے اس ادراک پر اس کے گال دہکنے سے لگتے تھے۔

اس کے بعد اس نے عنایہ پر روک ٹوک کرنا چھوڑ دی۔

نہ ہی یاور سے کوئی اور جھگڑا کیا۔ کچھ دنوں سے سویرا کا بدلا ہوا نرم رویہ یاور نے بخوبی محسوس کیا تھا۔ اب وہ اکثر عنایہ سے یاور کی پسند ناپسند پوچھنے لگی، کھانے میں کوشش کرتی کہ عنایہ اور یاور کی پسند کا کھانا بنائے۔ ایک دن سویرا نے دال چاول کے ساتھ فش فرائی کی تو یاور چونکا کیونکہ عنایہ اور سویرا دونوں ہی فش نہیں کھاتی تھیں۔ یاور دل ہی دل میں مسکرایا مگر بولا کچھ نہیں۔ وہ چاہتا تھا سویرا خود ہر بات کو سمجھے وہ خود کو اس پر مسلط نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اب اکثر سویرا، عنایہ اور یاور کے ساتھ باہر کا من میں بیٹھا کرتی یہ اور بات کہ وہ ایک طرف ہو کر خاموشی سے یاور اور عنایہ کے لاڈ دیکھا کرتی۔ یاور کو خود پر اس کی نظریں محسوس ہوتیں پر وہ نظر انداز ہی کرتا۔ ایک رات عنایہ سوئی تو وہ خود بھی آ کر باہر کا من روم میں بیٹھ گئی۔

وہ آج یاور سے بات کرنا چاہتی تھی۔ ہر بات جو وہ جانتی تھی۔ یاور کے متعلق اپنی ہر بات جو وہ چاہتی تھی کہ یاور اس کے بارے میں جان جائے۔

وہ باہر آ کر بیٹھی تو یاور نے سر اٹھا کر دیکھا کہا کچھ نہیں۔ وہ چائے کے دو کپ بنا کر لائی تھی ایک کپ اس نے یاور کے سامنے رکھا۔

یاور اس وقت چائے پینے کے موڈ میں نہیں تھا پر چپ چاپ کپ تھام لیا۔ وہ دونوں کافی دیر خاموش رہے یاور اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"یاور!" پہلی بار سویرا نے یاور کا نام پکارا تھا۔ وہ سن رہا تھا اس نے سویرا کی جانب نگاہ کی۔

"آج سے چار سال پہلے ثاقب کا انتقال ہوا تھا۔ پلین کریش میں، میں بھی ان کے ساتھ جانے والی تھی کچھ دن کے بعد ثاقب کی بہن کی شادی تھی۔ اچانک عنایہ بہت بیمار ہو گئی تھی ثاقب نے کہا میں عنایہ کے ساتھ اگلے دن کی فلائیٹ سے آ جاؤں، میں جا نہیں پائی۔

وہ دن مجھے آج بھی اپنی پوری جزئیات کے ساتھ یاد ہے۔ اس دن کی صبح اس دن کا اٹھنا۔ میں نے اس رات بہت برا خواب دیکھا تھا۔ میں نے

www.atifadab.com

ثاقب سے کہا کہ وہ مت جائے پر اسے جانا تھا ہر حال میں۔ یاور، میں وہ دن شائد کبھی نہ بھول پاؤں۔ اس دن کے بعد میں، میں نہیں رہی۔ مجھے اس دنیا سے ہی نفرت ہوگئی۔

عنایہ کا وجود مجھے بوجھ لگنے لگا۔ مجھے لگتا اگر عنایہ نہیں ہوتی تو میں بھی ثاقب کے ساتھ ہوتی یوں اکیلی اس کا ماتم نہیں منا رہی ہوتی۔ پہلے ابو، پھر نانا ابو اور پھر پتا ہے یاور، اب میں نے جانا یہ اتفاقات، یہ حادثات کچھ ہو جانا، کسی کا ملنا یونہی نہیں ہوتا یہ سب پہلے سے طے ہوتا ہے۔ پر حادثات کا بوجھ اٹھائے نہیں اٹھتا۔ بہت تکلیف ہوتی ہے جب کوئی اپنا دنیا چھوڑ کر جاتا ہے۔"

وہ آنسوؤں سے رو رہی تھی پتا نہیں کس بات کے لیے تمہید باندھ رہی تھی شاید اپنے رویے کی تلافی کرنا چاہتی تھی یا جواز پیش کر رہی تھی۔ یہ بھی ٹھیک ہے اپنے ہر برے رویے کی توجیح پیش کر کے بری الزمہ ہو جانا کتنا آسان ہوتا ہے۔

یاور نے یہ بہت سے لوگوں کو کرتے دیکھا تھا جیسے اس کی ماں پہلے اپنے شوہر کے برے رویے کو جواز بنا کر اسے چھوڑا پھر اپنے بھائی کی بدزبانی کو وجہ بنا کر یاور سے بے پرواہ ہوگئی۔ ان کی دوسری شادی کے وہ خلاف نہیں تھا پر وہ صرف ان کی ذمہ داری تھا۔ وہ شوہر کی ناصحیح اپنے بھائی کی کچھ باتیں تو برداشت کر سکتی تھیں مگر اصل بات تو یہ تھی کہ برداشت ان کے اپنے اندر نہیں تھی۔

انہوں نے ہمیشہ خود کو صحیح ثابت کرنا چاہا اس لیے نہیں کہ وہ صحیح تھیں اس لیے کہ دوسرے غلط تھے۔

یاور کی ذہنی رو کہیں سے کہیں بھٹک گئی تھی وہ حال کی دنیا میں واپس آیا۔

سویرا کے آنسو تھے کہ رک ہی نہیں رہے تھے۔ یاور کو سگریٹ کی شدید طلب ہو رہی تھی اس نے سلگالی۔ وہ خاموش ہوئی تو یاور نے کہنا شروع کیا۔

"سویرا، میں یہ نہیں کہوں گا کہ تمہارا دکھ سمجھ سکتا ہوں کیونکہ کوئی کسی کا دکھ نہیں سمجھ سکتا۔ دکھ کبھی ختم بھی نہیں ہوتے بس وقت کے ساتھ مدہم ہو جاتے ہیں ان کی شدت وہ نہیں رہتی وہ بس ہلکی سی کسک بن جاتے ہیں۔ اور ہمیں ان کے ساتھ جینا آ جاتا ہے۔"

میں جب بھی کسی کو ان کے پیاروں کے دور جانے کی وجہ سے روتا دیکھتا ہوں۔ ان کی کہانی بڑے اشتیاق سے سنتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں۔ کاش میرے پاس بھی اپنوں کے الوداع کی کوئی ایسی کہانی ہوتی۔ جسے میں یاد کر کے دوسروں کو سنا کر دیر تک روتا غم مناتا۔ کھل کے آنسو بہا سکتا۔

کیونکہ پیچھے رہ جانے والوں کے پاس صرف شرمندگی ہوتی ہے، خالی پن ہوتا ہے۔ اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا۔ کہنا نہیں چاہیے لیکن میں اکثر سوچا کرتا ہوں۔

کاش میرے پاس بھی ایسی کوئی کہانی ہوتی تمہیں سنانے کو میں خوشی سے سب کو بتاتا کہ میں نے کسی اپنے کو کیسے آخری سفر پر وداع کیا۔"

یاور کہہ کر خاموش ہو گیا کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

سویرا، قدرت نے آپ کے نصیب میں کیسی ہی کہانی کیوں نا لکھی ہو آپ کو آگے بڑھنا ہی ہوتا ہے۔ تمہارے پاس تو جینے کا مقصد ہے عنایہ کی صورت۔

یا تمہیں اب یوں مزا آنے لگا ہے ہر فکر سے آزاد صرف خود میں گم ہو کر۔ اپنی ہر ذمہ داری سے منہ موڑ کر؟

اگر ایسا ہے تو کوئی تمہیں اس غم سے باہر نہیں نکال سکتا۔ تم کیا سمجھتی ہو ایک تم ہو جسے غم ملا ہے؟ سویرا دنیا میں ہر شخص غم زدہ ہے، مکمل جہاں کبھی کسی کو نہیں ملتا دنیا میں خوشیاں کم اور غم زیادہ ہیں۔ بس ایک چیز ہے جو سب کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے غم یا دکھ سے نبرد آزما ہونے کا سلیقہ..... کوئی اپنے غم کو اپنے لیے ڈھال بنا لیتا ہے تاکہ اس میں چھپ کر ہمدردیاں وصول کرتا رہے، دوسرے لوگ وہ جو اپنے غم کو اپنی طاقت بنا لیتے ہیں۔

وہ غم سہہ سہہ کر اتنے مضبوط ہو جاتے ہیں کہ صرف اپنے لیے ہی نہیں دوسروں کے لیے بھی سہارا بن جاتے ہیں۔

یاور کہہ کر خاموش ہو گیا۔

سویرا نے اپنے آنسو پونچھے یاور نے اب بھی اس سے کوئی اظہار محبت نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اسے بتایا تھا کہ وہ اسے کب سے چاہتا تھا، سویرا یاور کو غور سے دیکھتی رہی۔

دونوں نے اپنے اپنے دکھ ایک دوسرے سے کہہ دیئے تھے، دونوں رات بھر جاگتے رہے سویرا اپنے کمرے میں۔ یاور باہر کامن روم میں۔ صبح یاور کی آنکھ دیر سے کھلی تو عنایہ اسکول جا چکی تھی۔ سویرا رات بھر کی جاگی ہوئی تھی اس لیے شاید ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔

یاور اٹھا تو علم ہوا کہ اسے ایک ضروری کام سے اسلام آباد جانا پڑے گا۔ کیا کرے؟ وہ دبے پاؤں کمرے میں گیا اور اپنا کچھ ضروری سامان پیک کیا۔ اپنا چھوٹا سا ہینڈ بیگ بنا کر اس نے رکھا ناشتہ ایئرپورٹ پر ہی کرلوں گا اس نے سوچا۔

اب وہ ایک نوٹ لکھ رہا تھا۔

"مجھے ایک کام سے جانا پڑ رہا ہے۔ عنایہ کے لیے کچھ چیزیں آرڈر کی ہیں شاید کل تک تمہیں مل جائیں۔ اپنا کریڈٹ کارڈ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ پن نمبر تمہیں واٹس ایپ کیا ہے۔ تمہارے لیے تمہاری منہ دکھائی۔ اگرچہ منہ تو تم نے دیکھنے نہیں دیا اب تک رکھی ہے ڈریسنگ ٹیبل پر اگر دل اجازت دے۔ اس چور پر بھروسہ کرو اور عمر بھر ساتھ رہنا چاہو تو۔ پہن لینا میں کب آؤں گا کچھ بتا نہیں سکتا۔"

"صرف تمہارا یاور.....!"

یاور یہ چھوٹی سی چٹ سویرا کے سرہانے رکھ کر چلا گیا۔

سویرا اٹھی تو سرہانے پڑا نوٹ اس نے دیکھا۔ پڑھنے کے بعد وہ بے قراری سے اٹھی اور سنگھار میز کے پاس گئی۔

چھوٹی سی خوب صورت مخملی ڈبیا میں نازک سی ڈائمنڈ رنگ رکھی تھی۔ صاحب خود نہیں پہنا سکتے تھے سویرا نے برا مانا۔ پر انگوٹھی پہنے بنا نہیں رہ سکی۔

سویرا نے انگوٹھی پہنی۔ بار بار اپنے ہاتھ کو تکتی۔ دل پر ہاتھ رکھتی۔ یہ کیا ہوا تھا اسے۔ اتنی بے قراری۔ انگوٹھی دی بھی کب جاتے ہوئے اور گئے بھی کیسے چپ چاپ۔ کئی بار فون کیا۔ یاور کا نمبر بند تھا۔

عنایہ اسکول سے آئی تو آج کتنے برسوں بعد سویرا عنایہ سے اسی ممتا اور محبت سے ملی جیسے پہلے ثاقب کے زمانے میں ملا کرتی تھی۔

اس نے کئی بار عنایہ کو چوما۔ گلے لگایا۔ عنایہ سویرا کا یہ انداز دیکھ کر حیران پریشان سی تھی۔ خوشی بے چینی بے قراری سویرا کے انگ انگ سے ظاہر تھی۔

شام میں ناہید بھی وہاں آ گئی تھیں۔ ان کو بھی سویرا کے انداز میں کچھ تبدیلی نظر آئی وہ گھر میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اس نے بہت زمانے بعد گھر کی ترتیب بدلی تھی۔ عنایہ کے معمولات کا خیال رکھ رہی تھی۔ اس کے کھانے پینے کا، اٹھنے سونے کا۔

سویرا اس دن تو نہیں دوسرے دن یاور کی آمد کی توقع رکھے ہوئے تھی۔ شاید وہ آج آ جائے۔

فیروزی خوب صورت شیفون کا اسٹائلش سوٹ پہنے آج وہ نویاہتا ہی لگ رہی تھی۔ نازک سراپے نے زمانے کے بعد بہار دیکھی تھی۔

ناہید نے اسے یوں سجا سنوار دیکھا تو ایک اطمینان بھری سانس خارج کی۔ وہ خوش تھی ان کے لیے یہ بہت تھا۔

اس کا رواں رواں یاور کے آنے کی دعا کر رہا تھا مگر وہ نہیں آیا۔ اس کی صورت اتر گئی۔

عنایہ کو سلا کر وہ نماز کے لیے کھڑی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ جی بھر روئی۔ اللہ سے اپنی غفلت اور ناشکری کے لیے خوب معافی مانگی۔ دوسرے دن بھی وہ تیار ہوئی پر وہ نہیں آیا۔ پھر تیسرا دن اب وہ پوری طرح جلال میں آ چکی تھی۔

چوتھے دن اس نے کوئی اہتمام نہ کیا۔ بار بار موبائل اٹھاتی یاور کا نمبر ڈائل کرتی۔

www.alfitadab.com

ہر آہٹ پر چونک جاتی۔ یاور کا فون مسلسل بند تھا۔
آنکھوں کے کنارے بار بار بھیگ جاتے تھے۔ ناہید بھی آج واپس چلی گئی تھیں۔ عنایہ کو ہوم ورک کروا کر وہ سنک میں چائے کے برتن دھو رہی تھی جب بیرونی دروازہ کھلنے کی مخصوص آواز آئی۔
سویرا کا پورا جسم سماعت بن گیا تھا۔ خفگی، غصہ، محبت، انتظار کیا نہیں تھا اس کے اندر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں یوں ہی برتن دھوتی رہی۔ دروازہ کھلا، کوئی اندر داخل ہو چکا تھا وہ پچھلے کئی ماہ سے اس کی آہٹیں سن رہی تھی سو اچھی طرح پہچاننے لگی تھی۔
''بابا۔'' عنایہ نے ٹی وی کا ریموٹ چھوڑ کر یاور کی طرف دوڑ لگائی، یاور نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔ کئی بار پیار کیا۔ سویرا کے برتن دھل چکے تھے مگر وہ اب دھلے ہوئے برتنوں کو دوبارہ دھو رہی تھی۔
یاور عنایہ کو اٹھائے اٹھائے سویرا کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا۔
''کیا حال ہیں۔ اتنی بے خبر ہو کہ پتا بھی نہیں گھر میں کوئی آیا ہے۔'' یاور نے دیکھا وہ صاف برتنوں کو دوبارہ دھو رہی تھی۔
''کیسی ہو؟'' یاور نے مزید دیکھا اس کے ہاتھ میں انگوٹھی دمک رہی تھی۔ سویرا چپ رہی۔
''آپ میرے لیے کچھ نہیں لائے بابا؟'' عنایہ کو یاد آیا۔
''لایا ہوں بیگ میں دیکھو۔'' یاور نے اسے بتایا۔
''اور ماما کے لیے؟'' عنایہ نے پوچھا۔
''آں ں..... ہاں تمہاری ماما کے لیے بھی لایا ہوں۔''
''کیا۔'' عنایہ نے پھر پوچھا۔
''تمہاری ماما کی ہنسی لایا ہوں۔ ان سے کہو مجھ سے لے لیں۔'' یاور نے ٹھہر ٹھہر کر لفظ ادا کیے۔ سویرا کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ چہرے پر بکھرے محبت کے رنگ صاف نظر آنے لگے۔ عنایہ سمجھ نہیں پائی۔
''بابا میں اپنا گفٹ دیکھوں۔'' وہ جلدی سے یاور کی گود سے نیچے اتری۔

''اب کب تک دھلے ہوئے برتنوں کو دھوتی رہو گی۔''
یاور اب بالکل اس کے پیچھے کھڑا تھا۔
''گھر ہے یہ سرائے نہیں کہ جب دل چاہا آ گئے جب دل چاہا چلے گئے۔'' نا چاہتے ہوئے بھی شکایت اور آنسو ایک ساتھ سویرا کی آنکھوں سے نکلے۔ یاور نے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔
''مجھے اس رات کچھ اور بھی بتانا تھا۔'' سویرا نے روٹھے روٹھے انداز میں ہی بات کا آغاز وہیں سے کیا جہاں سے اس دن چھوڑا تھا۔
''کیا؟'' یاور نے پوچھا۔
''میں نے آپ کا موبائل دیکھا تھا اب مجھے سب پتا ہے۔'' سویرا نے اپنے تئیں کوئی بڑی خبر بریک کی تھی جبکہ یاور یہ پہلے ہی جانتا تھا۔
''کیا آپ یہ سب مجھے پہلے خود نہیں بتا سکتے تھے؟'' سویرا نے شکوہ کیا۔
''بتانا چاہتا تھا پر چوروں کی بات پر کون بھروسہ کرتا ہے۔ ویسے تم عورتیں بھی عجیب ہوتی ہو۔ رویوں کے بجائے لفظوں سے بہلتی ہو۔'' یاور کے لہجے میں شرارت تھی۔
''ایک سوال میں بھی کافی عرصے سے پوچھنا چاہتا تھا؟'' یاور بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ''وہ کیا؟'' سویرا نے تجسس سے پوچھا۔
''کیا میں شکل سے واقعی چور لگتا ہوں؟'' یاور کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ وہ اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔
''لگیں یا نہ لگیں چور تو آپ ہیں۔'' سویرا نے اسے ہاتھ سے ذرا پیچھے دھکیلا۔ یاور نے اب دونوں ہاتھ پاکٹ میں ڈال لیے تھے۔ وہ اس کی بات غور سے سن رہا تھا۔
''دل چرایا ہے آپ نے عنایہ کا اور میرا بہت بڑے اور پکے چور ہیں آپ.....'' کہتے ہوئے سویرا کے لہجے میں حیا ہی تھی رخسار دہک سے رہے تھے۔ اس کی بات سن کر یاور کے چہرے پر بے ساختہ اطمینان بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆☆

نگہت سیما

ماہ الملوک

مکمل ناول

لاہور کے ذکی دروازے کی سمت بہت شان دار حویلیاں تھیں ان میں سے ایک مرزا جہاں زیب کے دادا مرزا ہمایوں بیگ نے بنوائی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی گئی تھیں۔
مرزا جہاں زیب اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے اللہ نے انہیں چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔
بیٹوں، بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ اوپر والی منزل میں اورنگ زیب بیگ اور ارباب بیگ رہائش پذیر تھے جب کہ خود جہاں زیب بیگ گرانڈ فلور پر دونوں چھوٹے بیٹوں شاز یب اور ظفریاب کے ساتھ رہتے تھے۔
اورنگ زیب کی دو بیٹیاں دو بیٹے تھے۔ ارباب بیگ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔
ظفریاب کا بیٹا آزین اور شاہ زیب بیگ کی بیٹی زل کا نکاح ہو چکا تھا۔
شاہ زیب بیوی کے مرنے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ظفریاب کچھ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گئے تھے، وہ بہت برا وقت تھا، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کی بیوی نے ان کے واپس آنے کے بعد طلاق لے لی۔ ظفریاب دوسری شادی کر کے ملک سے باہر چلے گئے۔

www.pkfiqadab.com

بارہویں قسط

استانی جی بھی نہیں ہیں اور وہ بھی اسلام آباد شفٹ ہو رہے ہیں چوہدری عبدالمالک نے بتایا تھا کہ دونوں چھوٹے بیٹے ضد کر رہے ہیں کہ میں اب ان کے ساتھ ہی رہوں اسلام آباد میں۔ اور وہاں ماسی جناں ہے۔ جس نے اس کو اپنے گھر رکھا سہارا دیا۔

ماں جیسی محبت دی اب وہ بیمار رہنے لگی ہے اسے خدمت کی ضرورت ہے تو وہ اسے چھوڑ کر یہاں کیسے آجائے۔ ماسی نور بھری چلی گئی ہے لیکن تنہا لڑکی کے لیے اکیلے رہنا آسان نہیں ہے۔ نہ جانے کوئی اور نور بھری اور اسلم اس کے پیچھے پڑ جائے۔ تب چوہدری عبدالمالک خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا جب بھی کوئی مشکل ہو اسے خط لکھ دے وہ جا رہے ہیں لیکن گھر میں دیکھ بھال کے لیے نوکر ملازم تو ہوں گے نا اس کا خط انہیں مل جائے گا۔ اور پھر ان کے اصرار کے باوجود وہ وہاں نہیں رکے تھے کہ حامد کو وہ ماسی جناں کے پاس چھوڑ کر آئی تھی۔ پھر چوہدری عبدالمالک نے خود اپنی گاڑی پر انہیں شہر بھجوایا تھا۔ اور وعدہ کیا تھا کہ وہ نور بھری کو تلاش کروانے کی کوشش کریں گے۔

"تو اب اس کا انتظار کرنا چھوڑ دے زیبو! وہ نہیں آنے والا۔ اتنے سال گزر گئے نہیں آیا تو اب کہاں آئے گا۔ اور حامد کو اس کے حوالے کیوں کرے گی بھلا۔ آج آٹھ سال کا ہے کچھ سالوں میں جوان ہو کر تیرا سہارا بنے گا، اس کا کیا حق ہے بھلا حامد پر جو تجھے بیوی بنا کر وقت گزار کر چلا گیا۔ یہ شہری بابو ایسے ہی ہوتے ہیں اسے تو یاد بھی نہیں ہوگی کبھی اس نے ایک معصوم لڑکی کی جھولی میں وعدے کے سکے پھینکے تھے اور وہ جھلی ابھی تک وہ جھوٹے سکے سنبھالے اس کی راہ تکتی ہے۔"

"نہ ایسا نہ کہہ زیتونی!"

زیب النسا نے اسے زخمی نظروں سے دیکھا۔

"وہ ایسا نہیں تھا، وہ تو۔"

"چل اپویں ہی وکالت نہ کر اس کی اگر تو اسے ایسے ہی مل جاتی تو نکاح بھی نہ کرتا تجھ سے۔"

زیتون پتا نہیں کیوں آج تلخ ہو گئی تھی۔ ورنہ اس نے کبھی ایسی باتیں نہیں کی تھیں جس سے زیب النسا کا دل دکھے۔ اور آج نے اس زیب النسا کا دل دکھا دیا تھا۔ جو مسلسل نہیں نہیں کہتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کرب تھا اذیت تھی۔ اس نے زیتون کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"اس نے ابا سے کہا تھا وہ بہت جلد اپنے ماں باپ کو لے کر آئے گا اور لے جائے گا۔ لیکن نہیں آیا اور اقبال بھائی نے کہا کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ اس حادثے میں مر گیا، اقبال بھائی استانی جی کے بھانجے تھے۔" پہلی بار وہ زیتون کو بتا رہی تھی اس کے متعلق ورنہ ہمیشہ یہ ہی کہتی تھی کہ وہ آئے گا۔

"اور پھر بھی تو اس کے لوٹ آنے کا انتظار کر رہی ہے زیبو!" زیتون حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔"

اس نے بے بسی سے زیتون کی طرف دیکھا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔"

زیتون نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے خالی کپ اٹھائے اور کھڑی ہو گئی۔

"یہ میں دھو کر رکھ دیتی ہوں چائے والے برتن اور ٹکیاں نعمت خانے میں حامد کے لیے رکھ دیتی ہوں۔ شوق سے کھاتا ہے۔"

دوسری پلیٹ میں پڑی آخری جلیبی اس نے اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔

"اس پر تو چونٹیاں آجائیں گی۔"

"زیتونی سن، صفدر بھائی سے کہو مجھے اقبال بھائی کا پتا کروا دیں مجھے استانی جی کے بھانجوں کا گھر پتا ہے۔ جب ابا اسپتال میں تھے تو استانی جی کے ساتھ میں ان کے گھر گئی تھی۔ وہ تب دوسرے ملک چلے گئے تھے۔ ابا کئی بار گئے تھے پتا کرنے۔"

"لے اب اقبال بھائی کا پتا کر کے کیا کرے گی۔"

زیتون نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تصدیق۔ قرآن پر ہاتھ رکھ کر تصدیق۔"

"کس بات کی تصدیق؟" زیتون حیران سی کھڑی تھی۔

"یہ کہ انہوں نے حادثے کے متعلق جو کچھ کہا تھا، سچ کہا تھا۔" زیب النساء کا دل جیسے لہو لہو ہوا تھا۔

"لیکن وہ تمہارے اقبال بھائی جھوٹ کیوں بولیں گے بھلا؟" زیتون کپ ہاتھوں میں پکڑے کھڑی تھی۔

"پتا نہیں۔" اس نے بے بسی سے زیتون کی طرف دیکھا۔

"لیکن جب سے فاطمہ آپا کا خط آیا ہے۔ تب سے بار بار ذہن میں خیال آتا ہے کہ ہو سکتا ہے اقبال بھائی نے جھوٹ بولا ہو۔ یا انہیں جس نے ان کے حادثے کا بتایا ہو اس نے جھوٹ بولا ہو اور فاطمہ آپا نے اسے ہی دیکھا ہو۔"

"ہاں یہ ہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ وہ بھلا اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولیں گے۔" زیتون نے اپنی بات دہرائی۔

"انہوں نے بھی استانی جی سے میرے رشتے کی بات کی تھی۔ حالانکہ عمر میں وہ مجھ سے کافی بڑے تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا میری شادی کا سن کر ان کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا اور انہوں نے ابا سے بھی اس روز اونچی آواز میں بات کی تھی۔ جب ابا نے انہیں کہا تھا کہ وہ اس کے متعلق پتا کروا دیں۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا۔

"چلو مان لیا زیبو کہ انہوں نے جھوٹ بولا تھا لیکن بھلا جھوٹ بولنے سے انہیں کیا فائدہ ہونا تھا۔ وہ تجھ سے شادی تو نہیں کر سکتے تھے نا کہ نکاح پر نکاح تو نہیں ہو سکتا کہ انہیں تو پتا تھا کہ تمہارا شوہر زندہ ہے اور اگر کچھ غلط مقصد ہوتا تو وہ کیا بار بار تمہارے گھر نہ آتے۔" زیتون پتا نہیں کیوں اس وقت بحث کر رہی تھی۔

"ہاں وہ آخری بار تب ہی آئے تھے اس کے متعلق بتانے پھر وہ ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ ابا کئی بار گئے تھے ان کے گھر لیکن انہیں اقبال بھائی نہیں ملے تھے۔"

"تو مطلب یہ کہ تمہاری فاطمہ آپا کو ضرور دھوکا ہوا ہوگا اور پھر تمہاری فاطمہ آپا نے بھی تو تمہارے کسی خط کا جواب نہیں دیا تھا۔ کتنے ہی خط تو تم نے لکھے تھے انہیں۔ یہ دنیا ایسی ہی ہے زیبو، یہاں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ سب خود غرض اور مطلبی ہوتے ہیں۔"

"نہیں۔" زیب النساء نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"فاطمہ آپا اور استانی جی ایسی نہیں تھیں۔ ہوسکتا ہے میرے خط انہیں ملے ہوں اور انہوں نے مجھے جو بھی خط لکھے ہوں۔ وہ ابا کے گھر والے پتے پر ہی لکھے ہوں گے تو ماسی نور بھری نے انہیں پھاڑ کر پھینک دیا ہو۔ میں تو اپنے ہر خط میں ماسی بھری سے بھی پوچھتی تھی کہ میرا کوئی خط آیا اور جب بھی اس کا جواب آتا یہی لکھا ہوتا کہ کوئی خط نہیں آیا۔"

"چلو فاطمہ آپا ایسی نہیں ہیں۔ مان لیا میں نے تو بس یوں ہی ایک عام بات کی تھی کہ آج کل کوئی کسی کا نہیں ہے۔ تمہیں برا لگا ہے نا تو معاف کردو لیکن میری بھلی بہن، یہ اب اقبال بھائی کو ڈھونڈنے کا خیال چھوڑ دے۔ بھلا تصدیق کر بھی لی تم نے تو کیا فائدہ اس تصدیق کا۔" زیتون اس وقت بڑی سمجھ دار لگ رہی تھی۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو زیتون، لیکن میں بس ایک بار تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔ پتا ہے مجھے بھی ابا کی طرح لگنے لگا ہے کہ جیسے میں بھی اب بہت سارے دن زندہ نہیں رہوں گی، جیسے میرے اندر سے زندگی ہولے ہولے ختم ہو رہی ہے اور جیسے کسی روز اچانک موت کا فرشتہ اچک کر لے جائے گا اور میرا حامد اکیلا رہ جائے گا۔ اگر وہ زندہ ہوا تو اقبال بھائی سے کہوں گی کہ اس کے بیٹے کو اس کے حوالے کردیں۔ اگر وہ اس دنیا میں نہیں ہے تو وعدہ کر زیتونی، میرے بیٹے کا خیال اپنے بیٹے کی طرح ہی رکھے گی۔"

اس کی ملتجی نظریں زیتون کی طرف اٹھیں تو زیتون نے اسے ڈانٹا۔

"شام کے وقت منہ سے فضول باتیں نہ نکال۔ کچھ نہیں ہوگا تجھے اپنے حامد کا خود ہی خیال رکھے گی۔"

"نہیں وعدہ کر زیتونی!" اس کی ملتجی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔

"اچھا وعدہ تیرے حامد کا خیال اپنے بچوں سے بڑھ کر کروں گی وہ تو یوں بھی مجھے اپنے فضل سے کم پیارا نہیں ہے۔ اتنا من موہنا سا تو ہے۔ دشمن بھی دیکھ لے تو اس پر پیار آئے اور آج ہی صفدر سے بھی کہوں گی کہ اقبال کا پتا کروائے۔ بس اب تو نے کوئی فضول بات نہیں سوچنی۔ بڑی آئی پیرنی۔"

زیتون برتن اٹھا کر دھونے چلی گئی۔ ٹکیاں نعمت خانے میں رکھیں صحن میں پڑے حمام کے پاس بیٹھ کر برتن دھوئے اور نعمت خانے کے اوپر پڑے ٹوکرے میں رکھے۔ زیب النساء اسی طرح بیٹھی گہری سوچ میں ڈوبی اسے دیکھتی رہی۔ برتن رکھ کر وہ اس کے پاس آئی۔

"اچھا سنو۔ میں اب چلتی ہوں۔ کل خود ہی آ کر صفدر کو اپنے اقبال بھائی کا حدود اربعہ بتا دینا۔ ادھر رحیم یار خان میں وہ ہے نا اس کا سنگی۔ پہلے اسے خط لکھ کر پتا کروالیں گے اگر وہ وہاں ہی ہوا اپنے گھر تو پھر ہم چل کر خود بات کرلیں گے اس اقبال کے بچے سے قرآن پر ہاتھ رکھ کر تصدیق کروالینا۔"

زیتون کا دل، خاموش اداس بیٹھی زیب النساء کے لیے دکھی ہوا۔

"ویسے یہ اقبال کیسے جانتا تھا اسے؟" زیتون کو تجسس ہوا۔

"شکار کے لیے لے کر جاتا تھا لوگوں کو۔ اسے بھی وہ شکار کے لیے ہی لے کر جا رہا تھا اور بیمار ہونے پر استانی جی کے گھر چھوڑ گیا تھا۔ اور ہاں زیتونی! آج صفدر بھائی سے بات ضرور کر لینا یاد سے۔" ملتجی نظریں زیتون کی طرف اٹھیں۔

"میرے دل کو دیمک لگ گئی ہے زیتونی۔ کسی روز اچانک یہ دیمک زدہ دل بند ہو جائے گا۔ یقین کر میرا وہم سچ ہو جائے گا کسی روز اور میرے بعد میرا بیٹا میرا راجہ رل جائے گا۔"

"پھر وہی مغرب ویلے فضول باتیں۔"

زیتون نے اسے گھر کا اور برآمدے کے اس حصے کی طرف بڑھی جہاں مٹی کے تیل والا چولھا پڑا تھا۔ ماچس اٹھائی اور آنکڑے میں لٹکی لالٹین اتاری۔

"تیل ہے نا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے زیب النساء کی طرف دیکھا تو زیب النساء نے سر ہلا دیا۔

"پتا ہے نا ماسی جنتاں مغرب کی اذان ہوتے ہی لالٹین جلا دیتی تھیں اور تو نے ایسے ہی اندھیرے میں بیٹھے رہنا تھا حامد کے آنے تک۔ اندھیرا بس ہونے ہی والا ہے۔"

زیتون نے لالٹین جلا کر پھر لٹکا دی۔ پورے برآمدے میں مٹی کے تیل کی بو پھیل گئی تھی۔

"اور ہاں سن میں جب ادھر آ رہی تھی تو ماسی (اس کی ساس) تندور میں بالن ڈال رہی تھی۔ تیرے لیے بھی دو روٹیاں لگا دوں گی۔ اور میں نے آج آلو گوشت پکایا ہے۔ صفدر قصبہ سے بکرے کا گوشت لایا تھا۔ بڑا ہی سوادی بنا تھا۔ میں نے تیرے راجے کے لیے پلیٹ میں ڈال کر رکھ دیا تھا وہ بھی بھیج دوں گی اور اب زیادہ مت سوچنا۔ ہونا تو وہی ہے نا جو اللہ کو منظور ہوا۔"

وہ اسے تسلی دیتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کچھ یاد کر کے مڑی۔

"ہاں وہ جو آپا جی صدیقہ ہیں نا انہوں نے گھر میں لڑکیوں کے لیے اسکول کھولا ہے۔ ابھی سے دس بارہ لڑکیاں ہوگئی ہیں۔ میں بھی کل اپنی منی کو چھوڑ آئی تھی ادھر۔ میں نے تیرے لیے بھی بات کی تھی ان سے کہ تجھے بھی استانی رکھ لیں۔ پورے گاؤں میں بس آپا صدیقہ، باجی سعادت اور تم ہی پڑھی لکھی ہو اتنی۔"

گاؤں میں لڑکیوں کا الگ سے کوئی اسکول نہیں تھا۔ جو دو تین لڑکیاں پڑھنے کی شوقین ہوتیں، وہ لڑکوں کے اسکول میں ہی جاتی تھیں۔

"تمہارا دل بھی لگ جائے گا۔ شروع میں تو آپا صدیقہ کہہ رہی تھیں تنخواہ نہیں دیں گی۔ لڑکیوں کی فیس کے پیسوں سے اسکول کے لیے سامان خریدیں گی۔ بلیک بورڈ اور ڈیسک وغیرہ۔ بعد میں جب لڑکیاں زیادہ ہو جائیں گی تو تنخواہ بھی ملے گی۔ چار پیسے ہاتھ آجائیں گے تو تیرے کام ہی آئیں گے۔ تم آپا صدیقہ کو جانتی ہو نا۔ ماسی جنتاں کے پاس آتی رہتی تھیں۔ کل لے جاؤں گی تمہیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

ماسی جنتاں کے بعد جب حامد اسکول چلا جاتا تھا تو وہ بور ہی ہوتی تھی۔ ماسی جنتاں کی تھوڑی بہت زرعی زمین تھی جس سے سال بھر کا اناج مل جاتا تھا۔ جو فالتو ہوتا وہ ماسی جنتاں اپنی زندگی میں بھی فروخت کر دیتی تھیں۔ اور ان کے بعد بھی وہ لوگ جنہیں ماسی نے اپنی زمین دے رکھی تھی اس کے حصے کی گندم اور پیسے وغیرہ دے جاتے تھے۔ ایمان دار اور اچھے لوگ تھے۔ جو فصل بھی اگاتے اس کا حصہ اسے مل جاتا تھا۔ ابا کی بچت اور ان کا ملنے والا پیسہ بھی تھا جو اسی طرح پڑا تھا۔ ماسی جنتاں نے کبھی اسے ایک پیسہ تک خرچ نہیں کرنے دیا تھا۔

"سنبھال کر رکھ۔ تیرے بچے کی تعلیم کے کام آئے گا۔"

اس دنیا میں ماسی جنتاں جیسے اچھے لوگ بھی تھے اور ماسی نور بھری جیسے بھی۔ کتنی کوشش کی تھی ماسی بھری نے کہ وہ اپنا زیور وغیرہ ساتھ نہ لے کر جائے۔ بار بار سمجھاتی تھی۔

"سن زیب النساء کوئی پیسہ دھیلا اور گہنا شہنا۔ (زیور وغیرہ) ہے تو اسے ساتھ لے کر نہ جانا ادھر ہی رکھ جانا۔ راستے میں سو مسئلے ہو جاتے ہیں۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور پھر کون سا تو نے ساری عمر ادھر رہنا ہے۔ اللہ کرے گا تین چار ماہ تک اپنے ملک صاحب آجائیں گے تو ان سب کو تیر کی طرح سیدھا کردیں گے۔ ساری بدمعاشی ختم ہو جائے گی۔" اور وہ ہر بار کہتی۔ "ٹھیک ہے ماسی ادھر ہی سب پڑا ہے میں تو بس ضرورت کا کچھ اپنا اور کچھ حامد کا سامان لے کر جاؤں گی کہ پھر واپس اپنے گھر ہی آنا ہے۔"

یہ تو محض اتفاق ہی تھا کہ اس نے اپنے اس اٹیچی کیس میں جس میں اس کی بری کے کپڑے آئے تھے، اپنی ضرورت کی چیزیں اور کپڑے رکھتے ہوئے

www.alfaatab.com

الماری میں سے ابا کا وہ چھوٹا سا سفری بیگ بھی رکھ لیا تھا، جس میں ابا کے ضروری کاغذات اور ان کے استعمال کی دوسری چیزیں ہوتی تھیں۔ ابا کا نکاح نامہ ان کی تعلیمی اسناد، اس کی اپنی تعلیمی اسناد اور نکاح نامہ وغیرہ سب اس میں ہی تھے۔ زیور کے ڈبے تو ہمیشہ ابا کی الماری میں ہی رہتے تھے اور اب بھی وہاں ہی تھے۔ ابا کے جو واجبات ملے تھے وہ اس کے پاس ہی تھے۔ چھوٹے بچے کا ساتھ تھا کیا خبر کب کیا ضرورت پڑ جائے۔ اس نے بیگ کی زپ کھولی تھی ابا کا سیاہ و سفید خانوں والا بڑا سا رومال اوپر ہی تہہ کیا ہوا پڑا تھا جو دادا کو ان کے کسی دوست نے حج سے آ کر دیا تھا اور ابا گرمیوں میں سر پر لپیٹ لیتے تھے دھوپ سے بچنے کے لیے۔

ابا کے کچھ کاغذات وغیرہ ان کی پرانی گھڑی، قلم، ایک کاپی دادا کی جناح کیپ شاپر میں تہہ کی ہوئی پڑی تھی اس نے اپنا ایگل کا پن۔ ایک دو کتابیں، ابا کی نئی گھڑی جو موت کے بعد ان کی کلائی سے اتار کر کسی نے اسے دی تھی ان کے سادا سے کف لنکس۔ حامد کے ایک دو ریڑ کے کھلونے بھی اس میں رکھ لیے تھے۔ ماسی نور بھری کی حریص نظریں تو بار بار اٹیچی کیس کی طرف بھی اٹھتی تھیں۔

"لو بھلا اتنا بڑا سا بکسا ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آدھا تو خالی پڑا ہے۔ خوامخواہ کا بھار (بوجھ) اٹھا کر لے جا رہی ہو۔ یہ چھوٹا والا لے جاؤ ساتھ۔"

وہ جست کے بکس کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ لیکن اس نے ماسی نور بھری کی بات پر کان نہیں دھرا تھا۔ اور سوچ سوچ کر وہ چیزیں اس میں رکھتی رہی تھی جن کا اس کے خیال میں اگلے چند ماہ میں ضرورت ہو سکتی تھی۔

اب یہ تو اسے پتا ہی نہیں تھا کہ ابا نے کب زیور ڈبوں سے نکال کر ایک رومال میں باندھ کر اس بیگ میں رکھ دیا تھا۔

اس روز وہ اس بیگ کی ایک ایک چیز نکال کر دیکھ رہی تھی جب اس نے رومال اٹھایا تو نیچے زیورات کی پوٹلی اور ایک رومال میں بندھے بیس ہزار روپے تھے۔ شاید ان کی بچت وہ ابا کے رومال کو کتنی دیر تک چہرے پر رکھے ان کی خوشبو کو محسوس کرتی رہی تھی۔ اور پھر اسی طرح سب چیزیں بیگ میں رکھ کر اٹیچی کیس میں رکھ دی تھیں۔ یوں یہ زیور ماسی نور بھری کی دسترس میں جانے سے بچ گیا تھا۔

"یہ کس سوچ میں پڑ گئی ہے اٹھ آ کر دروازے کی کنڈی لگا لے۔ حامد تو اب مغرب پڑھ کر ہی آئے گا۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ زیتون صحن کے دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑی اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹھی اور ہولے ہولے چلتی ہوئی صحن کے دروازے تک آئی۔

"سن حامد سے کہنا نماز پڑھ کر سیدھا گھر آئے۔ اس وقت اکیلے دل بہت گھبراتا ہے۔"

"اچھا!" زیتون سر ہلاتی ہوئی صحن کا دروازہ کھول کر چلی گئی۔ تو وہ کنڈی لگا کر واپس تخت پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تو میرے شاہ..... میرے دل کے مکین اب تو لوٹ آؤ کہ تھکنے لگی ہوں۔ پتا نہیں کیوں میرا دل نہیں مانتا کہ تم نے بے وفائی کی اور صرف وقت گزارا، وہ تمہاری وارفتگی۔ وہ والہانہ انداز۔ وہ لفظ جو تمہارے لبوں سے ادا ہوتے تھے۔ وہ سارے لفظ میرے دل کی کتاب پر کبھی نہ مٹنے کے لیے کھدے ہوئے ہیں۔ گو وہ بہت تھوڑے ہیں میرے شہزادے۔ پر میں ان لفظوں کے سہارے پوری زندگی گزار دوں گی۔ بس ایک بار صرف ایک بار آ کر کہہ دو کہ تم نے بے وفائی نہیں کی۔"

وہ دل ہی دل میں لفظ ترتیب دے رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر بعد یہ لفظ کاغذ پر منتقل ہو جانے تھے۔ وہ جب سے ماسی جناں کے گھر آئی تھی اسے خط لکھنے لگی تھی۔ خط جو کبھی سپرد ڈاک نہیں کیے گئے تھے نہ کبھی آئندہ ایسا ہونا تھا۔ پھر بھی جب وہ

اس کی یاد سے مغلوب ہو جاتی تو اسے خط لکھتی تھی۔

"پتا نہیں تمہاری نظروں سے میری کوئی تحریر گزرے گی بھی یا نہیں اگر گزرے تو پتا نہیں تم کیا سوچو گے۔ شاید کہیں دکھ ہو، شاید تم پچھتاؤ۔"

اس نے پاس پڑے حامد کے بستے سے رجسٹر نکالا اور اس میں سے ایک ورق نکالا۔ لیکن حامد نے تو ابھی کچھ دن پہلے ہی ہولڈر سے لکھنا شروع کیا تھا۔ وہ سیاہی کی دوات میں ہولڈر کی نب ڈبو کر لکھتا تھا اس کے پاس اردو کی کاپی پر خوش خط لکھنے کے لیے زیڈ کی نب تھی اور باقی کاپیوں کے لیے وہ آئی کی نب استعمال کرتا تھا لیکن وہ ان دونوں نبوں سے نہیں لکھ سکتی تھی۔

وہ اٹھی اور کمرے میں آ کر الماری سے اپنا ایگل کا قلم نکالا اور باہر آ گئی کہ کمرے میں اندھیرا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہوئے رجسٹر گود میں رکھ کر اس نے دیوار سے ٹیک لگالی اور رجسٹر میں سے نکالا ہوا ورق بند رجسٹر پر رکھا۔

"میرے شہزادے، میرے شاہ دل اس وقت جی چاہ رہا ہے۔ دھاڑیں مار مار کر روؤں۔ جب کوئی کہتا ہے تم بے وفا تھے، کھلاڑی تھے۔ میرے دل سے کھلواڑ کر کے چلے گئے تو میرا دل کئی ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے اور اس سے خون رسنے لگتا ہے۔ تم کہیں سے آ جاؤ میرے شاہ اور میرے یقین پر مہر لگا دو کہ تم ایسے نہیں ہو۔ ایسے نہیں تھے میرے بادشاہ میرے ہمدم۔ پتا نہیں تم کہاں ہو۔ ہو بھی یا نہیں۔ میں نہیں جانتی تم میرے یہ خط کبھی پڑھو گے بھی یا نہیں لیکن پھر بھی میں لکھتی رہتی ہوں اپنے ہر پل کا احوال کہ تمہارے بعد تمہاری رانی پر کیا گزری۔ کیسے اس نے تمہارا انتظار کیا۔ اذیت کے کیسے کیسے بھالے اس کی رگوں میں اتارے گئے شاید تم کبھی لوٹ کر آؤ اور وہ سب جان سکو جو مجھ پر گزرا۔ ابا تھے تو حوصلہ بڑھاتے تھے امید دلاتے تھے۔ میری طرف آنے والے تیروں کو اپنے کمزور سینے پر لیتے تھے۔

پتا ہے میرے ہم سفر ابا کے بعد زندگی بہت مشکل ہو گئی تھی۔ ماسی نور بھری کہتی تھی لوگ ایسی لڑکیوں کو جن کا آگے پیچھے کوئی نہ ہو۔ مفت کا مال سمجھ لیتے ہیں۔ وہ کہتی تھی اس نے خود سنا زمینداروں کے لفنگے لڑکوں کو کہتے کہ نکاح کا ڈرامہ رچا کر ایک شہری لڑکے کا دل بہلایا تو ہمارا حق زیادہ بنتا ہے۔ ابا تھے تو کسی کو جرات نہ تھی ایسی بات کرنے کی اور تم نے تو پلٹ کر خبر بھی نہ لی کہ وہ جس کو ایک مقدس بندھن میں باندھ کر چلے گئے ہو۔ وہ کس حال میں ہے۔ اور تنہا بھی نہیں تمہاری نشانی ایک ننھی سی جان بھی ہے اس کے ساتھ۔ میں تمہیں کہاں سے ڈھونڈوں میرے ہم سفر۔ شاید تم ساری قسمیں سارے وعدے بھول گئے ہو۔ تم نے تو زیست کے آخری لمحے تک ساتھ نبھانے کی قسمیں کھائی تھیں۔ تمہیں اتنا تو یاد ہو گا نا شہزادے کہ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کسی کو شریک زندگی کیا تھا۔ میرے شریک حیات میں وہ گھر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی جہاں تم مجھے بیاہنے آئے تھے۔ سب کہتے تھے گاؤں میں ایسا دولہا ایسی بارات کبھی نہیں آئی تھی۔ شاید مجھے نظر ہی لگ گئی کسی کی تو میں کہہ رہی تھی کہ مجھے تو وہاں ہی رہنا تھا۔

اسی گھر میں کہ شاید تم اچانک کسی روز آ جاؤ۔ اس سب کو غلط ثابت کر دو جو لوگ کہتے تھے۔ بے چاری زیب النساء اتنی کم عمری میں بیوہ ہو گئی۔ میں تو ایسے ہی جھوٹے خوابوں کے ساتھ آخری سانس تک اپنے ابا کے گھر کی دہلیز پر بیٹھی تمہارا انتظار کرتی رہتی۔ لیکن ماسی بھری کہتی تھی۔

یہ گھر تمہارے جانے کے بعد بھاگ تھوڑا ہی جائے گا۔ میں دیکھ بھال کرتی رہوں گی بس جب حالات ٹھیک ہوں گے آ جانا اور اگر تمہارے راجے کا باپ جیسا کہ تیرا دل کہتا ہے کہ وہ زندہ ہے آ گیا تو پھر بھلا کس کی مجال ہو گی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ حالانکہ پہلے جب میں کہتی تھی۔ دیکھنا ماسی بھری ایک روز وہ آ جائے گا مجھے لینے۔ مجھے یقین ہے وہ زندہ ہے تو وہ منہ نیچے کر کے مسکراتی تھی اور میری طرف ایسے دیکھتی جیسے میں پاگل یا جھلی ہوں

www.alfatehab.com

لیکن اب وہ خود ہی مجھے تمہارے جینے کی امید تھما رہی تھی اور میں دل ہی دل میں ہنستی تھی کہ وہ اگر آ گیا تو پھر بھلا وہ مجھے یہاں رہنے ہی کیوں دے گا اپنے ساتھ ہی لے جائے گا۔ تم بھی کہو گے راجہ کون۔ راجہ ہمارا بیٹا ہمارا شہزادہ۔ ابا نے تو اس کا نام حامد رکھا تھا پر میں نے تو اس کے کئی نام رکھ چھوڑے تھے۔ کبھی راجہ کہتی ہوں۔ یاد ہے نا میں نے جب تمہیں شہزادہ سلیم کہا تھا تو تم کتنا ہنسے تھے۔ پتا نہیں ایک ہی بات کتنی کتنی بار لکھ جاتی ہوں۔ شاید میں نے تمہیں پہلے کسی خط میں لکھا تھا کہ ماسی نور بھری نے مجھے ماسی جناں کے پاس بھجوا دیا تھا۔

تین بسیں بدل کر ہم یہاں پہنچے تھے۔ میری دادی کا یہ میکہ گاؤں ہمارے گاؤں سے بہت دور تھا۔ میں اکیلی تو کبھی بھی نہ آ سکتی۔ یہاں آ کر مجھے لگتا تھا میں محفوظ ہو گئی ہوں۔ اب راتوں کو خوف سے جاگتی نہیں رہتی تھی۔ نہ ہی گہری نیند میں ڈر کر اٹھ کے بیٹھ جاتی تھی۔ ماسی جناں بہت خیال رکھتی تھی میرا اور ہمارے شہزادے کے تو بہت لاڈ اٹھاتی تھی۔ نہلاتی دھلاتی۔ آنکھوں میں کاجل لگاتی اور گود میں اٹھائے پھرتی۔

وہ جو ابا کے بعد بہت چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ماسی جناں کا پیار پا کر پہلے جیسا ہو گیا تھا ہر وقت نانو نانو کرتا اس کے پیچھے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ یہ ہم سے پیار کرنے والے اتنی جلدی جدا کیوں ہو جاتے ہیں شہزادے۔"

لکھتے لکھتے وہ جیسے تھک سی گئی تھی۔

"اچھا میرے شاہ دل اب بس کرتی ہوں۔ تم بھی کہو گے کیسی بے ربط باتیں کرتی ہے یہ زیب النساء بھی۔ پر کیا کروں پرانی اور ابھی کی باتیں سب گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ مجھے تو تمہیں یہ بتانا تھا کہ آج ہمارے شہزادے نے تیسری جماعت کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ بہت لائق ہے تمہاری طرح ہی اور پتا ہے اس کی آنکھیں، اس کی ناک اور پیشانی بالکل تمہارے جیسی ہے۔

اور کیا لکھوں میرے ہم سفر۔ اب تو تمہارے آنے کی امید بھی مرتی جا رہی ہے۔ لیکن میں اس امید کو مرنے نہیں دینا چاہتی۔ فاطمہ آپا کا لکھا وہ جملہ میری امید کے بجھتے ہوئے دیئے میں تیل کا کام دیتا ہے۔ انہوں نے لکھا تھا۔ میرا دل کہتا ہے، وہ وہی تھا۔ میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا زیب۔

اور جب میں فاطمہ آپا کے اس خط کے متعلق سوچتی ہوں تو امید کے دیئے کی بجھتی لو پھر سے بھڑک اٹھتی ہے۔ اور اس لو کو بجھنے نہیں دینا میں نے اب اپنے لیے نہیں اپنے شہزادے کے لیے میں چاہتی ہوں یہ امید زندہ رہے اور ایک دن تم لوٹ آؤ۔ پہلے میں اپنے لیے روتی تھی اپنے لیے تمہارے لوٹ آنے کی دعا کرتی تھی لیکن اب اپنے شہزادے کے لیے دعا کرتی ہوں کہ بس ایک بار تم آ جاؤ میرے ہم دم تو تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں کہ میرے بعد میرا شہزادہ رل جائے گا میرے بادشاہ میرے اجنبی۔ تمہیں کیا کہوں کہ میرے اندر سے زندگی ہولے ہولے مرتی جا رہی ہے۔ تو میرے اجنبی آ جاؤ میرے لیے نہیں اپنے شہزادے کے لیے تم بھی کیا کہو گے کہ یہ آج زیب النساء نے تمہارے لیے نیا خطاب ڈھونڈ لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ تم تو کبھی ایک دن بھی مجھے اجنبی نہیں لگے تم تو روز اول سے ہی اپنے اپنے لگے تھے جیسے برسوں کا ناتا ہو۔ یہ تو بس یوں ہی یہ لفظ زبان پر آ گیا۔ دراصل کل راجہ دال لے کر آیا تو دال ڈبے میں ڈالتے ہوئے میں نے عادتاً اخبار سے بنے ہوئے لفافے کو کھولا اور پڑھنے لگی وہاں ایک نظم لکھی تھی۔ مجھے میرے حسب حال لگی ایک دو مصرعے ذہن میں رہ گئے اب تو دماغ بھی کام نہیں کرتا پہلے تو اقبال اور فیض کی نہ جانے کتنی ہی نظمیں غزلیں زبانی یاد تھیں۔ لیکن اب تو بس یہ دو تین ہی لائنیں ذہن میں رہ گئی ہیں۔

اے میرے اجنبی
ہجر راتوں کے دکھ اوڑھ کر
میں غنی ہو گئی ہوں

اور اب میری خواہش کے کاسے میں
ایک پل کی طلب بھی نہیں ہے

(نگہت سیما)

تو بس اے میرے اجنبی ہمسفر میں بھی ہجر راتوں کے دکھ اوڑھ کر غنی ہو گئی ہوں۔ لیکن صرف اپنے لیے۔ اپنے شہزادے کے لیے نہیں۔ اپنے لیے میں نے تمہیں معاف کیا اپنے شہزادے کے لیے کیسے غنی ہو جاؤں۔ کیسے تمہارے آنے کی دعا نہ کروں کہ اب وہ بڑا ہو گیا ہے اس کی آنکھیں تمہارے متعلق سوال کرتی ہیں۔ تو لوٹ آؤ میرے ہمدم۔ اپنے شہزادے بیٹے کے لیے۔ تمہاری رانی تمہاری زیب النساء۔"

اس نے قلم بند کیا۔ کاغذ تہہ کر کے اٹھی۔ ہولے ہولے چلتی ہوئی کمرے میں آئی۔ کھلے دروازے سے برآمدے میں لٹکے لالٹین کی مدھم روشنی نے کمرے کے اندھیرے کو کم کر دیا تھا۔ لکڑی کی دیوار گیر الماری کھولی کپڑے کا ایک تھیلا نکالا جس میں ایک بھورا لفافہ تھا، جس میں اس کی اسناد اور نکاح نامے کی کاپی تھی اور موم جامے میں لپٹے رجسٹر اور کاپی سے نکالے گئے تہہ کیے ہوئے کچھ کاغذ تھے، اس نے یہ تہہ کیا ہوا کاغذ بھی ان اوراق کے ساتھ رکھ کر تھیلا الماری میں رکھا۔ تالا لگایا اور چابی اپنی چارپائی پر گدے کے نیچے رکھی۔ طاق میں پڑی لالٹین اٹھائی اور باہر آ کر تخت پر بیٹھ گئی تا کہ اسے جلا کر کمرے میں رکھ دے۔ لیکن پھر سوچا پہلے اس کا شیشہ صاف کر دے۔ تھوڑا میلا ہو رہا تھا تب ہی دروازے پر دستک ہوئی اس نے اٹھ کر کنڈی کھولی۔ حامد تھا اور اس کے ساتھ ہی فضل بھی جو اسے دروازے تک چھوڑ کر وہاں سے ہی واپس پلٹ گیا تھا۔ اس نے حامد کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی دیر لگا دی میرا دل گھبرا رہا تھا۔"

"مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔ قاری صاحب کہتے ہیں کہ جماعت کی نماز افضل ہے پھر فضل کے ساتھ ہی اس کے گھر گیا خالہ نے کہا تھا۔ ادھر سے ہو کر گھر جانا۔ پھر خود ہی کہہ دیا تمہاری اماں کا دل گھبرائے گا۔ تم چلے جاؤ۔ فضل کے ساتھ روٹی بھجوا دوں گی۔"

"مغرب کی نماز!" وہ چونکی یہ کیا ہوا تھا اس نے نماز قضا کر دی تھی۔ کیسے بے وقت خط لکھنے بیٹھ گئی تھی کہ پھر ہوش ہی نہ رہا۔ ایسا ہی تو ہوتا تھا خط لکھنے بیٹھتی تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھی۔

وہ افسردہ سی تخت پر آ کر بیٹھ گئی اور تخت پر پڑا رجسٹر اٹھا کر حامد کے بستر میں رکھا اور حامد کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ اور خاموش سا لگ رہا تھا لالٹین کی مدھم روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"ادھر بیٹھ جاؤ حامد۔ کھڑے کیوں ہو۔" وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ زیب النساء نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چوما۔

"کیا بات ہے میرے شہزادے اتنے، چپ چپ کیوں ہو۔ آج تو تم اپنی جماعت میں فرسٹ آئے ہو۔ ماسٹر صاحب نے تمہاری تعریف کی ہے۔ پھر بھی خوش نہیں نظر آ رہے۔ فضل کو دیکھا۔ کتنا خوش ہے۔"

"اماں! ایک بات پوچھوں؟" اس نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر دیا تھا۔

"میرے ابا کی قبر کہاں ہے۔ ہم ان کی قبر پر کیوں نہیں جاتے وہ صابر ہے نا۔ ظفری کی پھوپھی کا بیٹا روز اپنے چاچا کے ساتھ اپنے ابا کی قبر پر جاتا ہے۔"

"نہ..... نہ ایسا نہ کہہ شہزادے۔ اللہ تیرے ابا کو لمبی حیاتی دے۔ میری عمر بھی اسے لگ جائے۔" وہ پوری جان سے لرز گئی تھی۔ حامد نے شاید خود ہی فرض کر لیا تھا کہ اس کے ابا نہیں ہیں تو وہ فوت ہو چکے ہوں گے۔

"وہ زندہ ہیں تو پھر ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے۔" آج حامد کے پاس بہت سے سوال تھے کرنے کو۔

"وہ کہیں کھو گئے ہیں شہزادے، میری جان۔"

www.attaqdao.com

"کیا جو کھو جاتے ہیں وہ کبھی نہیں ملتے اماں۔"

"کبھی کبھی نہیں ملتے اور کبھی مل جاتے ہیں۔ تم دعا کیا کرو نا کہ وہ مل جائیں۔"

"اچھا میں دعا کروں گا اماں۔ اللہ میری دعا سنے گا۔" اس کی آنکھیں پر امید ہوئی تھیں۔

"کیوں نہیں میری جان!" زیب النساء نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"اللہ اپنے بندوں کی دعا ضرور سنتا ہے۔"

"اللہ نے آپ کی دعا کیوں نہیں سنی اماں۔ کیا آپ نے ابا کے ملنے کی دعا نہیں کی تھی۔"

"کی تھی۔ بہت دعائیں کیں لیکن شاید میری دعا میں اثر نہیں تھا۔ اب تم کرو گے دعا تو دیکھنا اللہ تمہاری دعا ضرور سنے گا۔"

"اچھا میں روز دعا کروں گا۔ ہر نماز کے بعد۔" اس کے چہرے پر بکھری جامد چپ ٹوٹ گئی تھی۔ اور آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی تھی۔

"اماں، وہ کہاں گم ہوئے تھے۔ کیا ہم انہیں وہاں ڈھونڈنے نہیں جا سکتے۔"

"وہ لاہور میں گم ہوئے تھے میری جان اور وہ اتنا بڑا شہر ہے کہ ہم تو خود وہاں گم ہو جائیں گے۔"

"ہاں ہم نے اپنی کتاب میں پڑھا ہے لاہور کے متعلق وہاں علامہ اقبال کا مزار ہے نا اور شاہی مسجد بھی۔" وہ ذرا سا پر جوش ہوا تھا۔

"ہاں۔"

"اماں! ابا وہاں کیسے گم ہو گئے تھے۔ وہ کوئی چھوٹے بچے تو نہیں تھے نا۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے پھر پوچھا تھا۔

"ہاں چھوٹے بچے تو نہیں تھے پر گم ہو گئے وہ۔" زیب النساء اب اس کے سوالوں سے پریشان ہو رہی تھی۔ "ابا گم ہو گئے تھے آپ کو ان کا پتا نہیں تھا لیکن ان کو تو نانا کا گھر پتا تھا نا..... وہ خود وہاں کیوں نہیں آ گئے۔" تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"فضل ہو گا۔ روٹی اور سالن لایا ہو گا۔"

زیب النساء نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ وہ اس کے سوال کا جواب دینے سے بچ گئی ہے۔ حامد اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا فضل ہی تھا۔ تندور کی روٹیاں اور آلو گوشت کا سالن لایا تھا۔

"پہلے جلدی سے کھانا کھا لو، باقی باتیں پھر۔" زیب النساء نے چنگیر میں روٹیاں رکھیں۔ اور حامد کچھ پوچھتے پوچھتے رہ گیا۔

حامد ہاتھ دھونے چلا گیا تو زیب النساء سوچنے لگی کہ کیا وہ اس کے سوالوں کا جواب دے سکے گی اور کیا وہ اسے مطمئن کر سکے گی۔ لیکن اس کے پاس خود اس سوال کا جواب نہ تھا۔

☆☆☆

"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

وجدان احمد نے گاڑی ذکی دروازے کی طرف لے جانے کے بجائے کیفے ذوق والی سڑک پر ڈالی تو سمیرا چونکی۔ "ہمیں تو آزین کے گھر جانا تھا۔ وہاں پر آج....."

"ہاں!" وجدان احمد نے اس کی بات کاٹی۔

"ہمیں ادھر ہی جانا ہے لیکن پہلے مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"لیکن ہم تو پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں۔ ثوبیہ اور مرسل تو کب کے گھر سے نکل چکے ہیں۔ میری گاڑی ورکشاپ میں تھی اس لیے میں نے ثوبیہ سے کہا کہ وہ مرسل کے ساتھ چلی جائے۔ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

جب بھی آزین کے ہاں جانا ہوتا تو وہ ثوبیہ کو پک کر کے ساتھ لے جاتی تھی۔

"کیا ہم راستے میں بات نہیں کر سکتے تھے۔"

"نہیں میں کہیں سکون سے بیٹھ کر بات کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہاں کون سی سرکاری میٹنگ چل رہی ہے کہ دیر سویر سے فرق پڑے گا۔" وجدان احمد بے حد سنجیدہ سا تھا۔

"اگر شادی کی بات کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ جب تک میری بہن (حمیرا) کی شادی کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا میں گھر میں اپنی

شادی کی بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے اپنی بڑی بہن حمیرا کی بات کی۔

"جانتا ہوں۔" وہ اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ اور بات کرنی ہے۔"

"کچھ اور بات کیا؟" وہ سمیرا کو آج سے پہلے اتنا سنجیدہ کبھی نہیں لگا تھا۔ "کیا ابھی کرنا بہت ضروری ہے۔"

"ہاں!" وجدان احمد نے اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"وہ لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ بے حد بے چین اور مضطرب سی ہو گئی تھی۔

"وہاں کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا سب اپنا اپنا حصہ کار خیر میں ڈال کر ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو بعد میں آئے وہ بعد میں ڈال دیتا ہے۔"

وجدان احمد نے گاڑی کیفے کی پارکنگ میں کھڑی کی۔ اور اسے اترنے کا اشارہ کیا۔

"لیکن میرا اس وقت کافی پینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پھر بی بی اماں کے ہاتھ کی چائے اور پکوڑوں کے سامنے بھلا اس کیفے کی کافی اور پیسٹریاں کیا ہیں۔ میں نے بی بی اماں سے فرمائش کی تھی کہ وہ اگلی بار اپنے آلوؤں والے پکوڑے ضرور بنائیں۔ ایسے مزے دار پکوڑے میں نے کبھی نہیں کھائے۔"

یہ کیفے اپنی کافی اور انواع و اقسام کی پیسٹریوں کے لیے بہت مشہور تھا۔

"او کے تم مت پینا کافی!"

وجدان احمد نے ایک نظر اسے دیکھا اور کیفے کے دروازے کو کھولتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اندر کافی اور چاکلیٹ کی مہک تھی۔ ابھی زیادہ رش نہیں تھا۔ ایک کونے والی میز کی طرف اشارہ کر کے اسے وہاں بیٹھنے کے لیے کہہ کر خود کاؤنٹر کی طرف بڑھا کہ یہاں اپنا آرڈر خود کاؤنٹر پر جا کر دینا پڑتا تھا۔ ایک کافی اور ایک چاکلیٹ پیسٹری کا آرڈر دے کر وہ اپنی ٹیبل پر آیا تو وہ کچھ الجھی الجھی سی بیٹھی تھی۔

"اب بتا بھی دو وجو!" اس کے بیٹھتے ہی سمیرا نے بے چینی سے کہا۔

وجدان کچھ دیر خاموشی سے اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا جیسے اسے جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"کیا کوئی لڑکی پسند کر لی ہے تمہاری اماں نے یا تم کسی سے محبت کر بیٹھے ہو اگر ایسی بات ہے تو کچھ بتانے سے پہلے سن لو کہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ میں کیا کروں گی پہلے تو اس لڑکی کو گولی ماروں گی۔ پھر خود کو مار لوں گی۔" سمیرا کے مزاج میں ٹھہراؤ اور صبر تو بالکل بھی نہیں تھا۔

تب ہی ویٹر نے جھاگ اڑاتی کافی کا کپ اور ایک طشتری میں ایک چاکلیٹ پیسٹری لا کر رکھی۔ طشتری میں ہی ایک چھوٹی سی نفیس سی چھری اور کانٹا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر وجدان احمد نے سمیرا کی طرف دیکھا۔

"تمہاری فیورٹ پیسٹری۔"

"مارے حسد کے میرا ہارٹ فیل ہونے والا ہے۔" سمیرا نے ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر کانٹے میں پھنسایا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں سمیرا، کہ یہ سب کیا ہے۔ اور تم کیا کر رہی ہو۔"

"کیا مطلب کیا کر رہی ہوں میں؟" منہ کی طرف جاتا اس کا ہاتھ رک گیا۔

"کیا تم نہیں جانتیں کہ تم کیا کر رہی ہو؟" وجدان نے کپ اٹھایا۔

"نہیں تم وضاحت کرو، تمہارا اشارہ کس طرف ہے کیونکہ میں بیک وقت کئی محاذوں پر کام کر رہی ہوں۔" اس نے پیسٹری کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

"تم آزین اور زل کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہو۔ لیکن کیوں ایسا کر رہی ہو میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔" اس نے ایک گھونٹ بھرا لیکن نگاہیں سمیرا کے چہرے پر تھیں۔

www.alifadat.com

"اگر میں نہ بتانا چاہوں تو؟" سمیرا کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"تو ٹھیک ہے اگر تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے تو میں اب تمہارے اس کھیل کا حصہ نہیں بنوں گا۔" وجدان احمد کا انداز حتمی تھا۔

"تم نے کہا تھا تم میرا ساتھ دو گے اور مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے۔" اس نے کانٹے میں ایک اور ٹکڑا پھنسایا۔

"ہاں میں نے کہا تھا لیکن تم نے کہا تھا کہ یہ ایک چھوٹا سا ایڈونچر ہے۔ جس میں مجھے ایک معمولی سا کردار ادا کرنا ہے۔ لیکن سمیرا شاہ یہ ایک ایڈونچر یا Prank (مذاق) نہیں ہے۔ میں نے کہا تھا کہ میں ہر جگہ تمہارے ساتھ کھڑا ہوں لیکن تم یہ کیوں کر رہی ہو یہ جاننا میرا حق ہے۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں کہ میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ مجھے آج تم سے پوچھنا ہے جاننا ہے کہ تم یہ سب کیوں کر رہی ہو یہ تو واضح ہے کہ تم زل اور آزین کے رشتے کو خراب کرنا چاہتی ہو۔ لیکن کیوں؟ شروع میں مجھے لگا تھا کہ تم کوئی پرینک کر رہی ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ تم بہت سوچ سمجھ کر اپنا کھیل کھیل رہی ہو اور مجھے مہرے کے طور پر استعمال کر رہی ہو۔"

وہ وجدان احمد تھا جس کی نظر گہری اور مشاہدہ بہت اچھا تھا، سمیرا اسے بہت دیر تک بے وقوف نہیں بنا سکتی تھی۔

"اوکے، میں تسلیم کرتی ہوں میں بہت سوچ سمجھ کر یہ کھیل کھیل رہی ہوں لیکن کیوں اس کا جواب تمہیں جلد ہی دے دوں گی لیکن آج نہیں۔"

اس نے منہ کی طرف لے جاتا کانٹا واپس طشتری میں رکھ دیا۔

"اوکے تو پھر میں بھی تمہارے اس کھیل میں شامل نہیں ہوں گا۔"

وہ سمیرا سے محبت کرتا تھا لیکن وہ ایک کھرا اور سچا انسان تھا کسی کو دھوکا دینا اور کسی پر ظلم و زیادتی کرنا اس کا مسلک نہیں تھا۔

"میں کچھ غلط نہیں کر رہی۔ پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو وجو۔" سمیرا کی ملتجی نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"تم صحیح بھی نہیں کر رہی ہو سمیرا۔ تم نے دو سادا اور مخلص محبت کرنے والوں کے درمیان غلط فہمی کا پہاڑ کھڑا کر دیا ہے۔ اور کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ آزین کا نکاح زل سے ہو چکا ہے۔"

وہ گھونٹ گھونٹ کافی پیتا ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور پھر بھی تم۔" وجدان احمد کی آنکھوں میں تاسف تھا۔

"کیا تم نہیں جانتیں سمیرا، کہ دو محبت کرنے والے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ یہ شیطان کا کام ہے۔"

"وہ میاں بیوی نہیں ہیں۔" سمیرا نے بودا سا جواز پیش کیا۔

"ان کا نکاح ہو چکا ہے۔ بے شک رخصتی نہیں ہوئی لیکن رشتہ میاں بیوی کا ہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاری ان کے ساتھ کیا دشمنی ہے۔ تم تو انہیں جانتی بھی نہیں تھیں سمیرا! پہلی بار ثوبیہ کے ساتھ تم ان کے ہاں گئی تھیں اور اسے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اتنے کم عرصہ میں آخر ایسا کیا ہوا ہے کہ تم انہیں جدا کرنا چاہتی ہو۔ اگر کسی نے تمہیں ہرٹ کیا ہے تو پلیز انہیں معاف کر دو۔ کچھ ایسا مت کرو جس پر بعد میں پچھتاؤ۔ اگر یہ مذاق ہے کوئی تو اسے یہاں ہی ختم کر دو۔"

وجدان احمد کو گمان گزرا کہ شاید اپنی کسی بات سے زل یا آزین نے اس کی انا کو ہرٹ کیا ہو اور سمیرا اس کا بدلہ لے رہی ہو۔ وہ ایسی ہی تھی کسی معمولی بات پر ہائپر ہو جاتا۔ کسی نے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچائی ہو تو اسے معاف نہ کرنا جب تک بدلہ نہ لے لیتا۔ لیکن اس نے اس سے اس کی خامیوں کمزوریوں سمیت محبت کی تھی۔ تاہم وہ اسے سمجھاتا رہتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرے درگزر کرنا اور معاف

کرنا سیکھے کہ یہ اللہ کو بھی پسند ہے۔

"اوکے کر دیا معاف۔ ختم کر دیا مذاق۔" سمیرا مسکرائی لیکن اس کی آنکھوں میں کچھ پراسراری چمک تھی۔

"سمو! میں سنجیدہ ہوں۔" وجدان احمد کو لگا جیسے وہ یوں ہی ٹالنے کو کہہ رہی ہے۔

"اور میں بھی تو سنجیدگی سے ہی کہہ رہی ہوں کہ بس اب یہ مذاق ختم۔ آج کے بعد تم سے ایسا کچھ نہیں کہوں گی پرامس۔"

وجدان احمد کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ گہری اندر تک اترتی نظریں سمیرا نے فوراً ہی نگاہیں جھکا لیں کہ کہیں وہ اس کے اندر کا حال نہ جان لے اور جو کچھ اس کے اندر چل رہا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ وجدان احمد کو اس کا ذرا سا بھی اندازہ ہو۔ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ خود سب کچھ اسے بتا دے گی۔ بے شک وہ تب بھی اس سے ناراض اور خفا ہو گا لیکن وہ اسے منا لے گی۔ جانتی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک اس سے ناراض نہیں رہ سکتا۔

ایک گہری سانس لے کر وجدان احمد نے خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور پیسٹری کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تمہاری پسندیدہ ہے۔"

"ہاں، لیکن میں نے کھانا دیر سے کھایا تھا، اس لیے اس وقت کچھ بھی کھانے کا جی نہیں چاہ رہا۔"

وہ اندر سے کچھ پریشان ہو گئی تھی ورنہ ایسی بھی بات نہ تھی کہ وہ ایک چھوٹی سی پیسٹری بھی نہ کھا سکتی اور وہ بھی اپنی پسندیدہ۔

"اوکے تو پھر چلتے ہیں۔"

وہ اٹھا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کیفے کے اصولوں کے مطابق اس نے کاؤنٹر پر ادائیگی کی اور سمیرا کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا کیفے سے باہر آیا۔ اور پھر ذکی دروازے تک ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ سمیرا نے دو تین بار کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"تمہارا موڈ خراب کیوں ہے؟" قریبی مارکیٹ کی پارکنگ میں جب وہ گاڑی پارک کر کے موروں والی حویلی کی طرف جا رہے تھے تو سمیرا نے پوچھا۔

"نہیں تو بھلا کیوں خراب ہو گا؟" اس نے سوالیہ نظریں سمیرا کی طرف اٹھیں۔

"بس ایسے ہی اتنے چپ چپ اور خاموش سے ہو تو..... پھر کیا ناراض ہو۔"

"نہیں۔" اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"میرا یقین کرو وجدان! میں نے کہا ہے نا۔ اب ایسا کچھ نہیں ہو گا تو کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے یقین دلایا۔

"اوکے!" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا لیکن سمیرا کو اس کی مسکراہٹ ہمیشہ جیسی نہیں لگی بلکہ کچھ بجھی بجھی سی تھی۔

"تم جانتے ہو نا وجو۔ میں تمہاری ناراضی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"کہا تو ہے یار! نہیں ہوں ناراض۔ لیکن سمو! میری ایک بات یاد رکھنا۔ ہم نے آج جو بونا ہے وہی کاٹنا ہے کل۔ ایسا نہ ہو کہ آج کا بویا کل ہمیں ہاتھ ملنے اور رونے پر مجبور کر دے۔"

وہ اب موروں والی حویلی کے اونچے گیٹ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ سمیرا کا دل اندر ہی اندر لرزا اور اس نے بے آواز اپنے لیے دعا کی۔ اور دھیان بٹانے کے لیے گیٹ کے اطراف موروں والی ٹانکوں کی طرف اشارہ کیا۔

"میں سوچ رہی ہوں زل سے کہوں گی کہ کسی آرٹسٹ سے کہہ کر ان آدھے ادھورے ٹوٹے پھوٹے موروں کو مکمل کروا دے۔"

وجدان نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور بھاری دروازے کو دھکیلتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ ڈیوڑھی میں شیخو بابا اپنی مخصوص چارپائی پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ احتراماً کھڑے ہو گئے۔

www.alfiradab.com

"ارے ارے بیٹھیں شیخو بابا، اس طرح کھڑے ہو کر شرمندہ نہ کیا کریں۔"

وجدان احمد نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ مدھم سا مسکرائے۔

"کیا پڑھا جا رہا ہے۔" وجدان کا ہاتھ ان کے بازو پر ہی تھا۔

"مغلوں کی تاریخ ہے بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک۔ شاہ بابا نے دی ہے پڑھنے کے لیے۔" انہوں نے کتاب کا سرورق وجدان احمد کو دکھایا۔

"آپ خود بھی تو کوئی مغل شہزادے ہی لگتے ہیں جیسے کسی تاریخ کی کتاب سے نکل کر ہماری دنیا میں آ گئے ہوں۔"

وجدان احمد نے ایک گہری نظر ان پر ڈالتے ہوئے اپنا ہاتھ ان کے بازو سے ہٹایا۔

آپ نے آج جاب پر نہیں جانا تھا کیا۔

آج اتوار ہے بھائی! شیخو بابا نگاہیں جھکائے کھڑے تھے۔

"اوہ ہاں خیال ہی نہیں رہا کہ آج سنڈے (اتوار) ہے۔" وجدان احمد انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر آپ مطالعے سے لطف اٹھائیں۔ پھر کسی روز فرصت سے بیٹھ کر آپ سے گپ شپ لگائیں گے۔ کچھ آپ کے متعلق جانیں گے کچھ اپنے متعلق آپ کو بتائیں گے۔"

شیخو بابا سے بات کر کے وجدان احمد کا موڈ اچھا خاصا خوش گوار ہو گیا تھا۔ سمیرا نے اطمینان بھرا سانس لیا اور شیخو بابا سے پوچھا۔

"کیا سب لوگ آ گئے ہیں شیخو بابا؟"

"جی کافی دیر سے آئے ہوئے ہیں سب۔"

شیخو بابا نے جھکی نظریں نہیں اٹھائی تھیں۔ سمیرا نے وجدان کی طرف دیکھا۔

"اب آ جائیں وجدان۔"

"اوکے شیخو بابا۔" وجدان احمد ایک مسکراتی نظر اس پر ڈال کر سمیرا کے پیچھے ہی دروازہ کھول کر صحن میں داخل ہوا۔ گو نومبر کا آغاز تھا اور اکتوبر کے آخری ہفتے سے ہی راتوں کو ہلکی خنکی ہو جاتی تھی لیکن آج اس وقت موسم خوش گوار تھا اور سب لوگ باہر ہی بیٹھے تھے۔ ثوبیہ اور سحرش برآمدے میں تخت پر بیٹھی تھیں جبکہ باقی سب صحن میں تھے۔ سب کے ہاتھوں میں چائے کے کپ تھے اور درمیان میں پڑی گول میز پر پکوڑوں کی ڈش تھی ساتھ میں سبز مرچوں دھنیے اور پودینے کی چٹنی کا پیالہ تھا اور کوارٹر پلیٹیں پڑی تھیں۔ بی بی اماں سب کام سلیقے قرینے سے کرتی تھیں لیکن یہاں کسی نے پلیٹیں استعمال نہیں کی تھیں۔ سب ہی ڈش سے پکوڑے اٹھا اٹھا کر چٹنی کے پیالہ میں ڈبو ڈبو کر کھا رہے تھے۔ اور طیب بلند آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ البتہ ثوبیہ اور سحرش کے ہاتھ میں پلیٹیں تھیں۔

"السلام علیکم حضرات اور معذرت کہ ہم کچھ لیٹ ہو گئے۔"

"خیر اتنے بھی لیٹ نہیں ہوئے آپ۔ ہاں اگر پکوڑے ختم ہو جاتے تو آپ یقیناً لیٹ تھے۔" جواب سحرش نے دیا تھا۔

"دیکھا۔" سمیرا نے ایک جتاتی نظر وجدان احمد پر ڈالی۔

"بی بی اماں کو میری فرمائش یاد تھی۔"

وجدان کچھ کہتے کہتے رک گیا اور سب پر ایک نظر ڈالی۔ سب ہی تھے سوائے زل اور امان کے۔ امان تو شاید اپنی پڑھائی کی وجہ سے نہیں آیا تھا لیکن زل بھی نہیں تھی۔

"زل نہیں ہے آج؟" کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

آزین نے یکدم اس کی طرف دیکھا اور وجدان احمد کو اس کی آنکھوں میں ایک اذیت سی دکھائی دی تھی۔ وہ دل ہی دل میں نادم ہوا۔

زل کچن میں بھی مصروف ہو سکتی تھی اور آج سے پہلے تو کبھی اس نے زل کی موجودگی یا غیر موجودگی کو نوٹس نہیں کیا تھا۔ شاید وہ مسلسل زل اور آزین کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمی کے متعلق

سوچتا رہا تھا تو غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے نکل گیا تھا اور یہ اچھا نہیں ہوا تھا سمیرا کی بے تکی حرکتوں کی وجہ سے آزین پہلے ہی اس کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ "اور مجھے جلد از جلد آزین کی غلط فہمی کو دور کرنا ہے اس سے پہلے کہ کچھ غلط ہو جائے۔"

"پکوڑے لے لو یار!" مرسل نے میز پر موجود ڈش کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں یار! دل نہیں چاہ رہا۔" وہ اندر سے بہت پریشان تھا اس نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا تھا کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی تھی اور اب سمیرا کی بات مان کر وہ انجانے میں کسی کی تکلیف کا باعث بن گیا تھا۔

"اتنے مزے کے ہیں اور گرما گرم۔" مرسل نے خود ہی دو تین پکوڑے پلیٹ میں رکھ کر اس کی طرف بڑھائے۔

"پھر علی پور والا مسئلہ حل ہوا۔ کیا سوچا آپ لوگوں نے۔" اس نے پلیٹ پکڑ لی تھی۔

"سب پلاننگ کر لی ہے ہم نے تھوڑا بہت فنڈ بھی ہے اگلی اتوار کو میں، ضیاء اور آزین وہاں جا کر اچھی طرح پھر سے ساری صورت حال کا جائزہ لیں گے اور پھر فوراً ہی کام شروع کر دیں گے۔" مرسل نے تفصیل بتائی۔

"یہ کچھ میری طرف سے۔"

اس نے اپنا والٹ نکالا اور اس میں سے چیک نکال کر ضیاء کی طرف بڑھایا کہ مالی معاملات اس کے سپرد تھے۔ وہ ہی سارا حساب کتاب رکھتا تھا۔

"بہت شکریہ وجدان!"

ضیاء نے چیک مرسل کی طرف بڑھایا جس نے دیکھ کر ضیاء کو واپس کر دیا۔

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے یار۔ ہر بندے نے اپنے اپنے حصے کا کام کرنا ہے اور اس کی جزا اللہ نے دینی ہے۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سمیرا کی طرف بڑھائی۔

"یہ پکوڑے میری فرمائش پر بنے ہیں لہٰذا دو تین پکوڑوں سے کام نہیں چلے گا۔" سمیرا نے پلیٹ پکڑ لی تو مرسل نے ڈش اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی، اس نے تھینک یو کہتے ہوئے دو تین پکوڑے اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھے اور برآمدے کی طرف جاتے ہوئے سحرش کی طرف دیکھا۔

"اور میری چائے۔"

"شاید بی بی اماں ابھی کچن میں ہی ہیں آپ اپنے پاؤں کو تکلیف دیں اور خود جا کر اپنی چائے لے آئیں۔" سحرش کو ہر ایک کی خدمتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔

سمیرا نے پکوڑوں والی پلیٹ تخت پر رکھی اور کچن کی طرف بڑھی۔

"سمیرا میرے لیے چائے مت لانا؟" وجدان احمد نے کچھ دیر پہلے ہی تو کافی پی تھی سو چائے کا موڈ نہیں تھا۔

سمیرا نے سر ہلایا اور پھر کچن کی طرف جاتے جاتے رکی اور سحرش کی طرف دیکھا۔

"ویسے مس سحرش ارباب! ہم مہمان ہیں اور یہ میزبان کا فرض ہے کہ وہ مہمان کی خاطر تواضع کرے۔"

"میں تو خود مہمان ہوں سمیرا، جی ایک میزبان وہ ہے۔" اس نے آزین کی طرف اشارہ کیا "اور دوسری میزبان کے سر میں درد ہے اور وہ اپنے کمرے میں شاید نہیں بلکہ یقیناً سو رہی ہے لہٰذا اپنی مدد آپ۔"

سحرش نے مسکراتے ہوئے پکوڑا پلیٹ سے اٹھایا۔

"میں کہتا ہوں بی بی اماں کو چائے کے لیے۔"

آزین اٹھا تو مرسل نے اس کی طرف دیکھا۔

"بیٹھو زین! وہ جا تو رہی ہے سمیرا چائے لینے۔"

آزین بیٹھ گیا۔ سمیرا نے بھی کچن کی طرف جاتے ہوئے مڑ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

www.alfadata.com

"تو میں کیا کہہ رہا تھا کہ آمریت ہمیشہ تباہی لاتی ہے۔" طیب نے وہیں سے ہی بات شروع کی جہاں سمیرا اور وجدان احمد کے آنے پر چھوڑی تھی۔

"ہم نے افغانیوں کے لیے راستے کھول کر بڑی غلطی کی اور اس غلطی کا خمیازہ ہم نے نہ جانے کب تک بھگتنا ہے۔ شاید ہماری آنے والی نسلیں بھی اسے بھگتیں گی۔"

"یہ بات تم صحیح کہہ رہے ہو یار۔"

مرسل نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر خالی کپ میز پر رکھا۔

"میں نے ایک سروے میں پڑھا تھا کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس لاکھ افغانی ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے ایک سو پچاس کیمپ بنائے گئے لیکن یہ کیمپوں تک محدود نہیں رہے۔ ہر شہر میں پھیل گئے اور ہماری معیشت کو تباہ کر دیا۔ ان کے پاس پیسہ تھا۔ چلے چلائے کاروبار خرید لیے۔ ہمارا ایک متوسط کاروباری اگر دس پندرہ ہزار کرایہ دے کر چھوٹی سی دکان چلا رہا تھا۔ تو ان لوگوں نے پچاس ہزار کرایہ دے کر وہ دکان کرائے پر لے لی۔ اور وہ بے چارہ شخص جو اس دکان سے کما کر اپنا اور اپنے خاندان کا گزارہ چلا رہا تھا وہ بے روزگار ہو گیا۔ اور انہوں نے ایک سے چار دکانیں بنا لیں۔"

"لیکن یار!"

ضیاء کو اس سروے پر یقین نہیں تھا۔

"ہجرت کر کے آنے والے تو بے چارے غریب مفلس اور بے گھر تھے ان کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا؟"

"ہاں ان ہجرت کرنے والوں میں ایسے بھی تھے غریب اور مفلس وہ تو زیادہ تر کیمپوں تک ہی محدود رہے لیکن ان میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہ تھی جن کے پاس پیسا بہت تھا۔ ان میں اکثر اسمگلر تھے، منشیات فروش تھے اور اسلحہ فروش تھے۔ ان کے آنے کی وجہ سے دہشت گردی، اغوا اور منشیات کو فروغ ملا۔ جلوزئی کیمپ ایسا کیمپ تھا جہاں پاکستان مخالف سرگرمیاں جنم لیتی تھیں۔ اسی لیے کہتا ہوں حالات حاضرہ جاننے کے لیے اخبار پڑھا کرو۔" مرسل نے پاس بیٹھے ضیاء کے بازو کو تھپتھپایا۔

"اتنا تو مجھے بھی علم ہے کہ افغانیوں کو یہاں آنے کا راستہ دے کر ہم نے غلطی کی تھی۔ اگر امریکہ ضیاء الحق کو مروا نہ دیتا تو وہ شاید اس غلطی کا ازالہ کر دیتا۔ بہت ہوشیار آدمی تھا۔"

ضیاء نے مرسل کی طرف دیکھا تو مرسل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔"

وجدان بے حد دھیان سے انہیں سن رہا تھا بے شک وہ ایک بزنس مین تھا لیکن ملکی حالات اور سیاست سے اسے ہمیشہ سے دلچسپی تھی۔ حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کے دادا نے تحریک پاکستان کے لیے بہت کام کیا تھا وہ مسلم لیگ میں شامل ہونے والے ابتدائی لوگوں میں سے تھے اور ان کے خاندان نے پاکستان کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں، پاکستان سے محبت اسے ورثے میں ملی تھی۔ اس کے خون میں شامل تھی۔ سو وہ بے حد دلچسپی سے انہیں سن رہا تھا لیکن خود اس نے کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا تب ہی سمیرا نے اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑایا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا سمیرا.....!"

"بی لو کیا خبر پھر کب بی بی اماں کے ہاتھ کی بنی چائے پینی نصیب ہو۔ کیا چائے بناتی ہیں بی بی اماں کہ حلق تک سے خوشبو آتی ہے۔ یہ ہی چائے کی پتی ہمارا کک بھی استعمال کرتا ہے لیکن ایسی خوشبو نہیں آتی۔"

بی بی اماں نے چائے دم دے کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ بنا کر لے آئی تھی۔

"کیا مطلب کیا وجدان کہیں جا رہا ہے۔"

اس کی بات کو مرتضیٰ نے نوٹس کیا تھا جو ابھی ابھی مشرقی سیڑھیوں سے اتر کر آیا تھا اور اب مرسل کی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"ہاں یہ کچھ دنوں تک اپنے چاچو کے ساتھ بزنس ٹور پر جا رہا ہے۔"

سمیرا پلیٹ میں چند پکوڑے رکھ کر اور اپنا کپ اٹھائے برآمدے میں جا کر سحرش اور ثوبیہ کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"تو دوستو!" طیب نے بھی اپنا خالی کپ ہاتھ بڑھا کر درمیان میں پڑی گول میز پر رکھا۔

"ہمیں آمریت کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے اور۔"

"ہمارے ہاں جمہوریت بھی آمریت سے کم نہیں ہے۔ ہماری جمہوری حکومتوں نے بھی کوئی ایسے بڑے کارنامے سرانجام نہیں دیئے۔ ہمارے سیاسی سماجی اقتصادی مسائل شاید ہی کبھی حل ہو سکیں۔"

مرسل نے طیب کی بات کاٹی تھی۔

"اور تم کیا کہہ رہے ہو احتجاج کرنا چاہیے۔ کون احتجاج کرے گا کیا، تم ہماری قومی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ سیاسی قیادت کی ناکامی کے بعد ہم فوجی انقلاب پر جشن مناتے ہیں۔ اور پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد تم جیسے جیالے آمریت کے خلاف بڑے بڑے بیان دینے لگتے ہیں۔ ویسے کیا تم نے آج کل کوئی سیاسی پارٹی جوائن کر لی ہے۔"

"نہیں تو۔" طیب نے نظریں چرائیں۔ "میں بہرحال لولی لنگڑی جیسی بھی جمہوریت ہو اسے آمریت پر ترجیح دیتا ہوں۔"

طیب کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ بہت کم ان کی میٹنگز میں شامل ہوتا تھا۔ لیکن طیب، مرسل، اسد وغیرہ یہ وہ چند لوگ تھے جنہوں نے فلاحی کاموں کی ابتدا کی تھی۔

"مجھے کسی کام سے جانا ہے تو اجازت۔"

سب نے سر ہلایا تھا اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو چکا ہے۔" مرتضیٰ ابھی تک مرسل کی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"اگر ایسا ہے بھی تو اسے یہاں سیاسی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے سر اسے پسند نہیں کریں گے۔ انہوں نے منع کیا تھا۔"

وجدان احمد نے آزین کی طرف دیکھا جو کچھ پریشان سا لگ رہا تھا۔

"تم اسے منع کر دو آزین! تمہارا دوست ہے۔" آزین نے سر ہلایا۔

"ویسے آج ہر طرح کی بات کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔" اسد چہکا تھا۔

"سر امان کے ساتھ کراچی گئے ہوئے ہیں۔ امان کی والدہ کی طبیعت خراب تھی کچھ۔"

"اب کیسی ہیں وہ؟" وجدان احمد اب بھی آزین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہیں لیکن ابھی کراچی میں ہی ہیں۔"

"اوکے میں بھی اب چلتا ہوں۔" مرتضیٰ نے کرسی کی پشت سے ہاتھ ہٹایا اور سحرش کی طرف دیکھا۔ "تو تم نہیں چلو گی۔"

"نہیں مجھے وہاں جا کر عقیل بھائی اور ان کی فیملی کی بناوٹی باتیں اور جھوٹی لڑائیاں نہیں سننی جو سینکڑوں بار سن چکی ہوں۔"

آج اوپر والوں کی شانزہ کے سسرال میں دعوت تھی۔ نہ جانے کس سلسلے میں سحرش نے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اسے جانا نہیں تھا اور مہرین کی بھی نائیٹ ڈیوٹی تھی۔ سب لوگ جا چکے تھے سوائے مرتضیٰ کے جو اب جانے کے لیے ہی تیار ہو کر نیچے آیا تھا۔ آج کل وہ عقیل سے اپنے تعلقات بڑھا رہا تھا، اسے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ ان سے تعلقات بہتر کر کے وہ کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے ایک ناراض سی نظر سحرش پر ڈالی۔

"تم اپنی زبان کو بھی لگام بھی دے دیا کرو۔ عقیل کے سامنے بھی تڑتڑ چلتی رہتی ہے۔ کم از کم یہ ہی سوچ لیا کرو تمہاری ان فضول باتوں سے شانزہ کی زندگی پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔"

"شانزہ کی زندگی پر جو اثر پڑنا تھا وہ پڑ چکا

www.aiffaab.com

بھائی، لہاں ہماری نازک احساسات رکھنے والی شانے اور کہاں وہ کھڑوس جسے اپنی شیخیاں مارنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔"

عمر نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"تمہیں شاید علم نہیں ہے سحری، کہ عقیل اور اس کے ابو برسر اقتدار پارٹی میں شامل ہو چکے ہیں۔"

"تو کیا مجھے بھی اس میں شامل ہو جانا چاہیے۔ ویسے مجھے "لوٹے" بالکل پسند نہیں۔" ایک شریر سی مسکراہٹ سحرش کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گی۔" وہ بڑبڑاتا ہوا صحن کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"تو دوستوں، آج دل بھر کے ہر موضوع پر بات کرو۔ عمر اعجاز سے اس کی غزلیں سنو، وجدان احمد سے موجودہ حالات پر تبصرہ سنو اور پھر آخر میں ضیاء کی خوب صورت آواز میں کوئی زبردست سا گانا کہ آج کوئی ڈر خوف نہیں کہ کوئی ڈسٹرب ہوگا۔"

یہ اسد تھا۔ بہت کم بولتا تھا اور زیادہ تر سب کی سنتا تھا لیکن آج بقول مرسل کے موڈ میں تھا۔

"بی بی اماں بھی تو ڈسٹرب ہو سکتی ہیں۔" سمیرا اٹھ کر صحن میں آئی تھی اور خالی کپ اٹھا رہی تھی۔

"ارے نہیں بی بی اماں تو ہماری دوست ہیں۔" مرسل کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"آج ان سے بھی پرانے زمانے کے قصے سنیں گے۔"

"تم رہنے دیتیں سمیرا! میں اٹھا لیتا۔ آخر کو میزبان ہوں میں اور تم مہمان۔"

آزین نے سمیرا کی طرف دیکھا اس کی ہیزل براؤن آنکھوں میں ویرانی سی تھی۔ حالانکہ جب پہلی بار وہ آزین سے ملی تھی تو اس کی آنکھوں میں روشنی اور چمک تھی۔ اور وہ ہنستی ہوئی سی لگتی تھیں ایک لمحہ کے لیے اس کے دل کو کچھ ہوا۔ "کیا میں جو کچھ کر رہی ہوں غلط کر رہی ہوں۔ اس نے خود سے پوچھا اور پھر خود ہی جواب دیا۔ نہیں بالکل صحیح کر رہی ہوں۔"

"اب شرمندہ تو مت کرو زین!" اس نے کپ اٹھا کر ٹیبل پر پڑی ٹرے میں رکھے اور ڈش میں پڑا آخری پکوڑا اٹھایا۔

"کسی نے کھانا تو نہیں ہے ورنہ میں کھانے لگی ہوں۔"

سحرش نے اس کے ہاتھ سے پکوڑا اچک لیا۔ اور خالی ڈش اور چٹنی والا پیالہ اٹھا لیا۔ وہ دونوں اب کچن کی طرف جا رہی تھیں۔

"میں نے سوچا تھوڑی سی تمہاری مدد کر دوں۔ کہیں کل کو یہ نہ کہو کہ موروں والی حویلی میں تم جیسی امیر زادی سے کام کروایا جاتا تھا۔"

"وہ تو اب بھی کہہ سکتی ہوں تمہاری اس چٹی سی مدد کے باوجود۔" سمیرا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"اوہ ہو!" سحرش اب باورچی خانے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے ڈش کاؤنٹر پر رکھی۔

"تو پھر لگے ہاتھوں یہ کپ بھی دھو ڈالو کہ بی بی اماں کو پسند نہیں ہیں کہ کچن میں گندے برتن پڑے ہیں۔"

سحرش کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"ویسے اپنے گھر میں تو تم نے شاید ایک گلاس تک نہ دھویا ہو۔"

"یہ تو ہے۔"

سمیرا نے ٹرے کاؤنٹر پر رکھی اور صابن وغیرہ کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اور پھر اسے ایک کٹورے میں صابن اور کوچی نظر آ گئی جو سنک کے ساتھ ہی پڑا ہوا تھا۔ اس نے کٹورا اٹھایا۔

"ارے ارے تم تو سچ مچ دھونے لگیں۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔" سحرش اسے کپ دھوتے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"بے فکر رہو میں اپنا حساب برابر کر لیا کرتی ہوں۔" سمیرا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"مطلب تم بدلے میں کسی روز زل سے اپنے گھر کے برتن دھلواؤ گی؟" سحرش نے آنکھیں پھیلائیں۔

"مے بی۔" تب ہی بی بی اماں کچن میں داخل ہوئیں اور اس کے ہاتھ سے کپ لے لیا۔

"میں ذرا کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئی تھی اور جو کام تم نے کبھی کیا نہیں وہ کیوں کر رہی ہو۔"

"تو کیا ہوا بی بی اماں۔" سمیرا نے بی بی اماں کی طرف دیکھا۔

"اور آپ کا بہت شکریہ بی بی اماں آپ کو یاد رہا کہ میں نے پکوڑوں کی فرمائش کی تھی۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے بیٹی۔ میرے بچے اگر کوئی فرمائش کریں تو میں بھولتی نہیں ہوں اور میرے بچوں کے دوست بھی مجھے اپنے بچوں کی طرح ہی پیارے ہیں۔ پھر بھلا مجھے کیسے یاد نہ رہتا کہ میری بیٹی نے پکوڑوں کی فرمائش کی تھی۔"

بی بی اماں کے آج کل سمیرا سے اچھے تعلقات تھے۔ اور اس کے لیے ان کے دل میں اچھا خاصا نرم گوشہ تھا۔ بے چاری بچی، باپ نے دوسری شادی کر لی اور ماں کو پروا نہیں اولاد کی۔ خود رو پودوں کی طرح پلی بڑھی ہے نہ کوئی روک ٹوک نہ کوئی نصیحت نہ عقل کی باتیں کسی نے سمجھائیں۔ اس خیال سے وہ جب بھی آتی پاس بٹھا کر کچھ نہ کچھ سمجھاتی رہتی تھیں۔

سمیرا چند لمحوں کے لیے جیسے ساکت سی بی بی اماں کو دیکھے گئی۔

"آپ بہت اچھی ہیں بی بی اماں! اگر مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دیجیے گا پلیز۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا تم سے کوئی غلطی کیوں ہو گی اور بچوں سے غلطیاں ہو بھی جائیں تو ماں باپ ناراض نہیں ہوتے ان سے۔" بی بی اماں اب کپ دھو رہی تھیں۔

"چلو اب مجھے عمر بھائی کی شاعری بہت پسند ہے اور وہ اپنا کلام سنا رہے ہوں گے۔" سحرش دروازے کے قریب کھڑی تھی۔

"تم جاؤ مجھے شاعری سے کوئی ایسی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ میں ذرا زل کا حال احوال پوچھ لوں۔" سمیرا نے کچن ٹاول سے ہاتھ پونچھے۔

"لیکن زل شاید سو رہی ہو۔ اس نے کہا تھا۔ وہ درد کی گولی لے کر سو جائے گی۔"

سحرش نے بتایا۔

"تو کوئی بات نہیں اگر وہ سو رہی ہوئی تو آ جاؤں گی عمر کی شاعری سننے کے لیے۔"

لیکن زل سو نہیں رہی تھی وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ گود میں کتاب رکھی ہوئی تھی لیکن وہ پڑھ نہیں رہی تھی۔ بہت ساری باتیں تھیں جو اسے الجھا رہی تھیں، پریشان کر رہی تھیں۔

کتنے سارے دن گزر گئے تھے بلکہ دن کہاں مہینے شاید تین ماہ ہو گئے تھے۔ آزین کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ خاموش روکھا اور اجنبی سا۔ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اتنے سارے دن اس کا موڈ خراب رہے۔ چند دن بعد خود بخود ہی اس کا رویہ بہتر ہو جاتا تھا۔ پھر جب وہ مل بیٹھ کر بات کرتے تھے تو باتوں باتوں میں وہ پھانس نکل جاتی تھی جو اس کے اندر کہیں اٹکی ہوتی تھی۔ لیکن اس بار ایسا کیا ہوا تھا کہ جو اس کے دل سے نکل ہی نہیں رہا تھا۔

اب تو بی بی اماں بھی اس کی سرد مہری کو محسوس کر رہی تھیں اور ایک دو بار اس سے پوچھ بھی چکی تھیں۔

"یہ زین کو کیا ہوا ہے کیوں منہ لٹکائے لٹکائے پھرتا ہے۔"

"پتا نہیں بی بی اماں!" وہ انہیں کیا بتاتی جب کہ خود اسے کچھ علم نہ تھا۔

"تو پتا کرو نا کیا غبار دل میں چھپائے پھرتا ہے۔ بچپن سے ایسا ہی گھنا ہے۔ جب تک پوچھو گی نہیں منہ سے کچھ بھی پھوٹے گا نہیں۔ اندر ہی اندر جلتا کڑھتا رہے گا۔" بی بی اماں اسے سمجھتی تھیں۔

"لیکن وہ کچھ بتائے بھی تو بی بی اماں۔ وہ تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ جب کوئی بات کرنے لگو تو اسے کوئی ضروری کام یاد آ جاتا ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے بہت ناراض اور خفا ہے اس کے اندر بہت غصہ ہے۔" بی بی اماں

www.aiitadab.com

نے اندازہ لگایا تھا۔

"تو وہ مجھ سے کیوں خفا ہے بی بی اماں! کیا کیا ہے میں نے۔" اس کے اندر غم پھیلتا جا رہا تھا۔

"تو یہ ہی تو تم پوچھو، اس سے بار بار پوچھو۔ غبار اندر ہی اندر اکٹھا ہوتا رہے تو پھر کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ابھی گرد ہلکی ہوگی بولے گا بتائے گا تو دل کی بھڑاس نکل جائے گی۔ تم جانتی ہو نا ابھی تک وہ پورے طور پر اس دکھ سے نہیں نکل سکا جو صبوحی کے چلے جانے سے اس نے جھیلا تھا۔ میں نے دیکھی تھی اس کی وہ اذیت راتوں کو۔ نہ جانے کتنی بار اٹھ اٹھ کر مجھ سے پوچھتا تھا۔ بی بی اماں کیا مریم چاچی اور مونا تائی بھی ایک دن سب کو چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ وہ بے اعتبار ہو گیا ہے میری جان اور یہ بے اعتباری اسے اندر سے کھائے جاتی ہے۔"

بی بی اماں کبھی کبھی اس کی سہیلی بن جاتی تھیں اور سہیلیوں کی طرح ہی اسے سمجھاتی تھیں۔

"لیکن بی بی اماں! اب تک تو اسے فیز سے نکل آنا چاہیے اسے اعتبار کرنا چاہیے۔ اور بھی کئی لوگ ہوں گے جن کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ آپ نے خود بتایا تھا ایک بار سلمٰی خالہ کی دیورانی کے متعلق کہ تین بچوں کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ دیور نے شادی کر لی تھی دوسری بچے زیادہ تر سلمٰی خالہ ہی سنبھالتی تھیں کہ بے اولاد تھیں اور ان کے تینوں بچے کتنی کامیاب اور خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے اس بات کو روگ نہیں بنایا کہ ان کی ماں انہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ بلکہ اس روز سلمٰی خالہ جب آپ سے ملنے آئی تھیں تو بتا رہی تھیں نا کہ اب ماں سے بھی ملتے رہتے ہیں۔ چار چھ ماہ بعد آ جاتی ہے خود ہی ملنے۔"

زل نے پڑوسی سلمٰی کا نام لیا تھا جو کبھی کبھار بی اماں سے ملنے آتی رہتی تھی۔

"سب کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اپنی اپنی حساسیت ہوتی ہے۔ یہ اکلوتا تھا دونوں کا بہت لاڈلا۔ اس لیے بہت بری طرح ٹوٹا ہے۔ اور جب چیزیں اس طرح ٹوٹتی ہیں تو بہت مشکل سے جڑتی ہیں اور جڑ بھی جائیں تو کہیں نہ کہیں کچھ کمی کچھ کجی رہ جاتی ہے۔"

"تو کیا مجھے ساری زندگی ٹوٹے کانچ پر چلنا ہو گا۔" اس سے اس نے سوچا تھا اور منہ بھینچتا چلا گیا تھا۔

"صرف تم تمہاری محبت ہی اسے ایک روز اس اذیت سے نکالے گی۔ تم کوشش کرتی رہو۔ ناراض مت ہونے دیا کرو اسے۔"

اسے خاموش دیکھ کر بی بی اماں نے پھر کہا تھا لیکن ابھی تک وہ اس سے کھل کر بات نہیں کر سکی تھی۔ وہ آفس سے آتے ہی آرام کے لیے اپنے کمرے میں چلا جاتا۔ وہاں سے اٹھ کر جہاں زیب بیگ یا شاہ زیب کے پاس جا کر بیٹھ جاتا۔

وہ اس سے بھاگ رہا تھا اس نے ہمیشہ آزین کو مارجن دیا تھا کہ صبوحی چچی کی وجہ سے اس کا اعتماد اور یقین ہر عورت سے اٹھ گیا تھا لیکن وہ ہر عورت نہیں تھی وہ زل شاہ زیب تھی اور مریم شاہ زیب کی بیٹی جس نے کبھی شاہ زیب بیگ سے ان کی بے اعتنائی اور بے نیازی کا شکوہ نہیں کیا تھا۔ اپنے محرم رشتے سے وفا اسے مریم کی طرف سے ورثے میں ملی تھی۔ اور یہ بات وہ اسے بتانا چاہتی تھی اسے اپنی وفا کا یقین دلانا چاہتی تھی کہ ایسا کرنے کو بی بی اماں نے اس سے کہا تھا لیکن وہ تو گھر میں ٹکتا ہی نہیں تھا۔

کھانے اور ناشتے کی ٹیبل پر بھی خاموش ہی رہتا تھا۔ بہت مختصر سی بات کرتا وہ بھی جب بی بی اماں یا جہاں زیب بیگ کوئی بات کرتے اس کا جواب دے دیتا۔

وہ کتنی خوشی خوشی مری جانے کی تیاری کر رہی تھی لیکن پھر اچانک اس نے وہاں جانے کا پروگرام کینسل کر دیا تھا۔ شاید تب سے ہی کوئی پھانس اس کے دل میں اٹکی ہوئی تھی۔ وہ کبھی پورے طور پر خوش نہیں ہو پائی تھی سکھ کے پھولوں میں کہیں دکھ کا کانٹا بھی چھپا ہوتا تھا۔ ابا کی محبت اور شفقت ملی تو اماں نہیں تھیں۔ پھر ابا ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئے تو

آزین تھا اس کے ساتھ، ہر لمحہ اس کے آنسو پونچھتا، اسے تسلیاں دیتا..... اور اب ابا کے ٹھیک ہونے کی نوید ملی تو آزین کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ کیا اس کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا کہ ایک خوشی ملے گی تو دوسری دور ہو جائے گی۔

وہ افسردہ ہوئی تھی۔

اور یہ ابھی تین دن پہلے کی ہی تو بات تھی جب ثوبان شاہ کا فون آنے پر کہ اختر بانو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہارٹ اٹیک ہوا ہے جہاں زیب بیگ امان کے ساتھ کراچی چلے گئے تھے۔ وہ سیڑھیوں پر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی اختر بانو کے لیے دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ جہاں زیب بیگ نے جاتے جاتے کہا تھا۔

"میری بچی کے لیے دعا کرنا زل، اللہ اسے اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔ اللہ اسے صحت و زندگی دے۔"

اور اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسے پھپھو کے لیے دعا کرنا تھی اور جب سے پتا چلا تھا تب سے کر رہی تھی۔ آزین جہاں زیب بیگ کو ایئرپورٹ چھوڑ کر واپس آیا تو غیر ارادی طور پر اس کے پاس آ کر سیڑھیوں پر بیٹھ گیا تھا۔

"پریشان نہ ہو ان شاء اللہ پھپھو ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"ان شاء اللہ۔" اس نے اس کی طرف ذرا سا رخ موڑا تھا لیکن وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس کی نظریں سامنے برآمدے میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔

"زین۔" تم کچھ پریشان ہو۔ بہت سارے دنوں سے تم اپ سیٹ لگ رہے ہو۔ کیا چیز تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ پلیز کیا مجھ سے بھی نہیں کہو گے۔"

"پتا نہیں۔" وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ "شاید تمہیں وہم ہوا ہے۔"

"نہیں مجھے وہم نہیں ہوا زین! کچھ تو ہے جو تمہارے اندر چل رہا ہے اور تم اجنبیت اوڑھے پھر رہے ہو۔ مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کرو شاید ہم دونوں مل جل کر اس پریشانی کا حل نکال لیں۔" اس نے بہت آس سے اسے دیکھا تھا کہ وہ آج ضرور کچھ کہہ دے گا اپنے دل کی بات اپنی پریشانی۔

"ایسا لگتا ہے زل، جیسے میں دھوئیں اور آگ میں سانس لے رہا ہوں آج کل۔ کبھی کبھی تو دم گھٹنے لگتا ہے میرا۔"

آزین نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر تک دیکھتا رہا تھا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے زین۔ کیا آفس میں کوئی پریشانی ہے۔ اگر جاب تمہارے مطلب کی نہیں ہے تو چھوڑ دو۔"

زل چاہتی تھی کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ کہہ دے جو غبار اس کے دل پر چھایا ہوا ہے وہ نکل جائے تو اچھا ہے۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا قنفر چاچو سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں آخری بار چار ماہ پہلے بات ہوئی تھی۔"

اب وہ پھر سامنے دیکھنے لگا تھا۔

"تو پھر کیا سوچتے رہتے ہو۔"

"کچھ نہیں۔"

وہ یکدم ہی اٹھا تھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ یوں ہی سیڑھیوں پر بیٹھی رہی تھی یہاں تک کہ شام گہری ہو گئی تھی اور بی بی اماں نے اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے کی لائیٹ جلائی تھی۔ کہیں کسی مسجد میں مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔

"یہاں اس وقت اس طرح کیوں بیٹھی ہو زل!" وہ اس کے قریب آئی تھیں۔

"اللہ خیر کرے گا۔ اختر بانو کو صحت و زندگی دے گا۔ اٹھو مغرب کی اذان شروع ہوئی ہے۔ نماز پڑھ کر دعا کرو اس کے لیے۔"

www.aliradab.com

بی بی اماں! وہ اٹھ کھڑی ہوئی سی۔

"ارے ہاں زین سے بات کی تم نے کیا کہتا ہے۔" بی بی اماں کو یاد آیا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے زین اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں بی بی اماں! وہ کچھ بھی نہیں بتاتا۔" اس کی آنکھوں میں کمی سی پھیل گئی تھی۔

"شاید ایک بار پھر کسی بات نے اسے بے یقین کر دیا ہے۔"

بی بی اماں جیسے خود سے کہہ رہی تھیں۔

"شاید کسی نے صبوحی کے حوالے سے کوئی بات کر دی ہو۔ کیا خبر مرتضیٰ نے ہی کچھ کہا ہو اس کی عادت ہے ماضی کی کوئی نہ کوئی بات لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اللہ جانے اس لڑکے کو کب عقل آئے گی۔ اس روز میں نے خود سمجھایا تھا مرتضیٰ کو بلاوجہ ہی ظفریاب اور صبوحی کا ذکر لے کر بیٹھ گیا تھا۔"

"تو زین اب چھوٹا بچہ نہیں ہے بی بی اماں اسے دوسروں کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہیے۔ اسے خود پر یقین ہونا چاہیے۔" وہ سیڑھیاں اتر کر بی بی اماں کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔

"یقین ہی تو نہیں ہے میری بچی، اسے نہ خود پر نہ تم پر۔" بی بی اماں دکھی ہوئی تھیں۔

"اور اس یقین کو تم نے ہی بحال کرنا ہے۔ اس کا خیال رکھا کرو اسے یقین دلاتی رہا کرو کہ سب عورتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔"

"اپنی حد میں رہ کر میں اس کا ہر طرح خیال رکھتی ہوں بی بی اماں اور کئی بار میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش بھی کی ہے اور کیا کروں کیا کر سکتی ہوں۔" اس نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"کہیں تم پر وہ کوئی شک تو نہیں کر رہا زنل۔"

بی بی اماں جہاں دیدہ تھیں انہیں یکدم ہی خیال آیا تھا کہ آزین کے رویے کی یہ ہی وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ زنل سے بے حد محبت کرتا تھا اور ایک ہی چیز اسے زنل سے دور کر سکتی تھی اور وہ کوئی بے معنی اور فضول شک ہی ہو سکتا تھا۔

"وہ بھلا مجھ پر کیوں شک کرے گا اور کس بات پر؟" وہ بی بی اماں کی بات سن کر حیران ہوئی تھی۔

"ہاں بھلا وہ کیوں شک کرے گا تم پر۔" بی بی اماں کو لگا انہیں یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔

"میں بھی سحرش کی طرح یوں ہی جو ذہن میں آتا ہے بغیر سوچے سمجھے بول جاتی ہوں۔ تمہیں میں نے بتایا تھا کہ صبوحی کے جانے کے بعد کیسے ہاتھ پکڑ پکڑ کر مجھ سے پوچھتا تھا کہ کہیں مریم چچی بھی تو چاچو اور ملی کو چھوڑ کر نہیں چلی جائیں گی تو میری بیٹی اس کے اندر بڑی گہری اور سخت گرہیں ہیں بڑی مسموم فضا ہے، بڑا زہر ہے اور اس زہر کو ختم ہونے میں وقت لگے گا۔ تمہاری محبت اور تم پر یقین ہی اس زہر کا تریاق ہو گا اسی لیے تو بڑے صاحب سے کہتی ہوں جلد از جلد رخصتی کر دیں، ہر وقت کا ساتھ ہو گا تو اس کا اعتبار بھی جلد بحال ہو گا۔"

"اب بھی تو ہر وقت کا ساتھ ہے بی بی اماں۔ پھر کیا دادا جان زبردستی میری رخصتی کر دیں جب کہ وہ ایسا نہیں چاہتا ابھی۔"

"اس ساتھ اور اس ساتھ میں بہت فرق ہوتا ہے بیٹی۔" بی بی اماں کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور وہ جھینپ گئی تھی۔

"اختر کی طرف سے خیر کی خبر آئے اور بڑے صاحب واپس آ جائیں تو میں پھر سے بات کرتی ہوں۔ ان سے زور دے کر بات کریں گے تو انکار نہیں کر پائے گا۔"

"لیکن بی بی اماں!" وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ قریبی مسجد میں بھی اذان شروع ہو گئی تو وہ خاموش ہو گئی۔ بی بی اماں نے اپنا دوپٹا درست کیا اور اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

"صبر اور حوصلہ میری بچی! نماز پڑھ کر اپنے اور زین کے لیے بھی دعا کیا کرو۔"

وہ سر ہلاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف واپس چلی گئی تھیں۔ اور وہ اذان ختم ہونے تک وہاں ہی سیڑھیوں کے پاس صحن میں کھڑی رہی تھی۔ نظریں

برآمدہ پار کر کے بار بار آزین کے کمرے کے دروازے پر رک جاتی تھیں۔ اور کیا کبھی کوئی ایسا دن آئے گا اس کی زندگی میں جب آزین ایک بالکل نارمل انسان کی طرح ہو جائے گا جب وہ اس حقیقت کو قبول کر لے گا کہ ساری انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ بہت پہلے ایک بار دادا جان نے بھی اس سے کہا تھا۔

"زین کم عمری میں جس تکلیف سے گزرا ہے۔ وقت کے ساتھ اس تکلیف کو کم ہو جانا چاہیے تھا لیکن اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا زنل، اس نے اس تکلیف اور اذیت کو دل کا مستقل مہمان بنا رکھا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے اور اس کے ریلیشن میں کچھ دشواریاں محسوس ہوں لیکن زنل، وہ بہت اچھا ہے اور تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ مجھے تمہارے لیے اس سے بہتر اور کوئی دکھائی نہیں دیتا ایک دن آئے گا کہ تم دونوں ایک دوسرے کی رفاقت پر فخر محسوس کرو گے تم ماء الملوک ہو میری بچی۔ شفاف، صاف پاکیزہ پانی ہر طرح کی آلودگی سے پاک جس میں ہر چیز حل ہو جائے۔ اس کے تلخ و شیریں ہر طرح کے رویے کو اپنے اندر جذب کر لینا ایک دن وہ خود سے زیادہ تم پر اعتبار کرے گا۔"

"اور وہ دن پتا نہیں کب آئے گا۔" ایک گہری سانس لے کر اس نے گود میں رکھی کتاب اٹھا کر کھولی تب ہی تھوڑا سا دروازہ کھلا اور سمیرا نے اندر جھانکا۔

"تم جاگ رہی ہو زنل۔ سحرش نے بتایا تھا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم سو رہی ہو۔"

"ہاں سر میں درد تھا۔ سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔" زنل نے ہاتھ میں پکڑی کتاب تکیے کے پاس ہی الٹ کر رکھ دی۔

"تو آ جاؤ کچھ دیر باتیں کریں گے۔ تقریباً ایک ماہ ہو گیا ہے تم سے ملاقات ہوئے اور تم نے تو گھر سے نکلنا نہیں ہے۔" سمیرا نے کمرے میں قدم رکھا۔

"اب آ تو چکی ہو۔ پھر اجازت کیسی۔" زنل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ہاں آ تو گئی ہوں۔" سمیرا اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"پتا ہے تمہاری جگہ اگر سحرش ہوتی تو وہ کہتی کہ اگر آ بھی چکی ہو تو واپس تشریف لے جاؤ کہ میرا سونے کا ارادہ ہے۔ مجھے اس کا یہ کھرا پن اچھا لگتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی کو برا بھی لگتا ہو۔"

"ہاں مگر اس کھرے پن سے کسی کی دل آزاری نہ ہو تو۔" کبھی کبھی اس کا بے دھڑک بول دینا زنل کو اس وقت اچھا نہ لگتا تھا جب اس سے کسی کا دل دکھے۔

"تمہاری پھپھو کی طبیعت کیسی ہے اب کیا بائے پاس ہو گا۔" سمیرا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات جو وہ اس سے کرنا چاہتی ہے یکدم سے کیسے کر دے۔ وجدان کہتا تھا کوئی بھی بات کرنے کے لیے پہلے زمین ہموار کرنی پڑتی ہے۔

"رات دادا جان سے بات ہوئی تھی کافی بہتر ہیں لیکن ابھی ہاسپٹل میں ہی ہیں اور بائے پاس کے متعلق تو دادا جان نے ابھی نہیں بتایا۔" زنل کا دل اب بھی اختر یا نو کے لیے پریشان تھا۔

"پریشان نہ ہو یار، اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے گا ان شاء اللہ۔ ویسے یار! یہ جو باہر خدمت گاروں کا ٹولہ بیٹھا ہے نا انہوں نے تمہارے دادا جان کے نہ ہونے کا خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ سیاسی گفتگو، حکومت پر تنقید سب ہی کھل کر ہو رہا تھا۔ تم سوئی نہیں تھیں تو تم بھی آ جاتیں باہر، میں ثوبیہ اور سحرش برآمدے میں تھے اور ان کے تبصروں سے پکوڑے کھاتے ہوئے لطف اندوز ہو رہے تھے۔"

"مجھے سیاست سے کچھ ایسی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ بس اتنا چاہتی ہوں کہ جو بھی حکومت ہو، وہ ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے اور حکومت میں موجود لوگ محب وطن ہوں۔"

زنل نے ہمیشہ ہر نماز میں اچھے اور مخلص حکمرانوں کی دعا کی تھی۔

"پتا ہے وجدان کو کسی بھی بات پر تمہارا نقطہ نظر

www.alfiradab.com

اور تمہاری رائے پسند ہے۔ آج بھی وہ تمہارا پوچھ رہا تھا۔" سمیرا آہستہ آہستہ اپنے مقصد کی طرف آ رہی تھی۔

"اچھا مجھے تو نہیں یاد کہ میں نے کبھی کسی چیز کے متعلق کوئی ٹھوس رائے دی ہو اور اپنا نظریہ بیان کیا ہو۔" زل کو حیرت ہوئی تھی۔

"بس یوں ہی کبھی کوئی بات کر دی ہوگی۔"

"ہاں شاید لیکن کچھ لوگ ہوتے ہیں نا ایسے جن کی عام سی کہی ہوئی بات بھی کسی دوسرے کے لیے بہت اہم ہو جاتی ہے جیسے تمہاری کہی ہر بات وجدان کے لیے بہت خاص ہوتی ہے۔"

سمیرا نے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں الجھن تھی جیسے وہ سمیرا کی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گی؟" نظریں اب بھی اس کے چہرے پر تھیں۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ مجھے برا لگے گا تو مت کہو کچھ۔" زل سنجیدہ سی تھی۔

"خیر اب ایسی بھی برا ماننے والی بات نہیں ہے۔ لڑکیاں تو ایسی باتوں پر خوش ہوتی ہیں۔" سمیرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"پتا ہے مجھے لگتا ہے جیسے وجدان احمد تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔"

"پاگل ہو سمیرا! کیا مجھے نہیں معلوم کہ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو اور اب تک تمہاری شادی ہو چکی ہوتی لیکن تم حمیرا کی شادی سے پہلے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ ثوبی نے بتایا تھا مجھے سب۔"

"یہ ثوبی کی بچی کیا ضرورت تھی ساری کہانی زل کو بتانے کی۔" سمیرا نے دل ہی دل میں کہا۔ وجدان اب کھٹک گیا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ اب اسے زل پر کام کرنا ہے۔ یوں بھی وجدان کے حوالے سے اپنی کارکردگی پر وہ خاصی مطمئن تھی۔

"خیر وہ الگ بات ہے یار، اگر کوئی کسی سے محبت کرتا ہو تو کیا وہ کسی دوسرے کو پسند نہیں کر سکتا اس کی کسی خوبی کی وجہ سے۔ وجدان بھی تمہاری بہت تعریف کرتا ہے اور سچ میں کبھی کبھی تو میں جیلس ہونے لگتی ہوں میں تو بس یوں ہی ہوں لا ابالی اور لاپرواہ اسے تم جیسی لڑکیاں سوٹ کرتی ہیں۔ لیکن پلے پڑ گئی مجھ جیسی بے ڈھنگی لڑکی۔" وہ ہنسی۔

"وہ تم سے محبت کرتا ہے تو تمہاری خامیوں سے بھی محبت کرتا ہوگا کسی کی کوئی بات اچھی لگنے پر اس کی تعریف کر دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کی تم سے محبت میں کوئی کمی آ گئی ہے۔" زل کو اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی تاہم اس نے اپنی ناگواری کو چھپا لیا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو یار، میرے اور وجدان کے درمیان محبت کا جو تعلق ہے، وہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اس میں کھوٹ نہیں ہے بہت خالص رشتہ ہے ہمارا۔ میں تو اس سے کہتی رہتی ہوں کہ اگر کبھی اس نے میرے علاوہ کسی کو سوچا بھی تو میں اسے شوٹ کر دوں گی۔" اس نے یکدم چال بدلنے کا سوچا تھا۔

"وجدان تو اپنی سادگی میں تمہاری تعریف کر دیتا ہے کبھی کبھار لیکن دوسروں کو تو غلط فہمی ہو سکتی ہے نا۔"

"کیا مطلب کیسی غلط فہمی؟" زل چونکی۔

"تم بہت سادا اور معصوم ہو زل یار اور مرد بہت شکی مزاج ہوتا ہے۔ کچھ مرد کم شکی مزاج ہوتے ہیں اور کچھ زیادہ۔ زین مجھے ایک شکی مزاج مرد لگتا ہے۔ ابھی جب ہم آئے تھے اور وجدان نے تمہارا پوچھا تو زین کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے اور مجھے اس کا موڈ خراب سا لگا تھا۔ حالانکہ تمہارا اور آزین کا نکاح ہو چکا ہے، اسے تم پر اعتبار ہونا چاہیے کوئی اگر تمہاری کسی بات کی تعریف کرتا ہے تو یہ اس کا فضل ہے۔ خیر پریشان نہ ہونا یار، یوں بھی وجدان ایک دو ماہ کے لیے بزنس ٹور پر جا رہا ہے تو زین کے دل سے خود ہی نکل جائے گا۔ اگر کوئی شک ہے بھی تو۔"

اس نے زل کی آنکھوں میں موجود پریشانی کو دیکھا تو دل ہی دل میں خود کو داد دی۔ وہ بالکل صحیح

کھیل رہی تھی۔

"تو بی بی اماں کا خیال صحیح تھا کہ زین کے موڈ کی خرابی کی وجہ کہیں یہ نہ ہو کہ وہ مجھ سے بدگمان ہو گیا ہے۔" زل نے دل ہی دل میں سوچا لیکن خاموش رہی۔

"سوری یار، میں نے تمہیں پریشان کر دیا۔ مجھے تم سے نہیں کہنا چاہیے تھا کہ زین تم پر شک کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ تم اور وجدان۔ مطلب تم دونوں کے درمیان کچھ ہے۔ بس میں بھی نا جو سوچتی ہوں محسوس کرتی ہو سحرش کی طرح کہہ دیتی ہوں خیر اسے میرا تجزیہ سمجھ لو یہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے نا۔" اسے خاموش دیکھ کر سمیرا نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں میں پریشان نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے تم صحیح کہہ رہی ہو لیکن میں سمجھتی ہوں کہ وقتی طور پر شاید اس کا موڈ خراب ہو گیا ہو وہ ہی نہیں کوئی بھی مرد کسی دوسرے مرد کے منہ سے اپنی بیوی کی تعریف نہیں سن سکتا لیکن زین کا مسئلہ کچھ اور ہے۔ تم جانتی ہو کہ چچا جان اور چچی جان کے شادی کرنے کی وجہ سے وہ اندر سے ڈھے گیا تھا۔ وہ اٹھارہ سال سے جس اسٹیٹ آف تھاٹ میں ایگزسٹ کر رہا ہے وہ ابھی crack نہیں ہوئی۔ ہو سکتا ہے اس میں کچھ وقت لگے اور ہو سکتا ہے کہ آج کل کسی بھی وقت ہو جائے۔ اگر وہ مجھ پر شک کرے اور بدگمان بھی ہو جائے تو یہ وقتی ہے سمیرا! ہمارے درمیان جو بندھن ہے، وہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ اتنی سی بات پر ٹوٹ جائے۔ زین ایک بہترین انسان ہے وہ رشتے نبھانے اور رشتوں کی قدر کرنے والا ہے۔"

وہ ذرا سی دیر کو خاموش ہوئی۔ سمیرا حیران سی اسے دیکھ رہی تھی اتنا تحمل، اتنا ٹھہراؤ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو بھڑک اٹھتی وہ خود بھی ہوتی تو برداشت نہ کر پاتی۔ دل ہی دل میں اس نے اسے سراہا۔ کمال لڑکی ہے یہ زل بھی۔

"بس یار! میں تمہارے لیے پریشان ہو گئی تھی۔" اس نے لہجے میں ہمدردی سمو دی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے سمیرا! مجھے یقین ہے اپنے اللہ پر، اپنے دل کے اخلاص پر اس محرم اور پاکیزہ رشتے پر جو ہمارے درمیان ہے۔ کہ کوئی بھی بدگمانی یا شک ہمارے رشتے کو ختم نہیں کر سکتا۔"

"اللہ تمہارا یقین برقرار رکھے لیکن یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کیا ہوگا۔" لبوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو باہر چلتے ہیں اور سب کو سنتے ہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"نہیں میرا موڈ نہیں ہے تم جاؤ۔" زل نے انکار کر دیا تو سمیرا کو اچھا نہیں لگا۔

"یہ تمہارا گھر ہے زل۔ باہر بیٹھے ہوئے لوگ تمہارے مہمان ہیں۔ اور تم ایک طرح سے میزبان ہو تو کیا تمہارا باہر ہونا ضروری نہیں ہے۔"

"نہیں۔" زل نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ انہیں اپنے فلاحی کاموں کے پروگرام ترتیب دینے کے لیے جگہ چاہیے تھی۔ جو زین نے دادا جان کی اجازت سے انہیں دے دی۔ ابتدا میں تو وہ لوگ صرف گیسٹ روم تک ہی محدود تھے۔ پھر ہمیں ان کا مقصد اور کام اچھا لگنے لگا تو میں سحرش اور مہرین وغیرہ بھی ان کی میٹنگز میں جانے لگے۔ سو ان کی ہر میٹنگ میں شامل ہونا قطعی ضروری نہیں ہے۔ پھر وہ زین کے دوست ہیں اور زین ہے وہاں۔ بی بی اماں حسب توفیق ان کی خاطر تواضع بھی کر دیتی ہیں۔"

سمیرا کو زل کے جواب پر حیرت ہوئی۔ آج سے پہلے وہ اسے اتنی سنجیدہ کبھی نہ لگی تھی۔

"زین کو تمہارا وہاں نہ جانا برا نہیں لگے گا کیا۔"

"نہیں۔"

"بلکہ شاید میرا وہاں جانا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہوگا۔" اس کے دل میں ابھی ابھی پہلی بار خیال آیا تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.alfatah.com

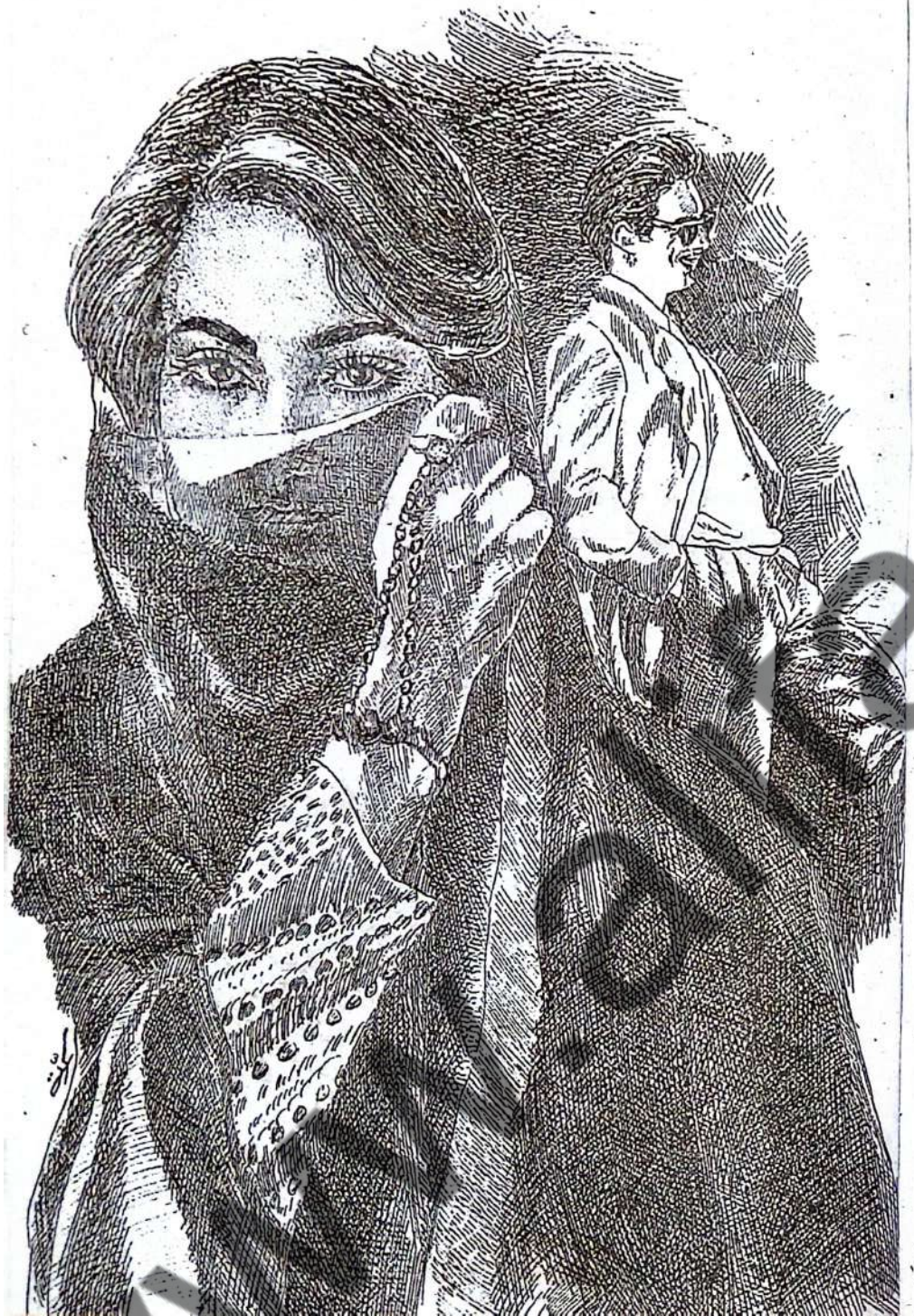

بسمہ تعالیٰ

حد درجہ مغرور، کسی حد تک نک چڑھی اور بہت زیادہ منہ پھٹ جسے آج کل کی خوبصورت لفاظی میں اسٹریٹ فارورڈ کہا جاتا ہے۔

لڑکوں کا حلیہ اور لڑکوں والا لباس اور طور طریقوں میں یہ تھی شہزاد بیگ!

شہر کے سب سے مہنگے اسکول سے تعلیم یافتہ۔

وطن ہو یا دین، عزیز و اقارب ہوں یا کلاس فیلوز وہ سب کو محبت میں دوسرے نمبر پر رکھتی تھی۔

پہلے نمبر پر محبت کی حق دار وہ اپنے آپ کو سمجھتی تھی۔

اپنی ذات سے محبت کے آگے سب زیرو۔

آپ اسے خود پسندی کہہ سکتے ہیں بھلا کوئی اپنے پیاروں کو محبت میں دوسرے نمبر پر کیسے رکھ سکتا ہے؟

اور ملک؟ وہ کالج میں پہنچی تو بحث کے دوران تڑاخ سے بولی

”ملک؟ انسان جہاں قیام پذیر ہو بس وہ جگہ اہم ہے یا اس کے قانون کو ماننا، میں امریکہ جاؤں یا انگلینڈ تو میرے لیے اس ملک سے وہاں کی زمین زیادہ اہم ہوگی۔“

اور رہا دین یا دین پر عمل پیرا ہونا اس کے لیے یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

وہ شانے اچکا کر کہتی۔

”جس دین کی یا جس مذہب کی جو چیز پسند ہو اس کو اپنا لینا چاہیے اس لیے میں عید پر نئے کپڑے پہنتی ہوں تو کرسمس ٹری کا اہتمام اور سینٹا کلاز کا کردار بھی میرے لیے بہت پسندیدہ ہے۔“

آخری بات چیز خالق کائنات کی تو وہ ناک سکوڑتے ہوئے کہتی۔

”جب اس کے پاس جائیں گے تو دیکھ لیں گے کیا بنتا ہے۔“

یہ تھی شہزاد بیگ!

”اس کے ان خیالات کی کوئی اصلاح کرنے والا نہیں تھا فزیکل گرومنگ کا چوبیس گھنٹے دھیان رکھنے والوں کے پاس روح کے اندر جھانکنے کا وقت ہی کہاں ہوتا ہے؟“

ان ہی نادر خیالات کے زیر اثر شہزاد کے لیے پاکستان سے انگلینڈ روانگی کا وقت سر پر آ پہنچا۔

شہزاد ان نظریات کے ساتھ عازم سفر ہوئی کہ دنیا میں اپنی ذات سے آگے کچھ نہیں اور اگر کوئی اہمیت جتانے کی کوشش کرے تو اسے رکھو جوتے کی نوک پر۔

وہ کوئی ان پڑھ جاہل گھرانے یا نچلے طبقے سے تعلق تو نہیں رکھتی۔

وہ تو شہزاد ہے!

شہزاد بیگ ولد فرقان بیگ

☆☆☆

شہزاد کے دادا ہشام بیگ ریڈیو پاکستان کے مشہور براڈ کاسٹر تھے۔ ڈراموں میں صداکاری شوقیہ اور حالات حاضرہ یا سیاسی پروگراموں کی میزبانی ذریعہ معاش کے لیے کرتے تھے۔

نومبر 1965ء میں پی ٹی وی کا آغاز ہوا تو پی ٹی وی کارپوریشن کے ابتدائی دنوں میں چند پروگراموں میں حصہ لیا تھا انتہائی باوقار شخصیت، جن

جائیں، ہوا کا انبار مقامی سیاست ہو یا ملکی یعنی لاقوامی پالیسیوں پر بات کرنا ہو یا کھیل کھلاڑی، بولتے تو معلومات کا انبار لگا دیتے۔

قدرت نے انہیں زندگی کی مہلت بہت کم دی ملک راہی عدم ہوئے تو ان کا جوان سال بیٹا مرزا فرقان بیگ ان کی غیر موجودگی سے پیدا ہونے والے خلاء کو پر کرنے کے لیے موجود تھا۔

لیکن پی ٹی وی پر ان کی آمد حادثاتی تھی وہ تو ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ مینجمنٹ تینس کے متعلق دنیا کی بڑی یونیورسٹی سے ڈگری لے کر پاکستان آنا چاہتے تھے مگر باپ کی وفات کے کئی سال بعد انگلینڈ میں قیام کے دوران اس وقت کے جی ایم صاحب نے پی ٹی وی کے ابتدائی دنوں کے ساتھیوں کی یاد میں پروگرام منعقد کروایا لندن کی یونیورسٹی میں ہوٹل اینڈ مینجمنٹ کی ڈگری لینے والے مرزا فرقان بیگ ایک ہفتے کی رخصت پر ایسے آئے اور پروگرام "یاد رفتگاں" میں باپ کی خدمات پر اس طرح روشنی ڈالی کہ اس وقت کے واحد چینل پی ٹی وی کو پیارے ہوگئے حالات حاضرہ کے دو تین پروگراموں کی میزبانی کے فرائض اتنے شان دار طریقے سے ادا کیے کہ پروگرام کی کو پروڈیوسر انیلہ حق کی زلفوں کے اسیر ہوگئے۔ اور دونوں نے شادی کرلی۔

حالات حاضرہ سے چھلانگ لگا کر کچھ اشتہارات اور پھر ڈراموں میں اپنے فن اور اداکاری سے وابستہ ہوگئے۔

میاں بیوی دونوں اس وقت کے قومی چینل سے وابستہ تھے جب کھمبی کی طرح چہار جانب چینلز کی بھرمار ہوئی تو کچھ عرصہ بعد وہ ایک نجی چینل کو اپنی ملکیت میں لے چکے تھے۔ انیلہ حق انیلہ بیگ بن کر اسی سرکاری پی ٹی وی میں ترقی پا کر اسلام آباد ہیڈ کوارٹر منتقل ہوچکی تھیں۔

دونوں کی ایک ہی اولاد تھی شہزاد بیگ من موجی قسم کی لڑکی بچپن میں ہی نوتھ پیسٹ اور ٹائیوں نے ایک دو اشتہارات میں کام کرنے کا موقع ملا۔

ڈراموں اور اشتہارات میں کام کرنے کی ڈھیروں ڈھیر پرکشش پیشکش کے باوجود وہ مزید کام کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئی کیونکہ سوشل میڈیا کی لحہ بہ لحہ بدلتی صورت حال نے اس کے دماغ میں یہ بات راسخ کردی تھی کہ آج کا دور بڑی بڑی ڈگری کے حصول کا دور ہے، جتنی بڑی ڈگری اتنی کامیاب زندگی، ہاں اگر قدرت نے موقع دیا تو وہ شوقیہ کام کرتی رہے گی بس۔

یہی اس کے والدین کا نظریہ تھا اب سوائے اچھے معیاری ادارے کی ڈگری والے کے کوئی جینے کا ہنر نہیں جان سکتا۔

☆☆☆

جس یونیورسٹی میں باپ نے تعلیم ادھوری چھوڑی تھی اسی یونیورسٹی میں شہزاد اپنی ڈگری کی تکمیل کے لیے جارہی تھی۔

بابا مما نے ساتھ جانا چاہا تو سختی سے منع کردیا کہ "میں کون سا پہلی مرتبہ جارہی ہوں؟"

یہی اس کی لاعلمی تھی بھی بھار سیر و تفریح کے لیے جانے اور مستقل رہائش کے طور پر جانے میں زمین آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے

ائرپورٹ پر جہاز سے اترتے ہوئے وہ بڑی سرشاری کے عالم میں اپنے ہی خیالوں میں تھی۔ جب پاسپورٹ نکالتے ہوئے اس کا موبائل فون اس کے ہاتھ سے دور جا کر گرا اسے پکڑنے کے لیے جونہی وہ نیچے جھکی دایاں پاؤں اتنی بری طرح سے رپٹا کہ سیکنڈ کے دسویں حصے میں منہ کے بل گری۔

اس ناگہانی آفت اور درد کی شدت سے نکلنے والی چیخ نے ہیتھرو ائرپورٹ پر بہت سارے مسافروں کو متوجہ کیا

بمشکل اس نے امیگریشن کے مراحل پورے کیے۔

جونہی وہ باہر نکلی نیلی آنکھوں والی ایک لڑکی اس

کی طرف بڑھی وہ بمشکل کھڑا ہونے کی کوشش میں تھی اس لڑکی نے شہزاد کو السلام علیکم کہا پھر اس سے اس کے نام کی تصدیق چاہی، اس کے بعد اس کا بیگ اٹھایا اس کا ہینڈ کیری اپنے ہاتھ میں لیا اور شہزاد کو سہارا دے کر ایک کرسی پر بٹھایا۔

حلیمہ بنت مسعود تھی جو نیلی آنکھوں اور سنہرے سکارف میں لپٹی کوئی آسمانی حور لگ رہی تھی۔

ایک لمحہ کے لیے تو شہزاد بھی تکلیف کی شدت کے باوجود اس حسن بے بہا کو دیکھ کر گنگ ہوگئی۔

بس میں بٹھانے سے اس کے پاؤں کو نرم نرم انگلیوں سے سہلانے اور پھر بس سے اترنے میں مدد سے لے کر ائرپورٹ سے نکلنے کے تمام مراحل حلیمہ نے اتنی خوشدلی سے انجام دیے کہ بیس اکیس سال سے "بس اپنے آپ سے محبت" کی علمبردار شہزاد کے دل میں اس خیال نے انگڑائی لی۔

اگر یہ خوب صورت لڑکی قدرت نے میری مدد کے لیے نہ بھیجی ہوتی تو؟ اس نے جھرجھری لی۔

اف..... اوندھے منہ گرنا پاؤں کی چوٹ ہینڈ بیگ سے چیزوں کا نکل کر زمین پر گرنا، سب کی استہزائیہ نظریں۔" حلیمہ نے باقی کے بھی تمام امور خود ہی سرانجام دیے شہزاد خود بھی ذہنی کوفت میں مبتلا ہوچکی تھی پندرہ سولہ گھنٹے کے سفر کا اختتام اتنے بھیانک طریقے سے ہوگا یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔

پھر شہزاد کو کیب تک لانے والی بھی حلیمہ تھی۔

شہزاد کے چہرے پر تکلیف دیکھ کر ڈونٹ وری ان اللہ مع الصابرین کی تسلی دینے والی۔ راستے میں اپنے ہینڈ بیگ سے سینڈوچ کے ساتھ پین کلر دے کر سیٹ پر لیٹنے کا مشورہ دینے والی، مسلسل منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر شہزاد کے پاؤں پر پھونک مار کر تسلی دینے کا کام بھی حلیمہ نے کیا پین کلر کا اثر تھا یا حلیمہ کی دعاؤں کا شہزاد اپنے آپ کو بہتر محسوس کررہی تھی۔

اس کے بیس اکیس سالہ خیالات کی بلند و بالا عمارت میں دراڑ پڑ چکی تھی۔

اپنی ذات کے علاوہ بھی کوئی اچھا ہوسکتا ہے۔

اپنے علاوہ بھی محبت کی جاسکتی ہے اور سب سے بڑھ کر کوئی تو ہے جو سب کچھ پہلے سے جانتا ہے اور سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

یہ یونی ورسٹی کی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے اس کی نظریات میں تبدیلی تھی۔

کیب میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے حلیمہ شہزاد کو مسلسل تسلی دے رہی تھی تقریباً پچپن منٹ کی ڈرائیو کے بعد یونی ورسٹی کے آثار نظر آنا شروع ہوئے تو درد کش دوا بھی عمل اثر کرچکی تھی۔

سرگوشی میں شہزاد نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں آپ کا سامان کہاں ہے آپ کو کیا پتا میں کون ہوں؟ کہ کوئی بغیر غرض کے کسی کی اتنی زیادہ ہمدردی کیسے کرسکتا ہے۔

"تیور! تیور۔۔۔!" اس کے دماغ میں کیڑے کی طرح کلبلاتا ہوا سوال زبان کی نوک پر آہی گیا۔

حلیمہ نے مسکرا کر ہونٹوں پہ انگلی رکھ دی۔

پھر بولی۔

"الحب للہ والبغض للہ"

"کیا تمہیں اس حدیث کا"

مطلب پتا ہے؟؟ اس کا مطلب ہے محبت کرو تو اللہ کے لیے دشمنی رکھو تو بس اللہ کے لیے، چلو اب باقی بات ہم یونی جا کر بات کریں گے" حلیمہ مسکراتے ہوئے بولی اور کسی سے موبائل فون پر گفتگو میں مصروف ہوگئی۔

فون پر اس نے کسی سے عربی میں کچھ کہا اور جو کہا اس کی شہزاد کو بالکل سمجھ نہیں آئی تاہم شہزاد کا دل اور دماغ اس نئی تھیوری کو سمجھنے کی تگ و دو میں تھا کہ اللہ کے لیے اتنی محبت کیسے ہوسکتی ہے؟؟

کیا واقعی؟؟

دونوں کیب سے اتریں تو وہیل چیئر لیے ایک لمبی سی لڑکی ریسپشن پر موجود تھی دونوں نے شہزاد کو بہت احتیاط سے کیب سے اتارا حلیمہ نے پہلے کی طرح اپنا بایاں شانہ جھکا کر اسے ہاتھ رکھنے کا اشارہ

www.alifadab.com

کیا۔ سرل سرل پر وہ جب کمرے کے باہر پہنچی۔

دیوار پر اس کی روم میٹ کے نام والے خانے میں حلیمہ کا نام دیکھ کر اس نے سکون کا لمبا سانس لیا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ شہزاد کے منہ سے بے اختیار نکلا

"شکر الحمد للہ۔"

اندر داخل ہوتے ہی اسے بیڈ پر لیٹنے کا کہہ کر وہ تیزی سے قریبی کچن میں گئی چند ہی لمحوں میں وہ شوارما اور سینڈوچ کے ساتھ کافی کا گرما گرم مگ لیے اندر آئی ہاں اب سنو شہزاد، کہ میں تمہیں لینے کیوں گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈپارٹمنٹ کی انتظامیہ نے تمہارے استقبال کے لیے الفریڈ کو بھیجنا چاہا میں نے سوچا ہم دونوں نے ایک دوسرے کی آنے والے دنوں میں شکل دیکھنا ہی ہے تو میں چلی جاتی ہوں۔"

سادہ سے لہجے میں گرما گرم کافی اور سینڈوچ پلیٹ میں رکھ کر دیتے ہوئے حلیمہ نے کہا۔ پھر شرارتی لہجے میں پوچھا۔

"کیوں اچھا نہیں لگا؟ اس سچویشن کو بے چارا الفریڈ کیسے ہینڈل کرتا؟"

صرف ایک پل میں، عربوں کے بارے میں شہزاد کے بائیس سالہ متقی قسم کے نظریات کا دھڑن تختہ ہو چکا تھا۔

پاؤں پر جیل لگانے گرم پانی کی ٹکور اور درد کش ادویات نے بہت جلد اسے بھلا دیا کہ اسے ہیتھرو ائرپورٹ پر چوٹ لگی تھی۔

"وہ بہت حیران تھی یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ آخر کیوں؟" اتنی شدت کی تکلیف کے بعد اب اتنی جلدی پاؤں کا ٹھیک ہو جانا کہ انگلی سے دبانے پر بھی پتہ نہ چلے کہ چوٹ کس جگہ پر لگی تھی یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس نے پریشانی حلیمہ سے شیئر کی حلیمہ مسکرائی۔

"کیونکہ میرے بارے میں آنے والے وقت کے لیے تمہاری رائے مثبت قائم ہو سکے اس لیے یہ سانحہ پیش آیا۔"

شہزاد سناٹے میں آ گئی "کک کیا مطلب" دبنگ شہزاد کے منہ میں الفاظ پھنس رہے تھے۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" شہزاد پریشان ہو رہی تھی۔

"ہاں تو یہ میری دعا تھی ناں کہ جو بھی میرے ساتھ کمرہ شیئر کرے وہ میرا ہم مزاج بھی ہو، بھلا بتاؤ تم ایئرپورٹ سے میرے پاس کمرے میں آتیں کتنے سارے دن ہم دونوں، اجنبیوں کی طرح گزارتے پھر چار مہینوں کے بعد جو رائے قائم ہوتی اچھا نہیں کہ وہ چار منٹ میں ہی قائم ہو گئی۔"

"اس کا مطلب ہے مجھے چوٹ تمہاری بددعا کی وجہ سے لگی ہے" شہزاد نے نکتہ چینی کی۔

"نہیں بلکہ تمہیں اتنی جلدی شفا میری دعا سے ملی ہے چوٹ تو تمہاری تقدیر میں بہت پہلے سے لکھی تھی تمہارے پیدا ہونے سے بھی بہت پہلے لوح محفوظ میں، اس سے تو فرار ممکن ہی نہیں تھا۔"

اس نے ترنت جواب دے کر شہزاد کو لاجواب کیا۔

یہ دونوں کے اچھے تعلقات کا آغاز تھا حالانکہ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا شہزاد نے کبھی سجدہ نہیں کیا تھا اسلام کے بارے میں اس کی معلومات واجبی سی تھیں۔ اسے شوخ رنگ پسند تھے جبکہ حلیمہ کو بہت ہلکے رنگ پرانی چیزیں اور اسے بہت دھیما بولنا پسند تھا جبکہ شہزاد قدرے اونچا بولتی تھی۔

عربوں پر لعن طعن کرنے والی سوچ رہی تھی عرب اتنے اچھے ہوتے ہیں؟

شہزاد نے عربوں کے متعلق اپنا خیال حلیمہ کے سامنے پیش کیا، عربوں کو دنیا کی سب سے بزدل منافق اور عیاش قوم قرار دیا تو حلیمہ سن کر خاموش رہنے کے بجائے پراسرار انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو عیاش بزدل اور منافق ہی

نہیں بے بصیرت بھی۔"

شہزاد حیران ہوئی۔

"تمہیں برا نہیں لگا میں تمہاری قوم کی برائی بیان کر رہی ہوں۔"

"نہیں بالکل نہیں اس لیے کہ میں عرب نہیں فلسطینی ہوں۔" بڑی تسلی سے جواب دیکر حلیمہ نے شہزاد کو پھر ناک آؤٹ کر دیا تھا۔

☆☆☆

شہزاد حلیمہ سے صرف ایک سمسٹر جونیئر تھی لیکن شہزاد کی ہر مقام پر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے والی اس کی مددگار اس کے دل کی ساتھی۔

شہزاد کی کوئی بہن نہیں تھی لیکن اسے اب احساس ہو رہا تھا، دنیا کا خوب صورت ترین رشتہ بہنوں جیسی دوستوں کا بھی ہے۔

آنے والے دنوں میں دونوں کی مصروفیات کا شیڈول بہت تھکا دینے والا تھا، شہزاد صرف یونی ورسٹی سے ہاسٹل تک کی زندگی سے تھک بیزار ہو جاتی اسے کسی قسم کی مالی مشکلات نہیں تھیں اس لیے وہ اکثر گھومنے پھرنے یا کسی تقریب میں شرکت کے لیے چلی جاتی۔ شروع میں اپنے والدین کے ملنے والوں سے اس کا کافی تعلق رہا جیسی کی طرف سے کبھی کبھی کسی پروگرام کا دعوت نامہ مل جاتا، آہستہ آہستہ جن تقریبات کی وہ روح رواں سمجھی جاتی تھی وہ ان سے بور ہونے لگی۔

قسمت سے باپ یا ماں کیا صرار پر چلی بھی جاتی تو بیزار ہو کر بہت جلد واپس آ جاتی۔

فون پر کبھی باپ کی طرف سے اور کبھی ماں کی طرف سے گوشمالی ہوتی تو وہ مخصوص رٹا رٹایا جواب دیتی۔

"پڑھائی میں بے حد مصروف ہوں۔"

اپنی اس تبدیلی کو وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی جبکہ حلیمہ کے مالی حالات اچھے نہ تھے وہ علی الصبح کسی کو آن لائن ٹیوشن پڑھاتی تھی، شہزاد سونے جاگنے کی کیفیت میں ہوتی تھی جب اسے حلیمہ کی آہستہ آہستہ بولنے کی آواز سنائی دیتی۔ وہ عربی زبان میں لیکچر نما تقریر کر رہی ہوتی تھی۔ جب شہزاد الارم کی آواز پر انگڑائی لے کر اٹھتی دائیں بائیں نظر ڈالتی تو کمرہ حلیمہ کے وجود سے خالی ہوتا۔ اور بس زیتون کے تیل میں تلی کسی چیز، پنیر یا اچار کی خوشبو کمرے میں چکرائی پھرتی، اس کے وجود کا احساس دلاتی۔

حلیمہ کا روزمرہ کا معمول یہی تھا کہ وہ علی الصبح ہاسٹل سے نکلتی اور رات گئے واپس آتی تو شہزاد سونے کی تیاریوں اور کلینزنگ میں مصروف ہوتی۔

اس مختصر عرصے میں بھی بہت سی باتیں ہوتیں باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہوتا اور دونوں باتیں کرتے کرتے نیند کی گہری وادی میں اتر جاتیں حلیمہ زیر لب کچھ ذکر اذکار کرتی اور اس کے بعد اس کے خراٹے کمرے میں گونجتے تو شہزاد کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتی، دانت کچکچاتے ہوئے وہ سوچتی صبح ہو گی تو سب سے پہلے اسے خراٹوں پر قابو پانے کی تلقین کروں۔

اس کی نوبت ہی نہ آتی اس لیے صبح پھر وہی حلیمہ کی ٹیوشن، شہزاد کا سونے جاگنے کے بیچوں بیچ ہونا آنکھ کھلنے پر حلیمہ کے بجائے زیتون کے تیل میں فرائی انڈہ یا زیتون کے اچار کی خوشبو۔

اف وہ اپنے بال نوچتی سوائے چند ایک دنوں کے ایسے ہوتا، ہاں کئی مرتبہ وہ یہ بھی دیکھتی کہ ابھی حلیمہ سو رہی تھی ابھی چاق و چوبند کام میں مصروف ہے ابھی خراٹے لے رہی تھی ابھی کسی سے کال میں مصروف ہے۔

کمرے میں رات کے چند گھنٹوں کے لیے حلیمہ کا قیام شہزاد کے لیے حیران اور پریشان کن ہوتا اس میں بھی وہ کچھ نہ کچھ کرتی دکھائی دیتی اور نہیں تو کچن میں جاتی اور کھانے کے ڈبے کے ساتھ واپس آتی زیتون کے تیل میں تلی ہوئی گرما گرم کوئی نہ کوئی چیز لیے۔

وہ سونے جاگنے کی کیفیت میں پڑی شہزاد کو مخاطب کرتی۔ "آؤ دعوت طعام ہے۔"

www.attiadlab.com

ایک دو مرتبہ تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے۔

بہت شوق سے شہزاد نے زیتون کا اچار منہ میں ڈالا لیکن سچی بات ہے اس پھیکے اور بک بکے کھانے کا پہلا چمچہ چکھنے کے لیے دوسرا مارے مروت کے منہ میں ڈالتی۔ کئی منٹ وہ منہ بند رکھ کر سوچتی اسے لگے یا اگل دے؟

حلیمہ کے جاتے ہی وہ پہلا کام، اس کھانے کی ڈسپوزیبل پلیٹ کو ڈسٹ بن میں پھینکنے کا کرتی۔

اس کے بعد حلیمہ نے کبھی بھی اسے کھانے کی پیشکش نہیں کی، شاید اس نے ڈسٹ بن میں جھانک کر اپنے دیے رزق کا حشر دیکھ لیا تھا۔

☆☆☆

دونوں کی پڑھائی بہت نازک حالات میں تھی جب شہزاد کی مما کا روتے ہوئے فون آیا۔

''شہزاد نانو چلی گئیں۔'' روتے ہوئے بس یہی فقرہ دو مرتبہ کہہ کر مما نے کال کاٹ دی تب یہ حلیمہ ہی تھی جس نے اپنی جاب اور ٹیوشن سے چھٹی لی اور ایمبیسی سے رابطہ کیا۔

پاکستان جانے والی تمام فلائٹس کے شیڈول دیکھے سب سے پہلے والی میں اس کی ٹکٹ کنفرم کروا کے اس کے سامان کی پیکنگ کی۔ اسے گلے سے لگا کر صبر کی تلقین کی۔

شہزاد کی بچی بند گئی تھی نانو سے پیار تھا لیکن اتنا زیادہ تو ان کے جانے کے بعد محسوس ہوا تھا۔

حلیمہ نے زبردستی سینڈوچ اور کافی کا مگ دیا۔

اس کے بیگ میں دوران سفر ضروری اشیا رکھیں اسے ایئرپورٹ چھوڑنے گئی۔

امیگریشن سے چند لمحے قبل تک حلیمہ سائے کی طرح ساتھ رہی اسے دھیمے لہجے میں سمجھاتی رہی۔

''شہزاد! دیکھو آج تک جتنے بھی آئے ہیں سب گئے، سب نے ہی جانا ہے میں نے تم نے بس خوش قسمت وہ ہے جو تیاری رکھے جاتا ہے۔ تمہاری نانو ان شاء اللہ جنت میں ہوں گی تم بس انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھتی رہنا یہ ہر غم کے موقع کے لیے بہترین ٹانک ہے کیونکہ اللہ رب العالمین نے اپنی کتاب میں یہ تلقین کی ہے۔'' اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے وہ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' اور دیکھو اپنی ماما کو بھی صبر کی تلقین کرنا ان سے کہنا جب کوئی دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی میت کے پاس اس کی اچھی باتوں کو بیان کرتے ہیں۔

اس کی نیکی کی گواہی سب کے سامنے دیتے ہیں کیوں کہ سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میت کے پاس اس کی اچھی گواہی دو فرشتے وہاں موجود ہوتے ہیں قریب کے لوگ اس کے متعلق جو کہتے ہیں وہ رب العالمین کے حضور لے کر جاتے ہیں۔

ایئرپورٹ کے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بھی حلیمہ اسے ہاتھ ہلا ہلا کر صبر کی تلقین کر رہی تھی۔

یہ پہلا سفر تھا جب شہزاد نے اپنے سر کو اسکارف سے ڈھانپ رکھا تھا اور وہ بہت غم کی کیفیت میں تھی۔

یہ پہلا سفر تھا کہ اس نے کانوں میں موسیقی سننے کے لیے ہینڈ فری نہیں استعمال کیے تھے۔

وجہ نانو کی موت نہیں بلکہ سوچ کے لیے بہت سے وہ موضوعات تھے جن پر اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا موت، قبر، فرشتے وغیرہ وغیرہ۔

شہزاد ایک ہفتہ کی چھٹی پر پاکستان گئی تھی گھر میں پہنچنے سے قبل نانو کو قبرستان لے جایا جا چکا تھا۔

بس ایک جھلک تھی چند سیکنڈ کی جو اس نے قبرستان میں پہنچ کر سفید کفن میں ملبوس نانو پر ڈالی تھی اور اسے لگتا تھا نانو کی موت نے اسے زندگی بخش دی۔ اب تک وہ مردہ تھی۔

اسے روتا بلکتا دیکھ کر سب پریشانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایسا تو وہ دادو کے جانے پر یا چھوٹے ماموں کے انتقال پر بھی نہیں روئی تھی۔ بہت دیر لگی تھی اسے سنبھلنے میں۔ اب تک ہر کسی سے بچوں کی

طرح گلے سے لگ کر مل رہی تھی۔

اسے دیکھ کر سب حیران ہو رہے تھے۔ اس کی گفتگو میں ماشاء اللہ، الحمد اللہ، استغفر اللہ جیسے الفاظ کا کثرت سے استعمال سب کو حیران کر رہا تھا۔

اس کے سر پر اسکارف نے تو سوالیہ نشان سب کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اور جب نانا نے پوچھا۔

''کہیں تم نے کسی عرب لڑکی کے ساتھ کمرہ تو شیئر نہیں کیا؟ ذرا دھیان سے یہ بہت فضول سے لوگ ہیں مجھے اردن کے اسد خلیل کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا تھا بڑی عیاش دوغلی اور قابل نفرت قوم ہے۔''

''نہیں نانا ابا! ایسا نہیں میرے ساتھ فلسطینی لڑکی ہے حلیمہ، مجھے لگتا ہے دنیا میں ان سے اچھی کوئی قوم ہی نہیں، میرے تو سارے خیالات اس کے ساتھ رہ کر تبدیل ہو گئے ہیں۔'' شہزاد نے ان کو وضاحت دینے کی کوشش کی۔

نانا نے شانے اچکائے۔

''میرا فرض تو تمہیں سمجھانا تھا آگے تمہاری مرضی۔'' تب وہ خود بھی حیران ہوئی تھی، یہ بیس بائیس سالہ زندگی میں اچانک نظریات کیسے تبدیل ہوئے محض ایک لڑکی کے اچھے اخلاق کی وجہ سے۔

شہزاد نے سوچا وہ جاتے ہی حلیمہ کو ضرور بتائے گی۔

دیکھو میں نے تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری تعریف کی بلکہ سب کے سامنے تمہاری وکالت کی وہ تصور میں حلیمہ کا شرمایا چہرہ دیکھ مسکرائی۔

ہفتہ بہت جلد بیت گیا۔ پاکستان سے جاتے ہوئے وہ حلیمہ کے لیے بہت سے تحائف لے کر گئی۔

دسویں دن جب وہ ایئرپورٹ پر امیگریشن سے فارغ ہوئی تو اس نے حلیمہ کو کال کی۔ اسے بے اختیار اپنا پچھلا سفر یاد آ گیا تھا۔

اس کا دل شدت سے خواہش مند تھا کہ اسے لینے کے لیے حلیمہ ہی ایئرپورٹ پر آئے لیکن بیسیوں بار فون کال ملانے کے باوجود بات ممکن نہ ہو سکی کہ اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔

اس نے اس کے لیے واٹس نوٹ بھیجا کم از کم دس بارہ گھنٹے کے بعد جب وہ ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترے تو حلیمہ کو موجود ہونا چاہیے لیکن اسے درمیان میں دو گھنٹے دبئی کے قیام میں تب نیٹ ورک بند ملا۔

اس نے ساتھ والے کمرے کی جینفر سے رابطہ کیا۔

پہلے تو اس نے شہزاد کو پہچاننے سے ہی صاف انکار کر دیا جب اس نے اسے تین چار مرتبہ اکٹھے واک کرنے کی مال میں خریداری کے لیے جانے اور ترک ریسٹورنٹ میں کھانے کی تصویریں بھیجیں تو بہت مشکل سے ایئرپورٹ لینے کے لیے آنے پر آمادہ ہو گئی۔

کہ ہا کتنی بدتمیز ہے ابھی دو ماہ قبل مجھ سے بیس پاؤنڈ لیے تھے اب ذرا مانگے سہی۔ دوران سفر شہزاد نے بے مروت اور احسان فراموش جینفر کو یاد کر کے دانت کچکچائے۔

جہاز لینڈ کر رہا تھا تو اسے پھر سے حلیمہ یاد آ گئی اس کے موبائل فون پر سگنلز آ چکے تھے لیکن حلیمہ کا نیٹ ورک مسلسل بند تھا۔

ایئرپورٹ پر امیگریشن اور بیلٹ سے سامان لینے کے بعد جب شہزاد باہر آئی تو جینفر ابھی نہیں پہنچی تھی۔

جینفر دس بارہ منٹ کے بعد دکھائی دی، سو سو نخروں کے بعد کیب میں جب دونوں بیٹھ چکی تھیں تو شہزاد بار بار پاؤں کی طرف دیکھ رہی تھی پچھلا سفر پوری جزئیات کے ساتھ یاد آ رہا تھا۔

تب اسے محسوس ہوا کہ اسے حلیمہ سے شاید خود سے زیادہ ہی محبت ہو گئی ہے۔

وہ خیال میں مسکرائی اسے بتاؤں گی وہ بہت خوش ہو گی۔

لیکن یہ کیا بات ہے کیا حلیمہ کے دل میں یہی جذبات شہزاد کے لیے ہیں یا نہیں؟

چند سیکنڈ سوچنے کے بعد اس کا دل مرجھا گیا۔

www.allfiadab.com

"نہیں۔" اس نے سوچا اگر حلیمہ اس سے اتنا ہی تعلق رکھتی تو وہ سلوک کبھی نہ کرتی جو پچھلے مہینوں میں کیا۔

جب بھی اتوار کے دن وہ کسی پاکستانی یا انڈین ریسٹورنٹ سے کھانا منگواتی۔ کوفتے، بریانی، دال ماش اور اس کا پسندیدہ بھنڈی گوشت اس نے ہر مرتبہ حلیمہ کو کھانے میں شرکت کی دعوت دی لیکن ہر مرتبہ وہ گول کر گئی۔

کہیں جانے کے لیے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

پانچ چھ مرتبہ کے انکار کے بعد شہزاد نے اسے کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اور بہانے بھی حلیمہ کے پھسپھسے ہوتے۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"مجھے مرچ مسالوں والے کھانے موافق نہیں۔"

یا پھر بہانہ بناتی۔

اس وقت پیٹ بھرا ہوا ہے۔

(ہونہہ نہیں تو نہ سہی!)

وہ خیالات کی دنیا سے واپس کیب میں آئی۔

دس پندرہ منٹ کے سفر کے بعد جیفر نے ترچھی نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھا۔

"وہ تمہاری فلسطینی چوہیا کا کیا حال ہے دو تین دن سے نظر نہیں آئی۔"

"یہی تو میں پوچھنے والی تھی کہ حلیمہ کا فون بند ہے خیریت تو ہے۔" شہزاد پریشانی سے بولی۔

"مجھے کیا معلوم مجھے تو بس اتنا پتا ہے کوئی گڑبڑ ہے اسکے ساتھ اب پلیز مجھ سے کوئی اور سوال مت پوچھنے بیٹھ جانا میں اس کے کندھوں پر ہر وقت سوار نہیں رہتی کہ مجھے اس کی مٹر وفیات کا علم ہو۔" ترش لہجے میں منہ پھٹ جیفر نے شہزاد کی بولتی بند کروا دی۔

ہاسٹل پہنچ کر اسے یاد آیا کمرے کی دونوں چابیاں تو حلیمہ کے پاس ہیں۔

"اوہ میرے خدایا اب اس نے گھومتے سر پر قابو پاتے ہوئے سوچا۔

ڈرتے ڈرتے اس نے حلیمہ کا نمبر ملایا۔

پہلی کوشش میں کال اٹینڈ کر لی گئی۔

"السلام علیکم۔" حلیمہ کی نرم سی آواز سن کر شہزاد کی سانس بحال ہوئی۔

"کہاں ہو؟" شہزاد نے پوچھا۔

"کمرے میں۔" مختصر سا جواب دے کر بغیر کچھ پوچھے اس نے کال کاٹ دی۔

شہزاد کمرے میں داخل ہوئی۔" حلیمہ گرم جوشی سے ملی پہلے کی طرح گرما گرم کافی اور اسنیکس بھی ساتھ پیش کیے۔

"تم ٹھیک رہیں پاکستانی میں؟" حلیمہ نے پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ تم تین چار دن سے کہاں غائب تھیں پتا نہیں تھا کہ میں آ رہی ہوں اور امتحان بھی سر پر ہیں۔" شہزاد خفگی بولی۔

"کچھ نجی قسم کی مصروفیات تھی۔" بظاہر مسکراتے ہوئے حلیمہ نے کہا لیکن شہزاد دیکھ رہی تھی اس کی نیلگوں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں اس کا رنگ مرجھایا اور چہرہ کملایا ہوا ہے۔

"حلیمہ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے مجھے بیمار لگ رہی ہو۔" شہزاد سارا غصہ اور خفگی بھول کر پریشانی سے بولی۔

"الحمدللہ رب العالمین۔" حلیمہ نے سکون سے جواب میں کہا۔

"مجھے جیفر نے بتایا ہے تم تین دن سے ہاسٹل سے غائب تھیں اور ہے کوئی گڑبڑ بھی ہوئی ہے تمہارے کافی سارے لوگ تمہیں لینے آئے تھے تم کہاں تھیں سب خیریت تو ہے۔" شہزاد نے ایک سانس میں کئی سوال کیے۔

"شکر الحمدللہ۔" حلیمہ نے تسلی دی۔

"اچھا یہ کچھ چیزیں مما نے تمہارے لیے بھیجی ہیں میں تمہارے لیے لائی ہوں۔" شہزاد نے ہینڈ

کیری اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو کتنی خوب صورتی سے کڑھائی کی گئی ہے۔ سبز رنگ کی شال پر موتیوں جیسی کڑھائی والی نفیس شال شہزاد نے حلیمہ کے حوالے کی اور پوچھا۔

"کیسی ہے؟"

"بہت زبردست بے مثال۔" گرم جوشی سے حلیمہ نے تعریفی کلمات ادا کیے لیکن اس کا رواں رواں شہزاد کو دکھی اور لہجہ بوجھل محسوس ہوا۔

"اور یہ ہڈی میں اپنی پسند سے تمہارے لیے لائی ہوں۔" بہت نفیس اور قیمتی ہڈی اس نے حلیمہ کے سامنے رکھی۔

"شکریہ بہت بہت، واقعی بہت خوب صورت ہے۔" حلیمہ نے تعریف میں کنجوسی نہیں دکھائی۔

"اور جناب، کافی تم نے پلائی اس سے میری بھوک چمک اٹھی مجھے بہت بھوک لگی ہے تم اچھی دوست ہو اتنے لمبے سفر سے واپس آئی ہوں، کھانے کا پوچھا نہ میری نانو کی آخری رسومات کا۔" شہزاد نے آنکھیں دکھائی۔

حلیمہ تیزی سے اٹھی۔

"اوہ معذرت، شاید میں تمہاری غیر موجودگی میں بھلکڑ ہو گئی ہوں ویسے تم جانتی ہو کہ میں بہت اچھی میزبان ہوں۔" حلیمہ ہلکا سا مسکرائی۔

"رہنے دو آج مابدولت تمہارے میزبان ہیں، میں اس مرتبہ کھانے پینے کا وافر اسٹاک لے کر آئی ہوں تم ذرا یہ فولڈنگ میز سیٹ کرو میں مائیکرو اوون سے گرم کھانا لاتی ہوں تم بھی کیا یاد کرو گی۔" شہزاد سے کھانے کا ڈبہ نکال کر کچن میں لے گئی۔ پانچ منٹ میں بریانی گرما گرم قورمہ، کباب میز پر کھانے کی سراپا دعوت بنے ہوئے تھے۔ دیسی مسالا جات اور اصلی گھی کی خوشبو نے تو شہزاد کو دیوانہ کر دیا۔

"آؤ یار، آج میں بہت خوش ہوں بغیر چوٹ کے ہاسٹل پہنچ گئی ہوں اس خوشی میں کھانا حاضر ہے۔" شہزاد اسے بازو سے گھسیٹتے ہوئے میز تک لائی۔ حلیمہ ہچکچائی۔

"کھاؤ ناں، کیا ہو گیا ہے؟" شہزاد نے بریانی پلیٹ میں ڈالی اور کباب کے ساتھ اسے پکڑائی۔

"وہ ناں" حلیمہ پلیٹ پکڑنے میں ہچکچا رہی تھی۔

"کھاؤ ناں تمہارے لیے اسپیشل لائی ہوں یہ۔" شہزاد نے اصرار کیا۔

"ابھی بھوک نہیں ہے مجھے تھوڑی دیر کے بعد کھا لوں گی۔" حلیمہ نظریں جھکائے بولی وہ شہزاد سے نظر چرا رہی تھی شہزاد نے ایک دم کچھ سوچا اور بولی۔

"تمہاری ہزار خوبیوں کے ساتھ یہ کیوں بھول جاتی ہوں کہ تم میرے کھانے کو حرام سمجھتی ہو کبھی بھی تم نے چکھ کر نہیں دیکھا۔" شہزاد ناراض ہو چکی تھی اس کی کالی سیاہ آنکھوں سے آنسوؤں نے پلکوں سے نکل کر اس کے گال بھو گئے۔

"نہیں بالکل نہیں۔ استغفراللہ یہ بات نہیں بات یہ ہے کہ تم نے کل بتایا ہوتا کہ تم کھانے میں شامل کرو گی تو میں روزہ نہیں رکھتی۔ میرا روزہ ہے۔"

وہ روزے کا ایسے بتا رہی تھی جیسے کسی خامی کا گناہ کا بتایا جاتا ہے۔

"تم روزے سے ہو؟ اوہ مائی گاڈ۔" وہ چیخی "اس کا مطلب ہے پہلے بھی میں تمہیں کھانے کی آفر کرتی تھی تم ہمیشہ روزے سے ہوتی تھیں۔ اف میرے خدایا، اف، تم روز بھوکی رہتی ہو سارا دن اف، شہزاد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے پھر کسی خیال کے تحت وہ سر جھکائے مجرموں کے سے انداز میں بیٹھی حلیمہ پر نظر ڈال کر انداز میں بولی۔

"اسلام یہ تو نہیں کہتا کہ سارا سال بھوکے رہو۔" حلیمہ نے آنسوؤں سے بھری پلکوں کو اٹھایا تو شہزاد کا دل بند ہونے لگا۔

یہ آنسو تھے یا سرخ خون کے قطرے، دکھ اور اذیت نے اس کے چہرے کو اتنا اداس بنا دیا تھا جیسے پکے ہوئے انگور۔

www.aiffadab.com

کبھی سحری افطاری کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا یہ کس قسم کے روزے ہیں جو سارا سال رکھنے پڑتے ہیں کیا ہمارا دین اتنا سخت ہے یا تم نے کوئی منت مان رکھی ہے۔ ایک سانس میں دس سوال کر کے اور دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے شہزاد نے اعتراض کیا۔

''نہیں میری پیاری! آنکھ کی نوک پر جما آنسو صاف کرتے ہوئے حلیمہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''دین سخت نہیں ہے ہمارے حالات سخت ہیں میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ تمہیں بتایا ہے کہ تم ہمارے حالات لوگوں سے مختلف ہیں۔ ہمارے مسائل اور طرح کے ہیں یوں سمجھو جیسے مریخ یا مشتری سے کوئی آئے تو وہ زمین کے لیے ناسازگار ہوگا، مس فٹ ہوگا، ہم بھی زمین کے باسی نہیں ہیں، ہمارا بچپن عام بچوں کی طرح نہیں گزرا ہمارے حالات باقی دنیا کے رہنے والوں جیسے نہیں۔

ہم نے بچپن کا کھیل کود اور بے فکری والا زمانہ گھروں میں قید ہو کر خوف اور بھوک کی حالت میں گزرا ہماری وہ گلیاں جن میں لگے زیتون کے درختوں کے سائے میں ہماری نانیاں دادیاں ہماری خالائیں کھیلا کرتی تھیں، ان گلیوں میں ہم کئی کئی ماہ قدم نہیں رکھ سکتے تھے چھوٹے چھوٹے کمروں کے چھوٹے سے دالان والے گھروں میں ہم صبح سے شام کر دیتے تل ابیب کے کتے ہمارے گلیوں کے دونوں سروں پر بھاری اسلحے کے ساتھ کھڑے رہتے۔ ایک آدھ مرتبہ کسی نے بیمار لاچار کو ہنگامی حالت میں کہیں لے کر جانا چاہا تو ان جہنمیوں نے انہیں گولیوں سے بھون دیا یہ جب چاہیں گیس بند کر دیں۔ جب چاہیں پانی بند کر دیں کئی کئی دن گرمیوں کے موسم میں پانی نہیں ملتا۔

جب ہفتے میں دو ایک دن کے لیے کرفیو کی بندش ڈھیلی ہوتی تو میرے بابا بڑی بڑی کین میں پانی لے آتے تھے بسکٹ نمکو اور چاول یہی چیزیں چھوٹی سی دکان سے ملتی تھیں ہم سات بہن بھائی تھے۔ ہماری ماں ہمیں صبح کی نماز کے بعد ہمارے حصے کا راشن دیتی ایک ایک گلاس پانی، ایک بسکٹ ایک مٹھی زیتون کا پھل اور بہت سارے صبر کی تلقین یہ دیتے ہوئے روزانہ ہمیں وہ نصیحت کرتیں۔

''یہ تمہارے حصے کا رزق ہے چاہو تو پانی بھرا گلاس غٹا غٹ ایک گھونٹ میں ختم کر لو اور چاہو تو قطرہ قطرہ کر کے شام تک زبان تر رکھو۔

ہاں ہفتے میں دو دن جمعرات اور پیر کے دن سحری میں چاول ابالے جاتے، جو بالعموم زیتون کے اچار کے ساتھ کھائے جاتے یا جو کے آٹے کی خشک روٹی زیتون کے تیل سے چپڑ کر زیتون کے اچار کے ساتھ دی جاتی۔ ہفتے میں ایک کپ دودھ اور بس پیر اور جمعرات کو ہمارے بڑے بہن بھائی اور والدین روزہ رکھتے۔ جب بھوک نے ہمیں صبر کے پہلے درجے پر فائز کر دیا تو ہماری امی نے ہمیں سمجھایا۔

''تم چاہو تو تم بھی بھوک کو انعام میں بھی بدل سکتی ہو روزہ کی نیت کر لو تو سارا دن بھوک برداشت کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس سارا دن اعصاب پر بھوک سوار رہتی ہے، رنگ برنگی لذتیں اور ذائقے حسرت میں جلا رکھتے ہیں شہزاد! یقین کرو ابراہیم کے رب کی قسم، وہ پانی سے بھرا گلاس ہتھیلی پر رکھا بسکٹ اور دو چار دوسری چھوٹی موٹی چیزیں، روزے کی حالت میں سامنے پڑی رہتیں سارا سارا دن گزر جاتا، ہمارے دل میں انہیں کھانے کی چاہت پیدا نہیں ہوتی تھی، بس ہم نے بھوک کے خوف پر روزے سے قابو پا لیا۔

ہم نے بچپن میں ہی بھوک کو صبر میں، خوف کو عبادت میں بدل لیا۔

یوں صبر کے دوسرے مدارج طے کرتے کرتے ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ ہم سے کوئی چیز لے لی جائے ہمیں دربدر کر دیا جائے ہمارا پیارا ان صیہونیوں کے ظلم سے دنیا سے رخصت ہو جائے۔ غم اپنی جگہ لیکن ہم پہلے الحمد اللہ رب العالمین ہی کہتے ہیں۔ اب ہم ہر خوف سے آزاد ہیں بھوک کے،

بیماریوں کے، دربدر ہونے کے، جنگ کے یہاں تک کہ موت کے خوف سے بھی ہم نے شکوے شکایت کو شکر میں ڈالنا سیکھ لیا ہے۔ وگرنہ کوئی بچہ سارا دن گھر میں بند رہ سکتا، کوئی بچہ سارا دن بھوک برداشت کر سکتا ہے؟ وہ دم لینے کو رکی اور بولی۔

''تم پریشان تھیں، میرا موبائل فون بن تھا میں ہاسٹل میں نہیں تھی تو میں اپنی ایک عزیزہ کے ہاں تھی مجھے ان کا میسج ملا تھا۔ الحمد اللہ رب العالمین۔'' ایک کوڈ ہے شہادت کا رتبہ پانے والوں کی اطلاع دینے کے لیے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا وہ کون ہیں پھر میرے غزہ سے جانے والے کچھ رشتے دار جو لندن میں رہتے ہیں مجھے لینے آئے کہا۔

''ہم تمہیں خوشخبری دینا چاہتے ہیں لیکن ہاسٹل میں نہیں ہمارے گھر جانا پڑے گا۔''

میں دھک دھک کرتے دل کے ساتھ رخصت ہوئی۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ سب سے بڑی بشارت تو شہادت کی ہو سکتی ہے لیکن کون اس سعادت کا مستحق ہوا۔ یہ مجھے وہاں جا کر پتا چلا میرے بابا، میری ماں، میری دادی، میری دو بہنیں، اکلوتا بھائی سب غزہ میں شہید ہو گئے۔ بس ایک بڑی بہن جو شادی شدہ ہیں اور خان یونس میں رہتی ہیں، وہ دنیا میں ہیں۔ حلیمہ کی پلکوں سے آنسو کی لڑی ٹوٹ رہی تھی وہ رو رہی تھی۔ شہزاد تم میرے لیے دعا کرنا میں ثابت قدم رہوں اللہ میری مدد فرمائیں۔''

حلیمہ ضبط کے کٹھن مراحل سے گزر رہی تھی اور شہزاد اسے سینے سے لگائے ہچکیوں سے رو رہی تھی ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے اس کا جی چاہ رہا تھا جیسے نانی اماں کی وفات پر مما اونچی آواز میں روئی تھیں۔ وہ بھی ایسے ہی روئے کہ اس کے دل کا بوجھ کم ہو حلیمہ کا سارا خاندان ختم ہو گیا وہ کہہ رہی تھی

''نہیں شہزاد! سب زندہ ہیں وہ ختم نہیں ہوئے میرے رب کے پاس زندہ ہیں۔''

شہزاد کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ اس کا دل چھلنی ہو رہا تھا جانے والوں سے کہیں زیادہ اس آگاہی کا غم تھا۔ جو ابھی ابھی حلیمہ کے حالات جان کر اسے لاحق ہوا تھا اور ہمیشہ لاحق رہنا تھا کہ آگہی سے زیادہ درد دنیا میں کسی چیز کا نہیں ہوتا۔

ہوٹل کا ڈلیوری بوائے گاجر کا حلوہ لے کر آ چکا تھا بیس پچیس منٹ سے مسلسل رابطے میں ناکامی کے بعد واپس چلا گیا تھا۔

شہزاد کا سارا جسم کانپ رہا تھا وہ کسی ماں کی طرح حلیمہ کو سینے سے لگائے اونچی آواز سے یہی کہہ رہی تھی۔

''اللہ اکبر''

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وبشر الصابرین۔

اللہ اکبر حلیمہ! میری بہن ہو تم اکیلی نہیں ہو تم میری بیٹی ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اللہ اکبر، حلیمہ تم اب بھی روزے سے ہو؟ اللہ اللہ۔'' شہزاد حال سے بے حال ہوئی۔ کبھی دل پر ہاتھ رکھ کر نیچے کی طرف جھکتی۔ وہ سسک رہی تھی۔

''یا رب! تیری دنیا میں تیرے بندوں پر اتنا ظلم یا رب یا رب مدد یا رب۔''

شہزاد کے وجود کے اس ناقابل برداشت غم کو سہہ نہ سکنے کی وجہ سے جیسے پرخچے اڑا رہے تھے۔ وہ بار بار حلیمہ کا ماتھا چومتی اسے سینے سے لگاتی اس کی نگاہوں میں بے بسی تھی۔

''اللہ اکبر.....'' اور سامنے میز پر رکھے۔ مائیکرو اوون سے نکالے پاکستانی کھانے مسلم دنیا کے حکمرانوں کی طرح ٹھنڈے اور بے جان ہو چکے تھے۔ گرمی بس ان دونوں کے سینے میں رکھے لوتھڑے میں تھی جسے دل کہتے ہیں۔

www.alifadab.com

وقت کی کتنی ہے یہ تیز رفتار دیکھیے
ہر آدمی ہے اب زر کا طلب گار دیکھیے

قدر فن کی نہیں رہی یاں ذرا دیکھو
زبردست ہے جو اُسے ہی فنکار دیکھیے

اُف کس قدر یہ قیامت خیز عالم ہے
زندگی بھی تو ہے مشکل اور دشوار دیکھیے

افسردہ کیوں نظر آتے ہیں بزم کے لوگ
آنکھیں اُن کی نم ہیں اور اشکبار دیکھیے

گلہ نہ کریں اہلِ جہاں اگر بے وفا ٹھہریں
بس اللہ ہی کو دوست اور مددگار دیکھیے

دید کو اُس کی تمہیں آرزو تھی فیضان
عالی جناب! دیکھیے اُس کو سرِ بازار دیکھیے

فیضان سروری

اب اور تب

کہا اس نے
مجھے تب واقعی تم سے محبت تھی
کہا میں نے
مجھے تو آج بھی تم سے محبت ہے
وہ تب کی بات کرتی ہے
میں اب کی بات کرتا ہوں
مگر جو فاصلہ تب اور اب کے درمیان
حائل ہے
وہ ہم سے تو مل کر بھی سمیٹا جا نہیں سکتا
وہ اب تک آ نہیں سکتی
میں تب کو پا نہیں سکتا

قتیل شفائی

لطیفوں کی سالگرہ

قابل دید

دوسرے شہر پہنچ کر ایک شخص نے ہوٹل کے کمرے میں کمپیوٹر کی سہولت دیکھی تو اس نے اپنی بیوی کو اپنی خیریت بتانے کے لیے ای میل کردی لیکن جلدی میں ای میل ایڈریس غلط لکھ دیا۔ کسی اور شہر میں ایک دوسری عورت نے شوہر کی تدفین کے بعد سوچا کہ رشتے داروں کے تعزیتی پیغامات پڑھ لوں اس نے جب ای میل باکس کھول کر ای میل پڑھی تو بے ہوش ہوکر گر پڑی اس کا بیٹا کمرے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ ماں بے ہوش ہے اور کمپیوٹر کھلا ہوا ہے اس نے کمپیوٹر کی اسکرین پر نظر ڈالی، جہاں لکھا تھا۔

”میری پیاری بیوی! میں خیریت سے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ یہاں کمپیوٹر وانٹرنیٹ کی سہولت بھی موجود ہے۔ میں یہاں بہت مزے میں ہوں اور تمہارے آنے کا بندوبست کردیا ہے کل تم یہاں پہنچ جاؤ بس اب تمہارا انتظار ہے۔“

چاہت کے انداز

ایک اداکار کی بیوی نے اظہار محبت کرتے ہوئے کہا۔

”اگر میں مر رہی ہوتی تو میرے شوہر ہر وقت نظروں کے سامنے رہتے۔“

جواباً شوہر نے اپنے جذبات کو اس طرح ظاہر کیا۔ ”اگر میری بیوی ڈائری ہوتی تو میں اسے ہر سال بدل دیتا۔“

بے چارگی

دوپہر سے رات ہوگئی لیکن بیوی کی شاپنگ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی شوہر بے چارہ تھکن سے چور ہوگیا۔ بیوی نے اس کی بوریت دور کرنے کے لیے کہا۔

”دیکھو پیارے کتنا خوب صورت چاند نکل آیا ہے؟“

شوہر نے بے دلی سے جواب دیا۔

”ہاں بہت خوب صورت ہے لیکن اسے کل خریدیں گے۔“

جلد بازی

تائیوان کے ایک شخص نے اپنی منگیتر کو جلدی شادی پر رضامند کرنے کے لیے سات سو سے زائد خطوط بذریعہ ڈاک روانہ کیے۔

”لیکن اس کی امیدوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب لڑکی نے شادی کرنے کا فیصلہ اس پوسٹ مین سے کرلیا جو اس کے لیے خطوط لایا کرتا تھا۔“

احمق

میاں بیوی شام کے وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بیوی نے ریسیور اٹھانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی شوہر نے اٹھالیا۔ پھر ایک لمحے کے بعد جھلا کر بولا۔

”مجھے کیا معلوم، تم محکمہ موسمیات سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟“

یہ کہہ کر اس نے ریسیور پٹخ دیا۔

”کون تھا ڈارلنگ؟“

بیوی نے بے چینی سے پوچھا؟

”معلوم نہیں کون گدھا تھا پوچھ رہا تھا کہ مطلع صاف ہے یا نہیں۔“

☆☆

www.alfradab.com

شگفتہ جاوید

باتوں سے خوشبو آئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اتنے عمل کا بوجھ اٹھاؤ جتنے کی تمہیں طاقت ہو کیونکہ بہترین عمل وہ ہے جس پر زیادہ پابندی کی جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔"

اجر

حضرت صعصعہ بن ناجیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہونے کے لیے آئے۔

مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک بات پوچھنی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پوچھو۔"

کہنے لگے۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دور جاہلیت میں ہم نے جو نیکیاں کی ہیں، ان کا بھی اللہ ہمیں اجر عطا کرے گا؟ کیا اس کا بھی اجر ملے گا؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو بتا تو نے کیا نیکی کی؟" تو کہنے لگے۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دو اونٹ گم ہو گئے۔ میں اپنے تیسرے اونٹ پر بیٹھ کر اپنے دو اونٹوں کو ڈھونڈنے نکلا۔ میں اپنے اونٹوں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے جنگل کے اس پار نکل گیا جہاں پرانی آبادی تھی۔ وہاں میں نے اپنے دو اونٹوں کو پا لیا۔

ایک بوڑھا آدمی جانوروں کی نگرانی پر بیٹھا تھا۔ اس کو جا کر میں نے بتایا" کہ یہ دو اونٹ میرے ہیں۔"

وہ کہنے لگا "یہ تو چرتے چرتے یہاں آ گئے تھے تمہارے ہیں تو لے جاؤ۔"

ان ہی باتوں میں اس نے پانی بھی منگوا لیا چند کھجوریں بھی آ گئیں۔ میں پانی پی رہا تھا، کھجوریں بھی کھا رہا تھا کہ ایک بچے کے رونے کی آواز آئی تو بوڑھا پوچھنے لگا۔

"بتاؤ بیٹی پیدا ہوئی ہے کہ بیٹا؟"

میں نے پوچھا۔ "بیٹی ہوئی تو کیا کرو گے؟"

کہنے لگا۔ "اگر بیٹا ہوا تو قبیلے کی شان بڑھائے گا۔ اگر بیٹی ہوئی تو ابھی یہاں اسے زندہ دفن کرا دوں گا۔ اس لیے کہ میں اپنی گردن اپنے داماد کے سامنے جھکا نہیں سکتا۔ میں بیٹی کی پیدائش پر آنے والی ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ میں ابھی دفن کرا دوں گا۔"

حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بات سن کر میرا دل نرم ہو گیا، میں نے اس سے کہا۔

"پھر پتا کرو، بیٹی ہے کہ بیٹا ہے۔"

"اس نے معلوم کیا تو پتا چلا کہ بیٹی پیدا ہوئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "کیا واقعی تو اسے دفن کرے گا؟"

کہنے لگا۔ "ہاں!"

میں نے کہا۔ "دفن نہ کر، مجھے دے دے۔ میں لے جاتا ہوں۔"

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے مجھ سے کہا "اگر میں بچی تم کو دے دوں تو تم کیا دو گے؟"

میں نے کہا۔ "تم میرے دو اونٹ رکھ لو اور بچی دے دو۔"

کہنے لگا کہ نہیں دو نہیں۔ یہ جس اونٹ پہ تو بیٹھ کے آیا ہے میں یہ بھی لوں گا۔

میں نے کہا۔ "ایک آدمی میرے ساتھ گھر بھیجو یہ مجھے گھر چھوڑ آئے میں یہ اونٹ اسے واپس دے دیتا ہوں۔"

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تین اونٹ دے کر ایک بچی لے لی۔ اس بچی کو لا کر میں نے اپنی کنیز کو دے دیا کہ اسے دودھ پلاتی رہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ بچی میرے داڑھی کے بالوں سے کھیلتی، وہ میرے سینے سے لگتی۔ حضرت پھر مجھے نیکی کا چسکا لگ گیا پھر میں ڈھونڈنے لگا۔ کہ کون کون سا قبیلہ بچیاں دفن کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتائیں میرا مالک مجھے اس کا اجر دے گا؟"

کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا داڑھی مبارک پر آنسو گرنے لگے۔ انہیں سینے سے لگایا ان کا ماتھا چوم کے فرمانے لگے۔

"یہ تجھے اجر ہی تو ملا ہے کہ رب تعالیٰ نے تجھے دولتِ ایمان عطا کر دی ہے۔"

"نبی کریم فرمانے لگے۔"

"یہ تیرا دنیا کا اجر ہے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ قیامت کے دن رب کریم تجھے خزانے کھول کر دے گا۔"

یہ واقعہ امام طبرانی (وفات: ۳۶۰ ہجری) کی معجم کبیر میں حدیث ۲۱۴۷، امام حاکم (۴۰۵ ہجری) کی المستدرک میں حدیث ۲۶۵۶، ابن اثیر جزری (وفات: ۶۳۰ ہجری) کی اسد الغابہ میں مذکور ہے۔

تین چیزیں

تین چیزیں اپنی زندگی میں ڈال لو اور تین لفظ نکال لو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری محبوبیت اور تمہاری عزت لوگوں کے دلوں میں گاڑ دے گا۔

وہ تین لفظ جو زندگی میں اپنانا ہیں۔

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔"

اور تین لفظ اپنی زندگی سے نکالنا ہیں۔

"یہ کیوں کیا؟"

سوچیں اللہ نے پوچھ لیا کہ یہ کیوں کیا؟ تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔

رابطہ اور تعلق

ایک بوڑھے شخص (ریٹائرڈ پروفیسر) کا انٹرویو نیویارک کے ایک صحافی نے کیا۔ صحافی نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق بوڑھے شخص سے انٹرویو شروع کیا۔

صحافی: جناب آپ نے اپنی ایک تقریر میں رابطہ اور تعلق کے بارے میں بتایا تھا۔ یہ واقعی الجھن پیدا کرتا ہے۔ کیا آپ براہ کرم وضاحت کر سکتے ہیں؟"

بوڑھے شخص نے مسکراتے ہوئے اور بظاہر سوال سے ہٹ کر صحافی سے پوچھا:

بوڑھا شخص: "آپ کے گھر میں کون کون ہے؟"

یہ بہت ذاتی اور غیر ضروری سوال تھا۔ پھر بھی صحافی نے کہا: "والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ والد ہیں۔ تین بھائی اور ایک بہن۔ سب شادی شدہ ہیں۔"

بوڑھے شخص نے مسکراتے ہوئے پھر پوچھا:

"کیا آپ اپنے والد سے بات کرتے ہیں؟ آپ نے آخری بار ان سے کب بات کی؟"

صحافی نے اپنی ناراضی کو دباتے ہوئے کہا:

"شاید ایک مہینہ پہلے۔"

بوڑھا شخص: کیا آپ کے بھائی اور بہنیں اکثر ملتے ہیں؟ آپ نے آخری بار کب ایک خاندانی اجتماع میں ملاقات کی؟"

صحافی نے آہ بھرتے ہوئے کہا: "ہم آخری بار کرسمس پر دو سال پہلے ملے تھے۔"

بوڑھا شخص: "آپ سب کتنے دن ایک ساتھ

www.alifadab.com

صحافی (اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے) نے کہا: ”تین دن۔“

بوڑھا شخص: ”آپ نے اپنے والد کے ساتھ کتنا وقت گزارا، ان کے بالکل پاس بیٹھ کر؟“

صحافی پریشان اور شرمندہ نظر آیا اور کاغذ پر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔

بوڑھا شخص: ”کیا آپ نے ایک ساتھ ناشتہ، دوپہر یا رات کا کھانا کھایا؟ کیا آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیسے ہیں؟ کیا آپ نے ان سے پوچھا کہ والدہ کے انتقال کے بعد ان کے دن کیسے گزر رہے ہیں؟“

صحافی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

بوڑھے شخص نے صحافی کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ”شرمندہ، پریشان یا اداس نہ ہوں۔ اگر میں نے آپ کو انجانے میں تکلیف پہنچائی ہو تو معذرت چاہتا ہوں۔ لیکن یہ بنیادی طور پر آپ کے سوال کا جواب ہے ”رابطہ اور تعلق“ کے بارے میں۔ آپ کا اپنے والد سے رابطہ ہے، لیکن آپ کا ان سے تعلق نہیں ہے۔ آپ ان سے جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ تعلق دل سے دل کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک ساتھ بیٹھنا، کھانا شیئر کرنا اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا، چھونا، ہاتھ یا آنکھوں سے رابطہ کرنا، کچھ وقت ایک ساتھ گزارنا۔ آپ کے تمام بھائیوں اور بہنوں کا رابطہ ہے لیکن ایک دوسرے سے تعلق نہیں ہے۔“

صحافی نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا: ”مجھے ایک عمدہ اور ناقابل فراموش سبق سکھانے کا شکریہ۔“

یہ آج کی حقیقت ہے۔ چاہے گھر میں ہو یا معاشرے میں، سب کے پاس بہت سارے رابطے ہیں، لیکن کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہر کوئی اپنی دنیا میں مصروف ہے صرف ”رابطے“ نہ رکھیں بلکہ ”تعلق“ بھی رکھیں۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنا، شیئر کرنا اور اپنے پیاروں کے ساتھ وقت گزارنا۔

مطالعہ کا فائدہ

شیخ سلمان العودہ اپنی کتاب ”زنزانہ میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ سے شکایت کی کہ میں نے ایک کتاب پڑھی، لیکن مجھے اس میں سے کچھ یاد نہیں رہا! چنانچہ انہوں نے مجھے ایک کھجور دی اور فرمایا:

”لو یہ چباؤ!“ پھر مجھ سے پوچھا: ”کیا اب تم بڑے ہو گئے؟“

میں نے کہا: ”نہیں!“

فرمایا۔ ”لیکن یہ کھجور تمہارے جسم میں گھل مل گئی، چنانچہ اس کا کچھ حصہ گوشت بنا۔ کچھ ہڈی، کچھ پیٹھ، کچھ کھال، کچھ بال، کچھ ناخن اور مسام وغیرہ!!“

تب میں نے جانا کہ جو کتاب بھی میں پڑھتا ہوں، وہ تقسیم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ حصہ میری لغت مضبوط کرتا ہے۔ کچھ میرا علم بڑھاتا ہے، کچھ میرا اخلاق سنوارتا ہے، کچھ میرے لکھنے بولنے کے اسلوب کو ترقی دیتا ہے، اگرچہ میں اس کو محسوس نہیں کر پاتا!“

ایک ہی غم

چارلی چپلن نے حاضرین کے سامنے ایک نکتہ بیان کیا اور پورا مجمع ہنس پڑا۔ اس نے پھر وہی جملہ دہرایا مگر اس بار کچھ لوگ ہی ہنسے۔ چارلی نے تیسری بار وہی جملہ کہا مگر اب کی بار کسی کی ہنسی نہ نکلی۔

وہ کچھ دیر کے لیے رکا اور پھر ایک بہت خوب صورت جملہ کہا:

”اگر تم ایک ہی بات پر کئی بار ہنس نہیں سکتے تو پھر ایک ہی غم یا ایک ہی واقعے کو لے کر بار بار کیوں روتے رہتے ہو؟“

”میرے پیارو! اپنی زندگی کے ہر ہر لمحے سے لطف اندوز ہونا سیکھو۔“

☆☆

رحمت لصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر کی ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا تو کسی نے پوچھا۔

”لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ”میں ہوں۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اس علم کو اللہ کی طرف کیوں نہ لوٹایا۔ اور کہتے واللہ واعلم۔“

”پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ”مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ ہے وہ تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ ”پروردگار ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے؟“

حکم ہوا ”اپنے ساتھ ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لو، جہاں وہ مچھلی غائب ہو جائے، وہ شخص وہیں ہوگا۔“

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لی۔ اور اس کو ٹوکری میں ڈال کر چل دیے۔ آپ کے ہم راہ آپ کے ایک خادم یوشع بن نون علیہ السلام بھی تھے۔

چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچے تو دونوں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی میں زندگی پیدا ہوئی۔ وہ رومال سے نکل کر سمندر میں چلی گئی۔ مچھلی پانی کے جس حصہ میں بہتی ہوئی گئی اور جہاں تک گئی وہاں پانی برف کی طرح جم کر ایک چھوٹی پگڈنڈی کی طرح ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر میں ایک لکیر یا خط کھینچا ہوا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کے خادم ان کو مچھلی کا قصہ بتانا بھول گئے چنانچہ انہوں نے دن کا باقی سفر پورا کیا۔ جب اگلا دن ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا ”ہم بہت تھک چکے ہیں کھانا لے آؤ۔“

موسیٰ علیہ السلام کو سفر کی مشقت اسی وقت محسوس ہوئی جب وہ اس متعین جگہ سے آگے بڑھ گئے جہاں ان کو جانے کا حکم دیا گیا تھا۔

یوشع بن نون نے کہا ”آپ کو معلوم رہے کہ جب ہم پتھر کی چٹان پر تھے تو وہیں مچھلی کا یہ تعجب خیز واقعہ پیش آیا کہ اس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ رومال سے نکل کر سمندر میں چلی گئی اور اس کی رفتار پر سمندر میں راستہ بنتا چلا گیا میں آپ سے یہ واقعہ کہنا بھول گیا تھا یہ بھی شیطان کا ایک چرکا تھا۔“

وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے اور اس پتھر کے قریب پہنچے وہاں ایک آدمی کو دیکھا اور سلام کیا۔ اس شخص نے کہا ”تمہاری سرزمین میں سلام کہاں؟“ یعنی تمہاری سرزمین میں تو مسلمان نہیں رہتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”میں موسیٰ علیہ السلام ہوں۔

انہوں نے پوچھا: ”بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام“:

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

جی ہاں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

”کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ جو مفید علم آپ کو منجانب اللہ سکھایا گیا ہے اس میں سے آپ کچھ مجھے بھی سکھلا دیں؟“

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: ”آپ سے میرے ساتھ رہ کر میرے افعال پر صبر نہ ہو سکے گا۔ اے موسیٰ! مجھے بھی اللہ کی جانب سے ایسا علم عطا کیا گیا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو بھی منجانب اللہ ایسا علم عطا کیا گیا ہے جسے میں نہیں جانتا۔“

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان شاء اللہ آپ مجھے صابر و ضابط پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔“

حضرت خضر علیہ اسلام نے کہا:

”اچھا! اگر آپ میرے ساتھ رہنا ہی چاہتے ہیں تو اتنا خیال رہے کہ مجھ سے کسی بات کی نسبت پوچھنا نہیں جب تک کہ میں خود ہی اس کے متعلق نہ بتا دوں۔“

چنانچہ وہ دونوں دریا کے کنارے پر چلے، وہاں ایک کشتی گزری، ان کشتی والوں سے سوار ہونے کا کہا تو

www.attaadab.com

ان لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ان کو سوار کر لیا، ابھی سوار ہی ہوئے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑی لے کر کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے:

"ان لوگوں نے ہمیں بغیر اجرت کے سوار کیا، یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے ان کی کشتی کو چھید ڈالا تاکہ کشتی والوں کو غرق کر دیں؟ آپ نے تو بڑا خطرناک کام کیا۔"

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

"میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔"

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ فرمائیے۔ اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالیے۔

"یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پہلی بھول تھی۔"

کہتے ہیں کہ ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، اس چڑیا نے اس دریا میں ایک یا دو بار چونچ ماری، اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

"میرا اور تمہارا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں دریا کے ان قطروں کے برابر ہے جو اس چڑیا نے اس دریا سے لیے۔"

پھر وہ دونوں کشتی سے باہر آئے۔

کچھ آگے چلے تو حضرت خضر علیہ السلام کو ایک کمسن لڑکا نظر آیا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس بچے کا سر پکڑا اور اس کا سر پھاڑ کر مار ڈالا، موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے:

"آپ نے ایک بے گناہ بچے کو مار ڈالا، آپ نے یہ بڑی بے جا حرکت کی ہے۔"

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

"کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر و ضبط نہ ہو سکے گا۔ اور یہ غلطی پہلے سے زیادہ سخت ہے۔"

"موسیٰ علیہ السلام نے کہا" اگر اس مرتبہ کے بعد کسی امر کے متعلق کچھ پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔"

پھر دونوں آگے چلے، یہاں تک کہ جب ان کا ایک گاؤں والے کے پاس سے گزر ہوا تو وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا کہ ہم مہمان ہیں، ان لوگوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ اتنے میں ان کو وہاں ایک دیوار نظر آئی جو گرا ہی چاہتی تھی، ان بزرگ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر کہنے لگے:

"یہ لوگ تو ایسے ہیں کہ ہم ان کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ہماری مہمان نوازی بھی نہ کی اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت ہی لے لیتے۔"

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا۔

"یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے۔ (لیکن پھر بھی) میں ان چیزوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

وہ جو کشتی تھی وہ چند آدمیوں کی تھی، جو اس کے ذریعہ دریا میں محنت و مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ان لوگوں سے آگے کی جانب ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔ میں نے ان کی کشتی کو اس لیے عیب دار کر دیا تاکہ اس کشتی کے نادار مالکان اس کے ذریعہ نفع اٹھاتے رہیں جن کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نفع پہنچانے والی چیز نہیں تھی۔ (بعض کہتے ہیں کہ کشتی کے مالکان یتیم تھے۔)

اور رہا وہ لڑکا جسے مار ڈالا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے۔ اس کے بجائے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو اور والدین کے ساتھ محبت کرنے میں بھی اس سے بڑھ کر ہو۔

جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا وہ اصل طبیعت میں کافر پیدا ہوا تھا۔ جس وقت وہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے والدین بہت خوش ہوئے اور جس دن وہ قتل ہوا تو ان کو بہت رنج ہوا، اگر وہ زندہ رہتا تو اس میں والدین کی ہلاکت کا امکان تھا۔

"اور وہ دیوار جو درست کر دی گئی، اس کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم لڑکے ہیں۔ جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں تو اپنا خزانہ محفوظ پا کر نکال لیں۔ یہ ان لڑکوں پر اللہ کی رحمت اور مہربانی تھی۔ جو اس طرح ظہور میں آئی۔ اور یاد رکھو کہ میں نے جو کچھ کیا، اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا) یہ ہے اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"

☆☆

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

ماہرہ ایوب.....لندن

آدھی بھی کہہ سکیں تو غنیمت ہے آج کل
کھل کر وہ بات کرنے کی عادت نہیں رہی

کیتی آرا سلطان.....ٹنڈو قیصر

نہیں تم سے کوئی شکوہ مگر ایک التجا ہے
جو بنا رہے ہو حالت، کبھی آ کے دیکھ جانا

مدیحہ مبین.....چکوال

سجتی تیرے روپ کا سایہ
سیدھا دل پر پڑتا ہے
سب سے اس کی باتیں کرنا
کتنا اچھا لگتا ہے

شبنم بٹ.....فیصل آباد

ستارہ خوب صورت ہے کہ ذرہ خوب صورت ہے
ابھی یہ فیصلہ ہونے کو ہے، کیا خوب صورت ہے
یہ مانا عشق کی تقدیر میں اجرت نہیں کوئی
مگر یہ بھی تو دیکھو، کام کتنا خوب صورت ہے

شہلا ظہور.....وہاڑی

نہ زمین ہے میری قرارگاہ، نہ فلک ہے منزل جذب و دل
بڑی دیر سے ہے سفر میرا، میری یاد سے تیری یاد تک

نور فاطمہ.....لیہ

سقراط کے پینے سے کیا مجھ پر عیاں ہوتا
خود زہر پیا میں نے تب اس کا اثر جانا

ثوبیہ قطب.....کراچی

آج کیوں میری رفاقت بھی گراں ہے تجھ کو
تو کبھی اتنا بھی افسردہ نہ تھا میری طرح

خنساء احمد.....بفرزون

دل کسی کا ہے، جاں کسی کی ہے
یہ بھی شکل زندگی کی ہے

روبینہ مجید.....اسٹیل ٹاؤن

میرے سب اقرار غلط ٹھہرے گویا
ہر کردار میں سب سے جھوٹا میں ہی تھا
علم و عمل کے اوزاروں سے لیس تھے سب
تنہا، بے بس اور نہتا میں ہی تھا

انعم طلحہ.....کراچی

کون روتا ہے کسی اور کی خاطر اے دوست
سب کو اپنی ہی کسی بات پہ رونا آیا

عمارہ آصف.....ملیر

یہ میرا گھر جسے چھوڑ کر یوں جا رہا ہوں
کیا تھا کیوں اسے تعمیر، اب پچھتا رہا ہوں

مسفرہ نعیم.....ملتان

وقت سے پہلے تین پانچ مت کرنا
وقت حلیہ بگاڑ دیتا ہے

حبیبہ خان.....کراچی

تو یہ نہ سمجھ تجھ سے الفت گئے دنوں کی بات ہے
ہم آج بھی سوچتے ہیں تجھے اپنی ذات سے پہلے

سحر سہل.....کراچی

بغیر وجہ کے نہیں بے رخی عدم ان کی
ضرور ہم سے وہ رغبت زیادہ رکھتے ہیں

رضوانہ وقاص.....کرلاں ہری پور

یہ بھی آداب ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں، تمہیں کیا معلوم

نمرہ اقراء.....کراچی

وہ نہ تھا ترک تعلق پہ پشیمان تو پھر
تم کو بھی چاہیے یہ تھا کہ مکر جانا تھا
عشق میں سوچ سمجھ کر نہیں چلتے سائیں
جس طرف اس نے بلایا تھا، ادھر جانا تھا

شمن فراز خان.....گلشن روی

روگ ایسے بھی غم یار سے لگ جاتے ہیں
در سے اٹھتے ہیں تو دیوار سے لگ جاتے ہیں

☆☆

www.alifadab.com

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

مٹن وجیٹیبل رائس

ضروری اشیاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
چاول	ایک کلو
پھول گوبھی	ایک پاؤ
آلو	تین عدد
شلجم	ایک عدد
گاجر	ایک عدد
مٹر	ایک کپ
ہری مرچیں	چار عدد
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
سونف	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	دو عدد
زردرنگ	ایک چٹکی
دودھ	ایک چوتھائی کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب:

دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز سنہری کرلیں، ثابت گرم مسالا، کٹا ہوا دھنیا، پسا زیرہ، کٹی ہوئی سونف، لہسن ادرک اور گوشت ڈال کر بھون لیں۔ پانی ڈال کر گوشت گلالیں، اس میں پھول گوبھی، آلو، شلجم، مٹر، گاجر اور ہری مرچیں ڈال کر درمیانی آنچ پر چند منٹ بھونیں اب اس میں چاول، نمک اور حسب ضرورت پانی شامل کرکے پکائیں۔ پانی خشک ہوجائے تو زردرنگ دودھ میں مکس کرکے چاولوں کے اوپر ڈالیں، ڈھک کر پانچ منٹ دم پر رکھیں، مکس کرکے سرونگ ڈش میں نکالیں اور گرم گرم سرو کریں۔

جلفریزی کڑاہی

اجزاء:

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
تیل	آدھا کپ
پیاز	دو دو عدد
ہری مرچ	آٹھ عدد
ٹماٹر	آدھا کلو
کٹا زیرہ	دو چائے کے چمچے
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
شملہ مرچ	ایک عدد

نمک اور پسا ہوا ادرک لہسن ڈال کر گوشت ابالیں، ایک برتن میں تیل گرم کرکے پیاز کو سنہری کرلیں۔ پھر ابلا ہوا بکرے کا گوشت، ہری مرچ، شملہ مرچ، زیرہ اور پسے ٹماٹر ڈال کر خشک ہونے تک پکائیں۔ اچھی طرح بھن جائے تو کالی مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر پیش کریں۔

تل والا تکہ

ضروری اشیاء:

مرغی	ایک کلو
لال مرچ	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالا	چوتھائی چائے کا چمچہ
خشخاش	آدھا چائے کا چمچہ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
تل	دو چائے کے چمچے
سفید مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک لہسن	دو چائے کے چمچے
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچے
دہی	چار کھانے کے چمچے
چلی ساس	دو کھانے کے چمچے
ٹھوری میٹھی	ایک چائے کا چمچہ
جائفل	چوتھائی چائے کا چمچہ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
بگھار کے لیے	
گھی	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد

ترکیب:

مرغی کو دھو کر اچھی طرح صاف کرلیں اور اس پر چھری سے کٹ لگالیں۔ تمام مسالے ڈال کر پیسٹ تیار کرلیں۔ مسالوں کو مرغی کے ٹکڑوں پر لگا کر تین سے چار گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ مرغی کو سیخوں میں پرو کر کوئلوں پر گولڈن براؤن کرلیں حرے دار تکہ تیار ہے۔ سیخیں نہ ہوں تو آپ پتیلی میں بھی تھوڑا سا گھی یا تیل ڈال کر ہلکی آنچ پر ڈھک کر پکا سکتی ہیں ایک طرف سے پک جائے تو پلٹ کر دوسری طرف سے پکالیں پھر کوئلہ کا دھواں دیں۔

حلیم

اجزاء:

گوشت	دو کلو
یخنی	دو کپ
نمک	ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
تیز پتے	دو عدد
پیاز	دو عدد
گھی	ایک کپ
گیہوں	آدھا کلو
جو	ایک پاؤ
دال چنا	ایک پاؤ
دال مسور	آدھا کپ
دال مونگ	آدھا کپ
دال ماش	آدھا کپ
ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچے
گرم مسالا	حسب ضرورت
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
بگھار کے لیے	
گھی	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد

گیہوں اور جو کو الگ الگ ابالیں دالیں بھی بھگو کر ابال لیں۔ دیگچی میں گھی گرم کرکے بڑی پیاز تل لیں اور ثابت گرم مسالا بھی شامل کرلیں۔ اس کے بعد گائے کا گوشت، ادرک لہسن نمک، لال مرچ اور ہلدی ڈال کر خوب بھونیں اور اس میں گائے کی ہڈیوں کی یخنی ملا کر اتنا پکائیں کہ گوشت ریشہ ریشہ ہوجائے۔ اب اس میں ابلی دالیں دال، ابلے گیہوں اور جو ڈال کر خوب گھوٹ لیں۔ تھوڑا پانی ڈال کر پکائیں گاڑھا ہونے پر اتار لیں، بگھار لگا کر تلی پیاز ادرک لیموں اور ہرا دھنیا پودینے کے ساتھ پیش کریں۔

میٹھے گجے

اجزاء

میدہ	دو کپ
دودھ	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
گھی	آدھا کپ
قلنگ کے لیے	
کھویا	ایک کپ
چینی	آدھا کپ
کشمش	ایک کھانے کا چمچہ
پستے	ایک کھانے کا چمچہ
بادام	ایک کھانے کا چمچہ
ناریل	آدھا کپ

ترکیب:

پیالے میں کھویا، پسی ہوئی چینی، کشمش، بادام، پستے اور پسا ہوا ناریل ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں میدہ گوندھ لیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر روٹی بیل لیں درمیان میں کھوئے کا آمیزہ رکھیں اور ڈی کی شکل دے کر سائڈ سے بند کرلیں۔ کڑاہی میں گھی گرم کرکے درمیانی آنچ پر تل لیں۔ سنہری ہوجائیں تو نکال لیں۔

☆☆

www.alifaclab.com

مون سون اور جلد کی حفاظت

مون سون کے موسم کی گرمی، نمی اور گھٹن کی وجہ سے جلد پر ہونے والی چپچپاہٹ پریشان کر دیتی ہے۔ مسام بند ہو جاتے ہیں۔ ایکنی، کیل مہاسے جیسے مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ اس موسم میں طرح طرح کی کریموں، تیز مسالے والی اور تلی ہوئی چیزوں سے پرہیز کریں۔ ملتانی مٹی کا ماسک ہفتے میں دو بار لگائیں۔ دن میں دو مرتبہ سادے پانی سے چہرہ دھوئیں۔ سبز چائے کو بطور ٹونر استعمال کریں۔ کم چکنائی والا موائسچرائزنگ لوشن لگالیں۔

خشک جلد اس موسم میں کم پریشان کرتی ہے خشک جلد نم ہو کر نرم ہو جاتی ہے۔ خشک جلد کے لیے آپ نیم فیس واش اور وٹامن ای سے بھرپور موائسچرائزر کا استعمال کریں۔

اس موسم میں جلد انفیکشن کا شکار بھی ہو سکتی ہے سوتی کپڑوں کا استعمال کریں تاکہ جسم کو بھی ہوا لگ سکے اور پسینہ بھی خشک ہو سکے۔

اگر آپ کی جلد حساس ہے تو آپ بازار کی مہنگی کیمیکل والی چیزیں بالکل استعمال نہ کریں بلکہ ہربل طریقہ اپنائیں۔

چہرے کی صفائی کے لیے آپ پپیتے کا گودا چہرے پر لگائیں۔ نرم ہاتھوں سے مساج کریں۔ بیسن، ملتانی مٹی، کھیرا بھی بہترین ہے۔

ملتانی مٹی کا ماسک ہر قسم کی جلد کے لیے بہترین ہے۔ ملتانی مٹی اور ہلدی کا استعمال آپ کی جلد کو چمک دار اور شاداب بنائے گا۔ چہرے کے کیل مہاسے، بے رونقی چمک اور تمام مسائل کے لیے یہ ماسک بہترین ہے۔ ایک چمچہ ملتانی مٹی میں آدھا چمچہ ہلدی کو خشک حالت میں اچھی طرح مکس کریں آدھا چمچہ لیموں کا رس اور حسب ضرورت پیسٹ بنانے کے لیے عرق گلاب شامل کریں۔ چہرے اور گردن پر لگائیں اور خشک ہونے دیں پھر سادہ پانی سے دھولیں۔ ایلوویرا جیل سے موائسچرائز کریں۔ آپ یہ ماسک ہفتے میں ایک بار لگا سکتی ہیں۔"

اس پیچے موسم میں میک کرنے سے پہلے ایک چمچہ کچے دودھ میں ایک چمچہ بیسن اور ایک چمچہ عرق گلاب سے محلول تیار کرلیں۔ میک اپ کرنے سے دس منٹ پہلے یا پانچ منٹ کے لیے لگائیں ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔ اس سے آپ کا میک اپ دیر تک برقرار رہے گا۔

ایک چمچہ صندل پاؤڈر میں ایک چمچہ شہد ملا کر پیسٹ بنالیں۔ منہ اور گردن دھو کر خشک کرلیں پندرہ سے بیس منٹ کے لیے چہرے اور گردن پر لگائیں اور سادے پانی سے دھولیں۔ خشک کر کے جیل موائسچرائزر لگائیں۔

"ٹماٹر قدرتی بلیچ ہے یہ رنگ کو صاف کرتا ہے داغ دھبے دور کرتا ہے اور چہرے پر چمک بھی آتی ہے ایک تازہ ٹماٹر کو بلینڈ کرلیں اس میں ایک لیموں کا رس ڈالیں۔ چہرے اور گردن پر لگائیں خشک ہونے کے بعد سادہ پانی سے دھولیں۔"

مون سون اور گرتے بال:

ایلوویرا بالوں کے لیے بہترین ہے، ایلوویرا جیل کو لے کر آپ کھوپڑی پر مساج کریں۔ یہ آپ کے بالوں کی جڑوں کو دوبارہ اگنے میں مدد دے گا۔ یہ گرتے ہوئے بالوں کا بہترین علاج ہے۔ یہ سر کی خشکی و سکری کا خاتمہ کر کے دماغ کو سکون بھی پہنچاتا ہے۔